لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اُسوۂ حسنہ

ترجمہ

هَدْيُ الرَّسُوْل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اختصار

زَادُ الْمَعَادِ فِيْ هَدْيِ خَيْرِ الْعِبَادِ

باوقار تالیف

شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ

مترجمہ

مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی

ناشر
فضل ربی ندوی
مجلسِ نشریاتِ اسلام
۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد ۱/۲، کراچی ۱۸

●●

نام کتاب ـــــــ اسوۂ حسنہ
تالیف ـــــــ امام ابن قیمؒ
ترجمہ ـــــــ مولانا عبدالرزاق ندوی ملیح آبادی
سال اشاعت ـــــــ ۱۹۷۹ء
تعداد ـــــــ ہزار
کتابت ـــــــ عبدالحفیظ
مطبوعہ ـــــــ تنویر پروسیس
قیمت ـــــــ /۷۰

●●

ناشر:
فضلِ ربی ندوی
مجلسِ نشریاتِ اسلام
۱۔ کے۔۳۔ ناظم آباد ۱، کراچی ۱۸

پہلی مرتبہ یہ کتاب ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی تھی، اب اس کے دوسرے ایڈیشن میں مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے نظرِثانی فرمادی ہے، اور مزید حواشی اور اضافہ کے ساتھ قارئینِ کرام کے ہاتھوں پہنچ رہی ہے۔

عبدالعزیز آفندی

۷ر جنوری ۱۹۳۳ء

اِنتساب

علامہ ابن قیمؒ کی یہ تصنیف، امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؔ کے نامِ نامی سے منسوب کی جاتی ہے، ایک شہنشاہِ علم کے جواہر کا تہدیہ دوسرے شہنشاہِ علم کی خدمت میں ہے۔

الہلال بک ایجنسی کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ اور امام الہند تینوں علم برداران کتاب وسنّت سے خاص نسبت حاصل ہے، اہل دُنیا کی نظریں اہلِ دَول کے کیسۂ زر پر رہتی ہیں۔ مگر ہمارا قبلۂ مقصود علم اور شہنشاہانِ علم ہیں:

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس!

عبدالعزیز آفندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ از مترجم

ابن قیم کا تعارف

امام ابن قیمؒ کی سوانحعمری کیلئے یہ چند ورق ناکافی ہیں، البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ ابن قیمؒ "شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ" کے شاگرد رشید، زندگی بھر کے رفیقِ صادق، قیدخانے کے ساتھی اور استاد کے بعد اُن کے علوم کے نہایت قیمتی اضافہ کے ساتھ بہترین اُسلوب پر شائع کرنے والے ہیں۔ متاخرین میں شیخ الاسلامؒ کے بعد ابنِ قیمؒ کے پایہ کا کوئی محقق اور مسلکِ سلف کا کوئی ایسا شارح نہیں گزرا، اس لئے ان کی تصانیف کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

فنِ سیرت میں بہترین کتاب

ابن قیمؒ نے علاوہ اور قیمتی مصنفات کے ایک جلیل القدر مبسوط کتاب "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" کے نام سے فنِ سیرت میں چھوڑی ہے۔ یہ کتاب اس قدر مشہور و مقبول ہے کہ اس کا تعارف، تحصیل حاصل ہے۔ ابن قیمؒ سے پہلے اور بعد بکثرت سیرت نگار گزرے مگر کسی کو وہ مسلک نہ سوجھا، جو انہوں نے زاد المعاد میں اختیار کیا ہے۔ لوگوں نے آنحضرت صلعم کی سوانحعمریاں لکھیں، مگر اس طرح؛ گویا کسی سپہ سالار کی سوانحعمری لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ

ہونا یہ چاہیے تھا کہ آپ کی حیاتِ طیبہ کی ہر ہر بات دکھائی جاتی، جنگوں سے زیادہ اخلاقی و معاشرتی و خانگی حالات بتلائے جاتے اور اُمت کے سامنے اُسوہ حسنہ نبویؐ اس طرح کھول کے رکھ دیا جاتا کہ وہ اپنی زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف حالات میں اس سے شمعِ ہدایت کا کام لے سکتے۔ ابن قیمؒ نے یہی ضرورت پوری کی اور زاد المعاد تصنیف کرکے ہمیں اس قابل بنا دیا کہ آیت کریمہ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" کے بموجب با آسانی عمل کر سکیں۔

زاد المعاد کا خلاصہ اور ترجمہ

لیکن چونکہ زاد المعاد بہت ضخیم کتاب تھی اور ہر شخص کے مطالعہ میں با آسانی نہ آسکتی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ مختصر کی جائے اور وہ تمام مباحث نکال دیئے جائیں جو زیادہ تر علماء کے مخصوصات سے ہیں، تاکہ براہ راست عوام بھی اس سے فیضیاب ہو سکیں جو اس زمانہ میں اسلام سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ چنانچہ یہ ضرورت بھی مصر کے ایک روشن خیال عالم، میرے دوست و رفیق درس شیخ محمد ابو زید نے پوری کر دی اور اور اصل کتاب کا اختصار "ہدی الرسول" کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ اُردو ترجمہ "اُسوۂ حسنہ" اسی کتاب کا ہے جو الہلال بک ایجنسی" کی خواہش سے میں نے کر دیا ہے۔ دعا ہے، خدا اس کے ذریعہ مسلمانوں کو اتباعِ سنّت کی توفیق عطا فرمائے۔

عبد الرزاق ملیح آبادی
ماہ فروری ۱۹۲۴ء ...... پہلا ایڈیشن
ماہ ستمبر ۱۹۳۲ء ...... دوسرا ایڈیشن

مقدمۂ عالم مصری

حمداً وسلاماً

اسلام کی شاہراہِ عمل

تمام لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ واحد کی عبادت کریں، اور اس دینِ متین کی پیروی کریں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اُسوۂ نبویؐ معلوم کیا جائے اور سنّتِ عملی پیشِ نظر ہو، کہ جس کے ذریعہ رسول خدا صلعم نے اس دینِ حنیف کی توضیح و تفسیر کی ضرورت ہے کہ آغازِ وحی سے تکمیلِ دین تک پورے زمانہ کی حیاتِ نبویؐ سامنے ہو، جو ہمیں مشعلِ راہ کا کام دے سکے۔

سیرت النبیؐ

اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب، امام ابن قیمؒ کی "زاد المعاد" ہے، جس نے اس مقصد کو نہایت آسان کر دیا ہے۔ مگر چونکہ وہ بہت طویل تھی اور ہر کس و ناکس کے مطالعہ میں نہ آسکتی تھی، اس لئے میں نے اسے مختصر کر دیا، تاکہ نفع عام ہو اور ہر کوئی فیضیاب ہو سکے۔

علماءِ سلف کا طرزِ عمل

صدرِ اوّل میں دین کا علم و تعلم بالکل آسان تھا۔ علماءِ سلف، سنّتِ نبویؐ کا علم

حاصل کرتے، پہلے خود عمل کرتے، پھر اپنا عملی نمونہ اُمت کے سامنے پیش کرتے اور عمل کا مطالبہ کرتے۔ اُمت اُن کی حالت دیکھ کر متاثر ہوتی اور خود بھی عمل کرنے لگتی، درمیان میں کوئی چیز سدِ راہ نہ ہوتی۔

اشتیاقِ عمل کی وجہ؟

اس وقت اُمت کے لئے دین کا معاملہ بالکل آسان تھا، کیونکہ اول تو خود یہ دین ہی بہت آسان، صاف، مفید اور ہر طرح کے اختلاف اور گنجلک سے دور ہے، پھر اُس زمانہ کے علمار کا عملی نمونہ خاص طور پر موثر تھا، لوگ علمار کا عمل دیکھتے تو خود بھی شوق پیدا ہوتا اور انکی اتباع وپیروی پر لگ جاتے۔ اُن وقت کے علمار، رسولؐ کے حقیقی جانشین اور اُمت کے لئے قدوہ اور نمونہ تھے۔

دین مشکل کب سے ہوا؟

دین کا معاملہ اُس دن سے پیچیدہ اور مشکل ہوگیا، جب سے علمار نے طریقۂ نبویؐ یعنی عملی تعلیم سے روگردانی کی اور کتبِ فقہ کے مجادلات اور قیل وقال کو اپنا شیوہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف جتھے اور فرقے قائم ہوگئے، ہر فریق نے اپنے طریقے کی ترجیح کی، بکثرت کتابیں لکھیں، یہی نہیں، بلکہ اُن کتابوں کی شرحیں تیار کیں، پھر شرحوں پر حاشیے چڑھائے، پھر حاشیوں پر بھی حاشیے لگائے۔ اسی قدر نہیں بلکہ خود اپنی بھی تقسیم کردی اور مختلف مدارج ومراتب قائم کردیئے: مجتہد مطلق، مجتہد مذہب، مفتی مذہب، مرجح مذہب، مقلدِ مذہب۔ پھر ستم یہ کیا کہ مخلوقِ خدا کو مجبور کرنے لگے کہ دین کو صرف اِن کی کتابوں سے اخذ کریں اور ان قیود وشروط ورموز پر کاربند ہوں جو انہوں نے اپنی عقل ورائے سے قرار دے رکھے ہیں۔ بے شمار قیدیں اور شرطیں ہیں، انسان دیکھتے ہی گھبرا جاتا ہے اور کسی طرح سمجھ نہیں سکتا کہ ان میں حق

کتنا ہے اور باطل کتنا؟

زادالمعاد اور کتب فقہ میں فرق

اگر تم اس کتاب اور کتب فقہ کے مابین موازنہ کرو گے، تو صاف طور پر نمایاں فرق پاؤ گے۔ کوئی باب لے لو، مثلاً باب وضو، غسل، تیمم، اس کتاب میں دیکھتے ہی تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ ان مسائل میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ حالانکہ جامع ازہر میں ہم نے باب وضو تین مہینے میں پڑھا، مگر وضو کی حقیقت وسہولت سمجھ میں نہ آئی، یہاں تک کہ اس کتاب نے آنکھوں پر سے پردہ ہٹادیا۔

مذاہب اربعہ

ہم میں بہتیرے جامع ازہر میں بارہ بارہ اور پندرہ پندرہ برس رہتے ہیں اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی اکثر کتابیں پڑھ جاتے ہیں، یہاں تک کہ فضیلت کی سند بھی مل جاتی ہے، لیکن جب آخر میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اتنی کتابیں رٹ جانے کے خود اُس مذہب کی بھی تحقیق نہیں ہوئی، دوسرے مذاہب کی تحقیق اور تفسیر وحدیث کا علم تو بہت دور رہا۔ چنانچہ ہم ہمیشہ حیرت واضطراب میں پڑے رہتے ہیں اور اختلافی مسائل میں طریق ترجیح تک نہیں جانتے۔

علماء اور عوام جب علماء کی یہ حالت ہے تو عوام کو کیونکہ مجبور کیا جاسکتا ہے کہ

لہ جب علماء مصر کی یہ حالت ہے جو اس وقت دنیائے اسلام میں خاص علمی وجاہت رکھتے ہیں اور جن کی جامع ازہر دنیا بھر میں مشہور ہے، تو ہندوستان میں مذہبی علوم کے پڑھنے والوں کی کیا حالت ہوگی؟ یہاں عام متبحر وہ سمجھا جاتا ہے جو رٹی ہوئی کتابوں کی عبارت، دوسروں کو سنادے، یا ہدایہ اور شامی کے حوالے سے کوئی فتویٰ لکھ دے! (مترجم)

ان کتابوں پر چلیں؟ حالانکہ وہ اپنے علماء کی یہ حالت دیکھتے ہیں اور اپنے سامنے کوئی ایسا عملی نمونہ نہیں پاتے جس کی پیروی کی رغبت ہو۔

دین کے مشکل ہونے کی بڑی وجہ

دین کے مشکل ہو جانے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کا حکم حاصل کرنا ان بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر موقوف ہو گیا ہے جو عبارت ہیں متعارض اقوال، پیچیدہ مسائل اور گوناگوں قیود و شروط سے چنانچہ ان کے اندر فرائض ہیں، واجبات ہیں، مستحبات ہیں، مبطلات ہیں، پھر مکروہات کا سلسلہ ہے، کراہت تحریمی ہے، کراہت تنزیہی ہے، غرضیکہ کتب فقہ کا ہر باب اس طرح کی بے شمار اصطلاحات سے بھرا ہوا ہے، باب وضو ہو، یا باب صلوٰۃ، نکاح ہو یا طلاق، ہر جگہ یہ اور اسی قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں، جن سے تشویش ذہن کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان کتابوں میں طرح طرح کے ایسے مسائل موجود ہیں جو کبھی واقع نہیں ہوتے، وہ محض فرض و تخمین کی پیداوار اور ذہن و دماغ کی اختراع ہیں۔ ان سے کوئی علم بھی حاصل نہیں ہوتا، البتہ دماغ پریشان اور فکر پراگندہ ہوتی ہے۔ ظاہر ہے، عوام نہ انہیں سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان پر عمل ہی کر سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نہ تو خدا کے احکام ہیں اور نہ ان پر کاربند ہونے کا اس نے حکم دیا ہے۔

شریعت قرآن کے اندر ہے

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کیلئے صرف قرآنِ مجید نازل کیا اور حکم دیا ہے:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (۳:۶)

جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا، اسی کی پیروی کرو، دوسروں کی پیروی نہ کرو۔

اور فرمایا:

وَاتَّبِعُوۡٓا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَّاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ يّٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِىۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ وَاِنۡ كُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِيۡنَ اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰٮنِىۡ لَـكُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ، اَوۡ تَقُوۡلَ حِيۡنَ تَرَى الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِىۡ كَرَّةً فَاَكُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ. بَلٰى قَدۡ جَآءَتۡكَ اٰيٰتِىۡ فَكَذَّبۡتَ بِهَا وَاسۡتَكۡبَرۡتَ وَكُنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۔

(۳۹ : ۵۵ تا ۵۹)

جو سب سے اچھا تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے ۔ اس کی پیروی کرو قبل اس کے کہ اچانک عذاب آجائے اور تمہیں پتہ نہ چلے اس وقت کوئی کہے ، آہ ، اللہ کے جناب میں میری کوتاہی ! میں بلاشبہ تمسخر کرنے والوں میں سے تھا ، یا کہے کاش ! اللہ نے میری ہدایت کی ہوتی تو میں متقین میں سے ہوتا ، یا عذاب دیکھ کر کہے ، اگر ایک بار پھر واپسی ہوجائے تو میں اچھے آدمیوں میں سے ہوجاؤں ۔ ہاں ، اے سرکش ! تیرے پاس میری نشانیاں پہنچی تھیں مگر تو نے تکذیب کی ، تکبر کیا اور تو ناشکروں میں سے تھا ۔

اور فرمایا :

فَبَشِّرۡ عِبَادِ الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰٮهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ، (۳۹ : ۱۷ ، ۱۸)

اے رسول ! میرے ان بندوں کو بشارت دیدو جو بات سنتے ہیں اور اس کے بہتر حصہ پر عمل کرتے ہیں ، انہیں کو خدا نے ہدایت کی ہے اور وہی عقلمند ہیں ۔

اور فرمایا :

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا

اللہ نے نہایت عمدہ گفتگو ، ایک متشابہ کتاب

مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ، ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔

(٣٩ : ٢٣)

نازل فرمائی جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی جلدیں اور قلوب خدا کا ذکر سن کر نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہے اس سے سرفراز کرے اور جسے اللہ ہدایت نہ کرے اس کیلئے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔

اور فرمایا:

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ (٥٤ : ١٧، ٢٢، ٣٢، ٤٠)

ہم نے قرآن کو نصیحت پکڑنے کیلئے آسان کر دیا ہے، کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

اور فرمایا:

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ (٤٤ : ٥٥)

ہم نے قرآن کو اے رسولؐ تمہاری بولی میں آسان کر دیا ہے کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اور فرمایا:

قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ (٣٩ : ٢٨)

قرآنِ عربی بغیر کسی کجی کے تاکہ یہ لوگ پرہیزگار بنیں۔

سنّتِ نبویؐ کی فرضیت

پھر اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر دیا کہ رسول اللہ صلعم کی سنّت سے ہدایت حاصل

کریں کیونکہ وہ کلام الٰہی کی شارح اور مفسّر ہے۔ فرمایا :

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (۱۶ : ۴۴)

ہم نے تجھ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے لئے وہ سب بیان کر دے جو ان کے لئے اتارا گیا ہے، شاید کہ وہ کچھ غور کریں۔

اور فرمایا :

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (۱۶ : ۶۴)

ہم نے تجھ پر کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ جن چیزوں میں وہ جھگڑتے ہیں تو انہیں کھول کے بیان کر دے، قرآن ہدایت و رحمت ہے مومنین کیلئے۔

اور فرمایا :

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ، وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ (۱۶ : ۸۹)

اور اُس دن جب ہم اٹھائینگے ہر قوم پر ایک شاہد خود اُسی قوم میں سے اور لائینگے تجھے گواہ ان لوگوں پر، ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جو تفسیر ہے ہر چیز کی اور ہدایت، رحمت اور بشارت ہے مسلمانوں کے لئے۔

اور فرمایا :

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ

قرآن ایسی بات نہیں ہے جو گھڑی جا سکے، بلکہ وہ تصدیق ہے اسکی جو اسکے سامنے موجود ہے (کتب آسمانی) اور تفصیل ہے ہر چیز کی اور

يُؤْمِنُوْنَ۔ (۱۲ : ۱۱۱)

ہدایت و رحمت ایمان لانے والوں کے لئے۔

اور فرمایا:

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ (۱۴ : ۱)

یہ کتاب ہے، ہم نے تجھ پر اس لئے نازل کی ہے کہ انسانوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائے (یعنی) عزیز و حمید خدا کے صراط مستقیم کی طرف۔

اور فرمایا

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (۵۷ : ۹)

وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکی سے روشنی کیطرف نکالے، بیشک اللہ تمہارے ساتھ نہایت مہربان اور رحیم ہے۔

اور فرمایا:

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرَاكَ اللّٰهُ۔ (۴ : ۱۰۵)

ہم ہی نے حق کے ساتھ تجھ پر کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق لوگوں کے مابین فیصلہ کرے۔

اور فرمایا:

قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ، هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ

کہدے اے رسولؐ! کہ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو کہ میرے پروردگار کی جانب سے مجھ پر وحی کیا جاتا ہے، یہ

يُؤْمِنُوْنَ ۔
(۷ : ۲۰۳)

یہ روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے
اور ہدایت اور رحمت، ایمان لانے والوں
کے لئے ۔

اور فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ
رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ (۳۳ : ۲۱)

رسولؐ کی ذات میں تمہارے لئے اچھا نمونہ
ہے ۔

اور فرمایا:
وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ
يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ
سَبِيْلًا ، يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ
اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا (۲۵ : ۲۷، ۲۸)

اور جس دن نافرمان اپنے ہاتھ کاٹیگا اور کہے
گا اے کاش! میں رسولؐ کے ساتھ رستہ پر
لگ جاتا، ہائے بدبختی کاش! میں فلاں کو
دوست نہ بناتا ۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ
قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا (۲۵ : ۳۰)

اس وقت رسولؐ کہے گا: اے رب!
میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال
دیا تھا ۔

اور فرمایا:
لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ
كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ، قَدْ يَعْلَمُ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَا
ذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ
اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ

مسلمانو! رسولؐ کے بلانے کو آپس کے
بلانے کی طرح نہ سمجھو، اللہ انہیں خوب جانتا
ہے جو رسولؐ کی مجلس سے چپکے سے کھسک
جاتے ہیں، جو لوگ رسولؐ کے حکم کی مخالفت
کرتے ہیں، انکو ڈرنا چاہئے کہیں کوئی آفت

يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (۲۴ : ۶۳)

ان پر نہ آن پڑے یا کوئی دردناک عذاب نہ نازل ہو جائے۔

اور فرمایا :

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا، يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ط وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا۔ (۴ : ۴۱، ۴۲)

اس دن کیا ہوگا جب ہر قوم میں سے ہم ایک شاہد لائیں گے اور اے رسولؐ! تجھے ان لوگوں پر شاہد لائیں گے؟ اس دن لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسولؐ کی نافرمانی کی چاہیں گے کہ کاش زمین میں دفن ہو جائیں، اس دن خدا سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔

اور فرمایا :

وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ (۵۹ : ۷)

جو رسولؐ تمہیں دے اسے لو، اور جس سے منع کرے اسے نہ کرو، اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اور فرمایا :

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۷ : ۱۵۸)

رسولؐ کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت یاب ہو۔

اور فرمایا :

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ، ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ

بالتحقیق یہ میرا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے، اسی کی پیروی کرو، اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہ پڑو جو تمہیں خدا کے راستہ سے دور کر دیں

...كُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (۶ : ۱۵۴)

اسی کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

...آنی دعوت

صاف ظاہر ہے کہ یہ آیات قرآنی اتباع سنت نبویؐ کی دعوت دیتی ہیں، اور ...لے لفظوں میں بتاتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم خدا کے پیامبر اور احکام ربانی کے شارح ...تھے۔ آپؐ ہی شریعت کے حامل، آپؐ ہی شریعت کے محرمِ راز، آپؐ ہی اس کے مفسر ...تھے۔ آپؐ کے اتباع سے انسان کو بصیرت حاصل ہوتی ہے، تاریکی دور ہو جاتی ہے، ...ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

...لْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ...لٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ، وَ ...سُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ ...لْمُشْرِكِيْنَ۔ (۱۲ : ۱۰۸)

کہدو اے رسولؐ! یہ ہے میری راہ، میں دعوت دیتا ہوں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ اور جنہوں نے میری پیروی کی، پاک ہے اللہ، ہمیں ہرگز مشرکوں میں سے نہیں۔

صراطِ مستقیم

• کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے صراطِ مستقیم کی پیروی کا حکم دیا اور دوسری راہوں کے اختیار کرنے سے منع کر دیا کہ جن پر پڑنے سے آدمی بھٹک جاتا ہے، اور ہدایت گم ہو جاتی ہے۔ اوپر کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی صراطِ مستقیم کیا ہے؟ یہی سُنّت نبویؐ اور اسوۂ حسنۂ نبوت ہے کہ جس کے بغیر دین کی حقیقت کسی طرح بھی منکشف نہیں ہو سکتی۔ یہ راستہ بالکل صاف ہے، سہل ہے، سیدھا ہے، اس میں پیچ و خم نام کو نہیں۔ اس پر چلنے والے دوش بدوش چلتے ہیں، متفق رہتے ہیں۔ کٹے کٹے اور الگ الگ نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (۶ : ۱۶۰)

جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور الگ الگ گروہ اور ٹولیاں ہو گئے، ان میں کچھ بھی نہیں ہے، ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جو انہیں بتا دے گا وہ کیا کیا کرتے تھے۔

علماء کا اعراض

بایں ہمہ جب ہم علماء کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ، لوگوں کو اس ہدایت کی تلقین کرو، اس صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دو، تاکہ سب ایک پیشوا کے زیرِ علَم آجائیں جو ان میں اتفاق اور یگانگت پیدا کرکے اختلاف و افتراق دور کر دے، دینِ اسلام اپنی تمام سہولتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو جائے اور اپنے عمل کی آسانیوں کے ساتھ مشرق و مغرب، شمال و جنوب، چار دانگِ عالم میں سیلِ رواں کی طرح پھیل جائے۔ جب یہ صدا بلند کی جاتی ہے تو ادھر سے جواب ملتا ہے "تم اجتہاد کی دعوت دیتے ہو، مذاہبِ اربعہ کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کرتے ہو، ائمہ اربعہؒ کے فضل و تقدّس پر حرف گیری کرتے ہو، یہ کرتے ہو، وہ کرتے ہو۔۔۔۔!" حالانکہ ہم کوئی نئی بات نہیں کہتے، صرف وہی کہتے ہیں جس کا بار بار اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، یعنی سنّتِ نبویؐ کی پیروی۔

ائمہ اربعہؒ

ائمہ اربعہؒ کو ہم کیسا سمجھتے ہیں؟ اپنا حسن ہمارا یقین ہے کہ ائمہ اربعہؒ اور ان کے قبل و بعد کے تمام ائمہ کا ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے، انہیں نے دین کی حفاظت کی اور بے کم و کاست ہم تک پہنچا دیا، لہٰذا ہم ان کی از حد تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور ہمیشہ

ان کے احسانات پر شکر گزار رہتے ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہ ہونا چاہیئے کہ ہم ان کے فتووں اور اقوال کو رسول اللہ صلعم کے اقوال پر ترجیح دینے لگیں۔ خود ائمہؒ نے بھی ہمیں ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ رسولؐ کا قول سامنے آجائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ کیوں نہیں، یہ لوگ سنت کے سب سے زیادہ پابند اور سب سے بڑے داعی تھے۔

ائمہؒ کی کتابیں

کوئی نہیں کر سکتا کہ ان ائمہؒ نے محض اپنی آراء و اقوال کیلئے کتابیں تصنیف کیں اور مسلمانوں کو ان کی پیروی کی ہدایت کی۔ بلاشبہ ہر ایک نے ان احادیث کی ایک ایک مسند[1] چھوڑی ہے جو ان تک پہنچی تھیں اور جن سے وہ مسائل کا استنباط کرتے تھے۔

باقی اور جس قدر کتابیں ان کی طرف منسوب ہیں، ان کی نہیں ہیں، بعد کے لوگوں نے تصنیف کی ہیں، تاکہ ان کے اجتہادات مدون کریں اور ان کے فتاویٰ پھیلائیں۔ پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، ان کتابوں کی تعداد بڑھتی گئی، لوگوں نے نئے نئے احکام کا اختراع شروع کر دیا، یہاں تک کہ ہزارہا مجلدات کا ذخیرہ جمع ہوگیا کہ جن کے مؤلفین، شارحین اور محشین کے ناموں کا شمار بھی مشکل ہے۔

کوئی مضائقہ نہیں، یہ کتابیں کتب خانوں میں بطور تاریخی یادگاروں کے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ علماء ان سے ورزشِ ذہن اور توسیعِ فکر کا فائدہ اٹھائیں اور اختلافِ حالات سے پیدا ہو جانے والے مسائل میں ان کے مؤلفین کی آراء سے بصیرت حاصل کریں۔

---

[1] لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نام سے جو مسند مشہور ہے، وہ انکی نہیں۔ امام صاحب نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔ (مترجم)

علماء کے فرائض

ہر زمانہ میں علماء کا فرض ہے کہ قوم کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی ضرورتوں پر غور کریں، وسائلِ ترقی معلوم کریں اور اُمت کیلئے ایسے اصول و قواعد وضع کریں جو اصولِ دین کے مطابق ہوں۔

شریعتِ اسلامیہ کی بناء

اسلامی شریعت دو قسم کے احکام پر مبنی ہے: ایک قسم تو ایسے احکام کی ہے جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتے ہیں، جیسے روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات کہ جن کی ایک خاص شکل اللہ تعالیٰ نے مقرر کردی ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ اور پھر اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں، کیوں کہ عبادات اپنی موجودہ ہیئت و احکام کے ساتھ ہی مفید ہیں۔ یہ ہمیں یک جہتی کی طرف لے جاتی ہیں، ہمارے اندر نظام یا ڈسپلن[1] پیدا کرتی ہیں، ہمیں ان تمام اجتماعی ترقیوں کے لئے تیار کرتی ہیں جو ہر زندہ قوم کے لئے ضروری ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں جو احکام اوّل دن سے دے دیئے ہیں، وہی ہمیشہ باقی رہیں گے، زمانہ کتنا ہی بدل جائے، مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

دوسری قسم ان احکام و مسائل کی ہے جو امت کے عام دنیاوی حالات و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً صلح و جنگ، بین الاقوامی تعلقات، تعلیم و تربیت، تجارت، صنعت و حرفت، تعزیرات وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ حالات کبھی ایک حالت پر نہیں رہتے، ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لئے ضرور ہے کہ ان کے بارے میں شریعت کے احکام بھی اٹل نہ ہوں۔ چنانچہ

---
[1] DISCIPLINE

شریعت نے یہی کیا، اس نے ان کے لئے عام اصول و قواعد تو وضع کر دئے ہیں، لیکن جُزئی و تفصیلی احکام دینے سے احتراز کیا ہے تاکہ امت کے لئے دنیاوی ترقیوں کا راستہ پوری طرح باز رہے۔

اجتہاد کی اہمیّت و ضرورت

ایک طرف شریعت نے یہ کیا اور دوسری طرف علماء اور اہل الحل والعقد پر فرض کر دیا کہ مختلف حالات میں اپنے فہم و اجتہاد سے قوانین بناتے رہیں۔ رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ میں سے اہل شوریٰ اپنے زمانہ کے حالات کے لئے قوانین وضع کرتے تھے، جن میں ان کُلّی اصول کی پابندی ملحوظ رہتی تھی جو شریعتِ الٰہی نے مقرر کر دئے ہیں۔ یہ اصول اپنے منطوق و مفہوم میں اتنے وسیع و ہمہ گیر ہیں کہ ان تمام گوناگون حالات کو محیط ہو جاتے ہیں جو امتدادِ زمانہ سے برابر بدلتے رہتے ہیں۔

ضروریاتِ حاضرہ

پس ہمارے زمانہ کے علماء کا بھی فرض ہے کہ اُمّت کی باگیں اپنے ہاتھ میں لیں، شریعت کے کلّی اصول کے ماتحت حسبِ ضرورت نئے نئے قوانین بنائیں، یہ نہ ہو کہ ہر نئی بات کے سامنے پتھر کی طرح سخت ہو جائیں، قوم پر ترقّی کا راستہ بند کرنے لگیں، تکفیر و تفسیق کے فتوے جیبوں میں لئے پھریں، اور ہر مخالف کو ملحد و زندیق کے نام سے پکارنے لگیں۔

انتباہ

نیز علماء ایسے بھی نہ ہو جائیں کہ ہر مغربی چیز کے دلدادہ بن جائیں، اور یورپ کی تقلید میں مبادی شریعت اور خصوصیاتِ اُمّت کو پسِ پشت ڈال کر مسلمانوں کی بربادی کے باعث بنیں۔ بلکہ ان کا راستہ درمیانی اور معتدل راستہ ہو، نہ افراط ہو نہ تفریط ہو، ایک طرف

اُمت کا رشتہ شریعت سے جوڑے رہیں، دوسری طرف زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی رہنمائی وقیادت کریں۔

کتبِ فقہ کی اہمیت

اس صورت میں کتبِ فقہ علمار کے لئے مفید ہو سکتی ہیں، وہ انہیں دیکھیں اور معلوم کریں کہ دوسرے زمانوں میں علمار نے کس طرح قانون بنائے؟ نئے حالات میں کیا حکم دیئے؟ اگر اُن کے قوانین وفتاویٰ میں اس زمانہ کے علمار کو کوئی بات پسند آجائے اور سمجھیں کہ آج بھی اُمت کے لئے مفید ہوگی، فوراً لے لیں، یا قطع وبرید کر کے مناسب حال بنالیں، ورنہ چھوڑ دیں۔

لعنتِ تقلید

یہ تو کسی حال میں بھی درست نہیں کہ ہم ان کتابوں کو مقدس مان کر ان کی پرستش شروع کر دیں، ان کی سطر سطر کو وحی سمجھیں اور اختلاف کرنے کو ناقابلِ معافی گناہ سمجھیں لیکن افسوس کہ ہمارے زمانہ کے علمار نے اُمت کی رہنمائی کا فرض بالکل پسِ پشت ڈال دیا ہے، خود پر عجز اور نااہلی کی مہر لگالی ہے، تقلید کو شیوہ بنالیا ہے، تن آسانی کے دلدادہ ہو رہے ہیں، اسی لئے محنت کرنے کے بجائے ان کتابوں ہی کو قبلۂ حاجات قرار دے چکے ہیں، ان کی غلامی واسیری کچھ ایسی بھاگئی ہے کہ آزادی کا نام تک نہیں لیتے۔ افسوس ہمارے علمار خود پست ہو گئے ہیں، اُمت کی پستی کے باعث ہوئے ہیں اور اپنی تنگ دلی وتنگ نظری سے خود مذہب کو پست کر رہے ہیں!

خروج عن الملّۃ

پھر ستم یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر ان کتابوں کی اتباع اور ان کے مصنفین کی تقلید ضروری

ٹھیراتے ہیں، اگر کوئی رُوگردانی کرے اور کہے میرے لئے کتاب اللہ وسنت اللہ کفایت کرتی ہے تو اُس پر زندیقیت وخروج عن الملۃ کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، حالانکہ ائمہ اکرامؒ نے اسے نہ کبھی پسند کیا، نہ اس پر عمل کیا اور نہ کسی کو ایسا کرنے کا حکم ہی دیا۔

ائمہؒ کا مسلک

ائمہ کا مسلک تو یہ تھا کہ دین کے اندر اُس وقت تک کوئی بات قبول نہ کرو جب تک اللہ وسنتِ رسول اللہ سے اس کے لئے دلیل نہ پالو، انہیں میں سے ایک جلیل القدر امامؒ کا قول ہے[1]:

اذا وجدتم قولی بخلاف قول رسول اللہ فاضربوا بقولی عرض الحائط"	اگر میرے کسی قول کو قول رسولؐ کے برخلاف پاؤ، تو میرے قول کو پھینک دو۔

ائمہؒ کا قول ہے:

کل کلام یؤخذ منه ویرد علیه الآ کلام الرّسول صلی اللّٰه علیه وسلّم"	ہر ایک کا قول مانا اور رد کیا جا سکتا ہے، بجز قول رسولؐ کے۔

کیونکہ رسولؐ جب کہتا ہے تو وحی سے کہتا ہے، جو غلطی سے مبرّا ہے۔

ایک امام نے ایک شخص کو دیکھا کہ ان کی گفتگو لکھ رہا ہے تو منع کیا اور کہا۔

اتکتب عنی رأیا فتجعله دینًا للناس وربما ارجع عنه غدا"	میرے خیالات لکھ رہے ہو تاکہ لوگوں کیلئے شریعت بنا دو، حالانکہ بہت ممکن ہے کہ کل میں ہی انہیں بدل دوں۔

یہ ہیں ائمہؒ کے اقوال!

---

[1] حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ (مترجم)

اِنِ الحُکمُ اِلّا لِلّٰہ

شریعت کا دار ومدار صرف اللہ تعالیٰ پر ہے، وہی حاکم مطلق ہے، اسی نے ہدایت
ساتھ رسولؐ کو بھیجا۔ پس رسولؐ زمین پر اس کا نائب ہے، اور رسولؐ ہی امام اعظم ہے کو
شخص اس وقت تک مومن نہیں جب تک دین کا معاملہ براہ راست خود رسولؐ کے
نہ کرے، اختلاف کی صورت میں اسی کی طرف رجوع نہ کرے، اور اس کے فیص
پر بے چون وچرا سر تسلیم خم نہ کرے۔ فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (۴ : ۶۵)

قسم ہے تیرے رب کی یہ ایمان نہیں لائے یہاں تک کہ اپنے جھگڑوں میں تمہیں حکم بنادیں، پھ اپنے دلوں میں تمہارے فیصلہ پر کوئی تنگی نہ پائیں اور جھک جائیں پوری طرح۔

اور فرمایا:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ (۶ : ۵۷)

حکومت صرف خدا ہی کی ہے۔

اور فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ (۴۲ : ۱۰)

جس چیز میں بھی تم باہم مختلف ہو، اس کا فیصلہ خدا ہی سے کو۔

اور فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ (۴۸ : ۱۰)

جو لوگ اے رسولؐ تم سے بیعت کرتے ہیں خود خدا سے بیعت کرتے ہیں۔

اور فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴ : ۸۰)

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی خود اللہ کی اطاعت کی۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ، وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ، وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا۔ (۴: ۶۹، ۷۰)

جنہوں نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنا انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ، کیا ہی اچھا ہے ان کا ساتھ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ ہی کا جاننا بس کرتا ہے۔

اور فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (۳ : ۱۰۳)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو، اور باہم پھوٹ نہ ڈالو۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۳ : ۱۰۱)

جس نے اللہ کے رشتہ کو مضبوط پکڑا، البتہ سیدھے راستہ کی ہدایت پائی۔

اور فرمایا:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ

اگر کسی بات میں تم باہم جھگڑ پڑو تو اس میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ

اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ (۴ : ۵۹)

تمہارے حق میں ہر طرح بہتر ہے۔

اور فرمایا :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (۴۹ : ۱)

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنایا کرو، ہمہ وقت اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اور فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (۳۳ : ۳۶)

کسی مسلمان مرد اور عورت کو شایاں نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کوئی بات ٹھہرا دیں تو اپنی مرضی کو دخل دے، جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی، البتہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گیا۔

اور فرمایا:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔

(۲۴ : ۵۱، ۵۲)

مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب ان کو خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ ان کے مابین فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں ہم بسر و چشم حاضر ہیں، یہی لوگ فلاح پائیں گے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگار ہو تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچیں گے۔

اور فرمایا: قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا، وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ (۲۴ : ۵۴)

اے پیغمبرؐ! کہہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو، لیکن اگر روگردانی کرو تو رسولؐ پر اس کی اپنی ذمہ داری ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری، لیکن اگر اس کی اطاعت کرو گے، ہدایت پاؤ گے، رسولؐ کے ذمہ تو بس پیغام کا پہنچانا ہی ہے۔

اور فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔ (۳ : ۳۰ ، ۳۱)

اے رسولؐ! کہدو اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کریگا، تمہارے گناہ معاف کر دیگا، اللہ بڑا غفور رحیم ہے، کہدو کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو، اگر روگردانی کروگے تو یاد رکھو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

سنّتِ نبویؐ کا عملی پیکر

کہا جائیگا کہ دین کا قرآن وسنّت سے اخذ کرنا عوام کی طاقت سے باہر ہے، یہ سچ ہے، لیکن ہم نے کب کہا کہ وہ اجتہاد کریں اور قرآن وحدیث سے احکام مستنبط کرنے بیٹھ جائیں۔ ہمارا خطاب عوام سے نہیں ہے، ہم تو صرف علماء سے مطالبہ کرتے ہیں کہ دین کو اس کے اصلی سرچشمہ سے لے کر عوام کو بتائیں۔ یہاں اجتہاد و استنباط کا سوال ہی نہیں، سنّتِ نبویؐ بالکل صاف ہے، اسمیں کسی اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں، ہاں! ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ علماء

پہلے اس کے خود متبع بنیں، پھر عوام کے سامنے آئیں اور بتائیں کہ دین یہ ہے، فلاں بات نبیؐ نے یوں کی اور فلاں یوں کہی، نبیؐ نے نماز اس طرح پڑھی پھر خود نماز پڑھ کے دکھائیں۔ نبیؐ نے وضو یوں کیا، اور خود وضو کر کے دکھائیں۔ نبی (صلعم) نے جو باتیں عمر بھر کیں، خود بھی ہمیشہ کریں، اور جو کبھی کیں اور کبھی ترک کر دیں، خود بھی اسی طرح کریں۔ ظاہر ہے نبی (صلعم) نے یہ سب ہماری ہدایت کے لئے کیا تھا، ہم بھی ویسا ہی کریں، اور ویسا ہی عوام کو بتائیں، تاکہ امت واقعی طور پر ہدایت یاب ہو، عمل میں برکت پائے اور جو کچھ کرے، علم و بصیرت کے ساتھ کرے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ (۱۷ : ۳۶)

اُس چیز کے پیچھے مت چل جس کا تجھ کو علم نہیں، کیونکہ ہر ایک کان، آنکھ اور دل کے فعل پر مؤاخذہ ہوگا۔

مذہبی مدارس کو دعوت

آخر میں اس کتاب کی جانب سب کو دعوت دیتا ہوں، جس میں اسوۂ حسنہ نبویؐ بوجہ احسن بیان کیا گیا ہے۔ میری دعوت مذہبی مدارس کو ہے کہ اسے نصاب میں داخل کریں۔ واعظوں کو ہے کہ اس سے وعظ و ارشاد میں کام لیں۔ میں تمام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ اسے خود پڑھیں اور جہاں تک ممکن ہو، اس کی اشاعت کریں، تاکہ دین کا معاملہ آسان ہو جائے، مشکلات راہ سے ہٹ جائیں، اور عام مسلمانوں کو کتبِ فقہ اور ان کے معتقدین سے قطعی طور پر نجات مل جائے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ

لیکن اگر روگردانی کرو تو رسولؐ پر اس کی

وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ، وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا، وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔
(۲۴ : ۵۴)

اپنی ذمہ داری ہے، اور تم پر تمہاری ذمہ داری لیکن اگر اس کی اطاعت کر و گے، ہدایت پاؤ گے، رسولؐ کے ذمہ تو بس پیغام کا پہنچانا ہی کام ہے۔

محمدؐ ابوزید

○

مقدّمۂ امام ابن قیم

رب یسر وأعِن یا کریم، وصلی اللہ علیٰ سیّدنا محمّد الامین، وعلیٰ آلہ الاکرمین۔ الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین، ولاعدوان الّا علی الظالمین۔

قیامت کے دن سوال جواب

قیامت کے دن بندے سے دو سوال ہونگے: کس کی عبادت کرتے تھے؟ رسول پر ایمان لائے تھے؟ پہلے سوال کا جواب "لاالٰہ الا اللہ" ہوگا، بشرطیکہ اس کی معرفت ہو، اس پر ایمان ہو، اور اس کے بموجب عمل ہو۔ دوسرے کا جواب "اشھد ان محمداً رسول اللہ" ہوگا، بشرطیکہ معرفت، ایمان، اطاعت اور فرمانبرداری کی شہادت ساتھ ہو۔

محمد صلعم کا مشن

محمد ابن عبداللہ (صلعم) خدا کے بندے، رسول، وحی کے حامل، مخلوقات میں بزرگترین، اللہ اور بندوں کے مابین سفیر ہیں۔ آپؐ دین قویم، صراط مستقیم کے ساتھ مبعوث کئے گئے۔ عالمین کے لئے رحمت، متقین کے لئے امام اور تمام مخلوق پر حجّت بنائے گئے۔

رسولوں کے خاتمہ پر تشریف لائے، سب سے زیادہ روشن چراغِ ہدایت ہاتھ میں لائے، اور انسانوں کو سیدھے راستہ کی طرف پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر آپؐ کی اطاعت، توقیر، تعظیم اور محبّت واجب کر دی، جنّت کی تمام راہیں بند کر کے صرف ایک اپنے

رسولؐ کی راہ کھلی رہنے دی کہ جس پر چل کر آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے، پھر آپؐ کا شرح صدر کیا، تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے، اور اُن پر ذلت و خواری کی مُہر لگا دی جو آپؐ کی مخالفت کریں۔

چنانچہ مسند امام احمدؒ کی حدیث ہے:

عن ابی منیب الجرشی عن عبد اللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؛ بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ حتیٰ یعبد اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ وجعل رزقی تحت ظل رمحی وجعل الذلّۃ والصغار علیٰ من خالف امری ومن تشبّہ بقوم فھو منھم۔	ابو منیب الجرشی عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا: قیامت کے روبرو مجھے تلوار لیکر بھیجا گیا تاکہ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ، کی پرستش کی جائے، میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے کیا گیا، ذلت و خواری ان پر نازل کر دی گئی جو میری مخالفت کریں، جو کسی قوم کی ریت رسم اختیار کرے، گویا اسی میں سے ہے۔

مومنین کی جزا

جس طرح ذلت مخالفوں کے حصہ میں آئی، اُسی طرح عظمت و برتری مومنین کے حصہ میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ (۳ : ۱۳۸)	نہ ہمت ہارو، نہ آزردہ خاطر ہو، تمہارا ہی بول بالا ہے، اگر تم مومن ہو۔

اور فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (۶۳ : ۸)	اللہ کے لئے غلبہ ہے، اس کے رسولؐ کے

لئے اور مومنین کے لئے۔

اور فرمایا:

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ، وَاللّٰهُ مَعَكُمْ۔ (۴۷ : ۳۵)

بودے بن کر صلح کی طرف نہ بلاؤ، تم ہی غالب رہو گے، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (۸ : ۶۴)

اے نبیؐ! تیرے لئے اور تیرے پیرو مومنین کے لئے اللہ کفایت کرتا ہے۔

مومن کی شان

رسول اللہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں جب تک مجھے اپنی ذات، اپنی اولاد، اپنے والدین اور دنیا بھر سے زیادہ محبوب نہ بنالے۔ نیز خداوند عالم نے قسم کے ساتھ کہا کہ وہ شخص مومن نہیں جو رسول (صلعم) کو اپنے تمام اختلافات میں حکم نہ قرار دے، پھر اس کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جائے، ایسا راضی ہونا کہ دل میں ذرا بھی تنگی باقی نہ ہو اور اس کے حکم کے آگے گردن نہ جھکا دے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (۳۳ : ۳۶)

کسی مومن اور مومنہ کے لئے درست نہیں کہ اللہ اور رسولؐ کے فیصلہ کے بعد اپنی مرضی کو دخل دیں۔

مومن کے لئے شاہراہِ عمل

پس مومن کے لئے حکم نبوی کے بعد حق نہیں رہتا کہ اپنی مرضی کو دخل دے کیونکہ

حکم نبوی اٹل ہے، کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کے سوا کسی اور شخص کے حکم کی پیروی کرے الا یہ کہ وہ شخص وہی حکم دے جو نبی صلعم نے دیا ہے۔ اس صورت میں اس کی حیثیت ایک مبلغ و مخبر کی ہوگی، حاکم کی نہ ہوگی۔ یہاں جو شخص براہِ راست حکم دے اور اپنے دل سے شریعت میں اصول و قواعد وضع کرے، اُمت پر اس کا اتباع واجب نہیں، یہاں تک کہ اُس کے احکام اور اصول و قواعد حکم نبوی کے مطابق ثابت ہو جائیں۔ اگر مطابق ہوں قبول کرلئے جائیں، مخالف ہوں، رد کر دئے جائیں، اگر مخالفت یا موافقت صاف صاف معلوم نہ ہو سکے تو معلق چھوڑ دئے جائیں، نہ مانے جائیں، نہ رد کئے جائیں۔

اقسامِ مخلوقات

اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے پھر اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے۔

فرمایا:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ۔ (۲۸ : ۶۸)

تیرا رب ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔

طیب و خبیث کی پہچان

مخلوق دو قسم کی ہے: طیب اور خبیث۔ اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب ہمیشہ طیب ہی پر پڑتی ہے اور یہیں سے انسان کی سعادت و شقاوت بھی پہچانی جاتی ہے۔ جو خدا کے ہاں سعید اور اس کی نظر میں طیب ہے، دنیا میں اس کا میلانِ طبع ہمیشہ طیبات ہی کی طرف ہوگا، اعمال دیکھو گے تو نظر آئے گا کہ وہ اللہ واحد کی پرستش کرتا ہے، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا، اس کی مرضی کو اپنی ہوا و ہوس پر مقدم رکھتا ہے، اس کی مخلوق کے ساتھ حتی المقدور نیکی کرتا ہے، سب کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے جو ان سے اپنے لئے چاہتا ہے۔ یہی حال

اخلاق میں بھی ہوگا، اعلیٰ ترین اخلاق سے اس کا نفس آراستہ ہوگا، علم، رحم، صبر، صدق، محبت، شجاعت، عفت، سخاوت، انسانیت، وقار، رواداری، قلب کی سلامتی، مومنین کے ساتھ فروتنی، دشمنانِ الٰہی پر نخوت و سختی، غرضیکہ تمام محاسنِ اخلاق سے متصف ہوگا، کہ جن کی تحسین پر تمام شرائعِ ربانی، فطرت و عقلِ انسانی متفق ہیں۔

اسی طرح اکل و شرب میں اس کی رغبت طیّب و حلال ہی کی طرف ہوگی جو جسم و روح دونوں کے لئے مفید و مغذّی ہوتا ہے۔

اسی طرح اس کے احباب ہمنشین بھی اچھے ہی لوگ ہونگے، شریروں کی صحبت اسے پسند نہ آئے گی۔ غرضیکہ اس کا وجود ہی اس کے طیّب و طاہر ہونے کی خبر دے گا، خبث و کثافت کا ایک شمہ بھی اس میں نہ پایا جائیگا۔

قرآنی شہادت

ایسے ہی لوگوں کے حق میں قرآن میں آیا ہے:

اَلَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰھُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمُ ادۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۔ (۱۶ : ۳۲)	جن کی جانیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ طیّب و طاہر ہوتے ہیں تو فرشتے ان سے بڑے تپاک سے کہتے ہیں: تم پر سلامتی ہو، جنّت میں داخل ہو جاؤ، ان اعمال کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔

اور ایسے ہی لوگوں سے جنّت کے نگہبان کہیں گے:

سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡھَا خٰلِدِیۡنَ۔ (۳۹ : ۷۳)	سلامتی ہو تم پر! تم پاک ہو، پس جنّت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔

اور اسی طیّب و خبیث کی تقسیم کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے :

اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثَاتِ، وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ۔

(۲۴ : ۲۶)

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے، طیّب عورتیں طیّب مردوں کے لئے ہیں اور طیّب مرد طیّب عورتوں کے لئے۔

پس طیّب الفاظ، طیّب اعمال اور طیّب عورتیں، اپنے مناسبِ حال طیّب لوگوں کے لئے ہیں، اور خبیث الفاظ، خبیث عورتوں، خبیثوں کے لئے ہیں، طیّبین کے ساتھ ان کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

فریقین کا ٹھکانا

اللہ تعالیٰ نے طیّب و طیّبات کے لئے جنّت مخصوص کی ہے، اور خبیث و خبیثات کا ٹھکانا جہنّم کو قرار دیا ہے۔ یعنی جس طرح مخلوق دو قسم کی ہے اسی طرح اُس کے ٹھکانے بھی دو ہیں: ایک جنّت جس میں طیّب ہی طیّب ہوگا، خبیث کا وہاں گزر نہیں۔ دوسرا دوزخ، جو صرف خبیث کا مقام ہے، طیّب کا داخلہ اس میں محال ہے۔

دارِ دُنیا

لیکن ان دونوں مقاموں کے علاوہ ایک مقام اور بھی ہے، جس میں خبیث و طیّب دونوں ہی رہتے ہیں، اور وہ مقام یہی دارِ دنیا ہے جس میں نہ طیّبین کی کمی ہے نہ خبیثین کی، دونوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ چونکہ دنیا کی کیفیت یہی ہے، اسی لئے حکمتِ الٰہی نے اسے ابتلا و امتحان کا مقام بنا دیا ہے، یہاں دونوں کسوٹی پر رکھے جاتے ہیں اور عمر بھر پرکھے جاتے ہیں۔

علیحدگی خبیث وطیّب

یہاں تک کہ قیامت آجائے اور دونوں اپنے اپنے اعمال نامے لے کر ربّ العزّت کے حضور میں پہنچ جائیں، اُس وقت پروردگارِ عالم طیب کو خبیث سے جدا کر دیگا، طیبین اپنے مقام جنّت میں پہنچا دئے جائینگے، جہاں اُن کے سوا اور کوئی نہ ہوگا، اپنے علاوہ کسی کو نہ پائیں گے۔

جزا وسزا کا معیار

اللہ تعالیٰ نے فریقین کی جزا وسزا خود انہیں کے اعمال میں رکھ دی ہے، طیبین کے اقوال واعمال واخلاق بعینہ ان کے لئے جنّت کی لذّتیں اور نعمتیں بن جائینگی اور انہیں میں برکت دے کر اللہ تعالیٰ بہترین اسبابِ راحت وسرور مہیّا کر دے گا۔ اسی طرح خبیثین کے اقوال واعمال واخلاق اُن کے حق میں کانٹے ہو جائیں گے اور انہیں سے انواع و اقسام کے آلام ومصائب پیدا ہو جائیں گے۔

مظاہرِ رحمت

اس بڑے آقا کی کیا ہی بڑی حکمت ہے! اسی طرح وہ اپنے بندوں کو اپنی کمالِ ربوبیّت، کمالِ حکمت، علم، عدل اور مظاہرِ رحمت دکھاتا ہے، تاکہ اُس کے دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ خود وہی گمراہ اور مفتری وکذّاب تھے نہ کہ اس کے پاک اور سچّے رسولؐ! فرمایا:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ	انہوں نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہ اللہ اُسے
لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۚ بَلٰى وَعْدًا	پھر نہ اٹھائیگا جو مر چکا ہے، نہیں، ضرور
عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	اٹھائے گا، یہ اس کا سچّا وعدہ ہے، لیکن
لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ	اکثر آدمی نہیں جانتے، اس لئے اٹھائیگا

يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ۔ (۱۶ : ۳۸ ، ۳۹)

تاکہ کھول دے وہ چیز جس میں باہم حجت کرتے تھے اور تاکہ کفار جان لیں کہ وہی جھوٹے تھے۔

فریقین کی شناخت

غرضکہ مخلوق میں کچھ طیبین ہیں کچھ خبیثین ہیں، کچھ سعید ہیں کچھ شقی ہیں، دونوں کے لئے علامتیں اور نشانیاں ہیں، جن کے ذریعہ وہ شناخت کئے جاسکتے ہیں۔ خبیث وہ ہے جس کے قلب، زبان اور اعضاء وجوارح سے خبث ونجاست پڑی بہتی ہے۔ طیب وہ ہے جس کے قلب، زبان اور اعضاء وجوارح سے طہارت کا فوارہ چھوٹا کرتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص میں طیب وخبیث دونوں مادے پائے جاتے ہیں، ایسی حالت میں انسان اس فریق میں ہوجاتا ہے جس کا مادہ کشمکش کے بعد بالآخر دوسرے مادے پر غالب آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ بہتری منظور ہوتی ہے، موت سے پہلے اسے خبیث مادے سے پاک کر دیتا ہے، چنانچہ قیامت کے دن وہ صاف ستھرا اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہوتا ہے اور سیدھا جنت میں بھیج دیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں کوئی میل تو رہتا ہی نہیں جس کی تطہیر کے لئے اسے جہنم کی بھٹی میں پڑنا پڑے۔

فضلِ الٰہی

اللہ تعالیٰ کا بندے پر یہ فضل اس توفیق کی شکل میں ہوتا ہے جو اس کی جناب سے نیکی، اطاعت، توبۂ نصوحا اور کفارہ کرنے والی حسنات کے لئے حاصل ہوتی ہے۔

بدنصیب

لیکن جس بدنصیب کے شاملِ حال فضلِ الٰہی نہیں ہوتا، خبیث مادہ اس میں برابر

موجود رہتا اور بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اپنی تمام کثافتوں اور نجاستوں کے ساتھ وہ بارگاہ خداوندی میں پہنچتا ہے اور جہنم میں گرا دیا جاتا ہے، کیونکہ اپنے خبیث مادّوں کے ساتھ وہ جنت میں جا ہی نہیں سکتا، اس کے لئے ضرور ہوتا ہے کہ دوزخ کی بھٹی میں پڑے اور طہارت حاصل کرے۔ لیکن جونہی تنقیہ و تصفیہ ہو جاتا ہے وہ جہنم سے نکل آتا ہے اور اپنے پروردگار کی مجاورت اور اہلِ جنت کی صحبت کا اہل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی جہنم میں اقامت صرف اتنی ہی مدت کے لئے ہوتی ہے جتنی مدت میں وہ طہارت حاصل کر لیں، ان میں جو خوش نصیب جلد پاک ہو جاتے ہیں، جلد نجات پا جاتے ہیں اور جنہیں دیر لگتی ہے انہیں وہ پُر محن زندگی زیادہ عرصہ تک بھگتنا پڑتی ہے: "جَزَآءً وِّفَاقًا" (۷۸: ۲۶) (اعمال کا بدلہ ہے۔) وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ (تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے کا نہیں)۔

مشرکین کا حشر

رہا مشرک! تو چونکہ اُس کی جبلت خبیث اور اس کی ذات خبیث ہوتی ہے، اس لئے جہنم بھی اس کی نجاست کو زائل نہیں کر سکتی، وہ کتنی ہی مدت رہے، خبیث ہی رہیگا، اگر باہر بھی نکال لیا جائے تو بھی خبیث رہے گا۔ اس کی مثال کُتّے کی مانند ہے، جسے لاکھ نہلاؤ، ناپاک ہی رہیگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت حرام کر رہی ہے۔

برخلاف اس کے مومن ہے کہ جس پر دوزخ حرام ہے، کیونکہ وہ سراسر طہارت ہی ہے، اُس میں خبث کا شائبہ تک نہیں ہوتا کہ جس کے ازالہ کے لئے جہنم میں جانا ضروری ہو۔ فسبحان من بھرت حکمتہ العقول والالباب۔

اتباع نبوی کی ضرورت۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

ایمان لانا اور آپؐ کی اطاعت کرنا کس قدر ضروری ہے، کیونکہ طیب و خبیث کی پوری پوری شناخت کا ذریعہ بجز آپؐ کے ذریعہ کے اور کوئی نہیں۔ آپؐ ایک میزانِ حق ہیں، آپؐ ہی کے اقوال و اعمال و اخلاق پر تمام اقوال و اعمال و اخلاق تولے جاسکتے ہیں۔ انسان کی ضرورتوں میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ناگزیر ضرورت یہی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے بخوبی واقف ہو، تاکہ اس نمونہ پر اپنی زندگی ڈھالے اور آپؐ کے نقشِ قدم پر چل کر سعادتِ دنیوی و آخری سے شادکام ہو۔ والسلام!

ابن قیمؒ

باب اوّل

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت

فصلِ اوّل

ابتدائی زندگی

ولادتِ باسعادت

آنحضرت کی ولادت عامِ فیل[1] میں ہوئی۔ واقعۂ فیل درحقیقت اُس خارق العادت ہستی کے ظہور کا پیش خیمہ تھا جو عنقریب مکّہ کی وادی غیر ذی زرع میں جلوہ گر ہونے

---

[1] یعنی ۵۷۰ء میں، عربوں کا قاعدہ تھا کہ تاریخ کا حساب بڑے بڑے واقعات سے کرتے تھے واقعۂ فیل بھی ایک نہایت اہم واقعہ تھا اس لئے اس سے تاریخوں کا حساب کرنے لگے۔ واقعۂ فیل کی اصلیت یہ ہے کہ یمن کے عیسائیوں نے حبشی سردار "ابرھہ بن الاشرم" کی سرکردگی میں خانۂ کعبہ کے ڈھانے کے لئے مکّہ پر فوج کشی کی، مگر کامیاب نہ ہوتے، عذاب الٰہی میں پڑکر برباد ہوئے۔ سورۂ فیل میں یہی واقعہ مذکور ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ نے عکرمہؓ کی روایت سے یہ تفسیر ماثور درج کی ہے کہ چڑیاں اصحاب فیل پر کنکریاں گراتی تھیں، جس پر کنکری گرتی تھی چیچک کے مرض میں مبتلا ہوجاتا

والی تھی، ورنہ اصحاب فیل اہل کتاب تھے اور اُن کا مذہب مکّہ کے بُت پرستوں کے مذہب سے کہیں بہتر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کو اہل کتاب پر ایسی فتح مبین عطا فرمائی جس میں کسی انسانی ہاتھ اور تدبیر کو مطلقاً دخل نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ اس واقعہ کے ذریعہ خانۂ کعبہ، قریش اور مکّہ کی بزرگی مسلّم ہو جائے جس میں عنقریب اس کے نبیؐ کا ظہور ہونے والا تھا۔

نسب نامۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ کا حسب نسب اعلیٰ واشرف، آپؐ کی قوم اشرف، آپؐ کا قبیلہ اشرف، اور آپؐ کا خاندان اشرف، آپؐ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہیں۔ یہاں تک سلسلۂ نسب متفق علیہ اور یقینی طور پر معلوم ہے۔ عدنان کا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا بھی یقینی ہے، اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح ہونے پر بھی تمام صحابہ وتابعین اور علماء امت کا اتفاق ہے۔

مختون ومسرور پیدا ہوئے

ختنہ کے بارے میں تین قول مروی ہیں:

چیچک کے مرض میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ عرب میں سب سے پہلے چیچک کا ظہور اسی واقعہ سے ہوا۔ (ابوزید) مترجم کتاب اتنا اضافہ اور کرتا ہے کہ ٹھیک اسی زمانہ میں طور سینا اور علاقہ سویز میں چیچک کی بیماری پھیلی ہوئی تھی، بہت ممکن ہے کوئی بڑی آندھی اس علاقہ سے چڑیوں کو اڑا لے گئی ہو جو اپنے ساتھ چیچک کے جراثیم ان کنکریوں میں لے گئی ہوں تاکہ اللہ کے حکم سے ان ظالموں کو برباد کریں۔

(۱) آپؐ پیدائشی مختون و مسرور (ناف کٹی ہوئی) تھے، لیکن اس باب میں جو حدیث سب سے زیادہ مشہور ہے، وہ بھی غیر صحیح ہے، ابن جوزیؒ نے موضوعات میں شمار کی ہے، باقی اور جتنی حدیثیں ہیں، اُن کی صحت بھی ثابت نہیں۔ پھر اس میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں، بہت سے آدمی مختون پیدا ہوتے ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ختنہ اس دن ہوا جب حلیمہؓ دائی کے ہاں ملائکہ نے شقِ صدر کیا۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ ولادت سے ساتویں دن آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے ختنہ کیا، اس تقریب پر دعوت بھی کی، اور "محمدؐ" نام رکھا۔

ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ اس باب میں ایک حدیث مسند غریب روایت کی گئی ہے، اس مسئلہ پر دو فاضلوں کمال الدین ابن طلحہ اور کمال الدین ابن الندیم میں مناظرہ ہوا۔ اوّل الذکر نے ایک کتاب تصنیف کر ڈالی اور ہر طرح کی حدیثیں بے لگام روایت کر گئے کہ آپ مختون پیدا ہوئے تھے، مگر آخر الذکر نے تردید کر دی اور ثابت کیا کہ عرب کے دستور کے مطابق ختنہ ہوا تھا، چونکہ یہ رواجِ عام تھا، اس لئے ثبوت کے لئے کسی سند کی ضرورت نہیں، مدعی کو دلیل پیش کرنی چاہیئے۔

رضاعی مائیں

آپؐ کو متعدد عورتوں نے دودھ پلایا:

ثوبیہ کنیز ابولہب، چند دن دودھ پلایا، اس دودھ میں آپؐ کے شریک عبداللہ بن عبدالاشد المخزومی، مسروح بن ثوبیہ اور آپؐ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب تھے۔ ثوبیہ کے اسلام میں اختلاف ہے۔

ثوبیہ کے بعد حلیمہؓ سعدیہ نے دودھ پلایا، جس میں آپؐ کے شریک عبداللہ بن حلیمہؓ، آپؐ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب تھے، یہ آپؐ کے سخت دشمن تھے، یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

نیز حضرت حمزہؓ کی انّا نے بھی آپؐ کو دودھ پلایا جو قبیلۂ سعد بن بکر سے تھیں، یہ اس وقت جبکہ آپ حلیمہؓ سعدیہ کے ہاں تھے۔ اس طرح حضرت حمزہؓ آپؐ کے دو طرف سے رضاعی بھائی ہوئے۔ حلیمہ اور اُن کے شوہر کے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔

کھلائیاں

آپ کی کھلائیوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں: خود آپؐ کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ پھر ثوبیہ، حلیمہ، شیما آپؐ کی رضاعی بہن۔ یہ وفد ہوازن کے ہمراہ جب خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے اپنی چادر ان کے لئے بچھادی تھی؛ فاضلہ الجلیلہ، ام ایمن، برکۃ الحبشیہ جو آپؐ کو والد سے ورثہ میں ملی تھیں، ان کی شادی آپؐ نے اپنے محبوب زید بن حارثہ سے کردی تھی، انہی کے بطن سے اُسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ جب نبی صلعم کا وصال ہوا تو ابوبکرؓ و عمرؓ امّ ایمن کے گھر گئے، وہ بیٹھی رو رہی تھیں، تسکین دینے لگے کہ "اے اُمّ ایمن! جو کچھ خدا کے ہاں ہے، وہ رسولؐ کے لئے اس دنیا سے بہتر ہے!" کہنے لگیں "میں بھی جانتی ہوں میں اس غم میں رو رہی ہوں کہ اب آسمان کی خبریں آنا بند ہوگئیں!" یہ سن کر دونوں صحابیوں پر بھی رقت طاری ہوگئی۔

بچپن اور شباب

پیدائش سے پہلے ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، ابھی سات برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ماں کی مامتا سے بھی محروم ہوگئے، والدہ کی وفات مکہ و مدینہ کے مابین

مقام "ابواؑ" میں ہوئی جب کہ مدینہ میں آپؐ کے ماموں کے گھر سے واپس آرہی تھیں۔ دادا عبد المطلب نے گود میں اٹھالیا، لیکن ابھی ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ انہوں نے بھی سفر آخرت اختیار کیا، آخر ابو طالب نے پرورش شروع کی۔

بارہ سال کی عمر میں شفیق چچا کے ہمراہ ملک شام تشریف لے گئے، اسی سفر میں بحیرا راہب کی دُور بین نظریں پڑیں اور اس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ آپؐ کو شام میں نہ پھرائیں کیونکہ یہودیوں کی جانب سے خطرہ ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے بعض غلاموں کے ساتھ آپؐ کو مدینہ پہنچا دیا۔

۲۵ برس کے سن میں ایک تجارتی کاروان لے کر شام کا سفر کیا، شہر بصریٰ تک گئے، واپسی میں حضرت خدیجہؓ بنت خویلد سے شادی ہوئی۔ خدیجہؓ پہلی خاتون ہیں جنہیں آپؐ کی زوجیت کا فخر حاصل ہوا، اور اُمہات المومنین میں سب سے پہلے اپنے خدا سے جاملیں۔ جب تک زندہ رہیں آپؐ نے دوسری شادی نہ کی، اُن کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ خود رب العزت نے جبرئیل کے واسطہ سے اُنہیں سلام کہلا بھیجا!

ؔ لیکن جہلاء نے مکہ کے قبرستان "معلّی" میں ایک قبر بنا رکھی ہے، جسے "قبر سیدتنا آمنہ" کہتے ہیں، ہر پنجشنبہ کو جوق در جوق زیارت کو جاتے ہیں۔ حجاج کو بھی زیارت کرائی جاتی ہے اور خوب لوٹا جاتا ہے۔ (مترجم)

فصل ۲

نبوّت کی زندگی

خلوت پسندی

سال پر سال گزرتے چلے گئے، یہاں تک کہ ایک وقت آیا جب آپؐ تنہائی پسند ہوگئے، حرا کا سنسان غار مونس وہمدم ہوگیا۔ اس میں مسلسل کئی کئی رات اور دن، تدبّر و تفکر و عبادتِ باری تعالیٰ میں منہمک رہنے لگے۔ بُتوں سے نفرت تھی، آبائی دین سے بیزاری تھی، کسی چیز سے اتنے بیزار نہ تھے جتنے ان دو چیزوں سے تھے۔

اوّلین وحی

وحی کا آغاز رؤیائے صادقہ سے ہوا، روایت ہے کہ چھ ماہ تک یہی حالت رہی، اس کے بعد اصلی نبوّت سے سرفراز ہوئے، غارِ حرا میں گوشہ نشین تھے کہ فرشتہ نمودار ہوا اور سب سے پہلی وحی پہنچائی "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (۹۶ : ۱)
حضرت عائشہؓ و جمہور صحابہؓ کا یہی قول ہے اور صحیح ہے، حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلی وحی "یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" (۷۴ : ۱) تھی[1]

---

[1] لیکن بعض کا قول ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ ہم ان تمام اقوال کو اس

نبوّت

جب چالیسواں سال ختم ہوا، غارِ حرا میں آفتابِ نبوت طلوع ہوا، تاجِ رسالت فرقِ مبارک پر رکھا گیا، اور تمام مخلوق کے لئے پیغمبر بنا کر مبعوث کئے گئے۔ سب متفق ہیں کہ بعثت دوشنبہ کے دن ہوئی، مہینے کی تعیین میں اختلاف ہے، مگر رجحان اسی جانب ہے کہ ۸، ربیع الاوّل سنہ ۴۱ عام الفیل میں رسالت سے سرفراز ہوئے، بعض اسے رمضان میں بتاتے ہیں اور آیت :

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ۔ (۲ : ۱۸۵) — ماہ رمضان جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

سے استدلال کرتے ہیں۔

اقسامِ وحی

وحی الٰہی کئی صورتوں سے آتی تھی :

(۱) رؤیائے صادقہ۔ وحی کا آغاز اسی سے ہوا، خواب دکھائی دیتے، اور جو کچھ دیکھتے بال بال ٹھیک نکلتا۔

طرح جمع کر سکتے ہیں کہ اوّلیت یا اضافی قرار دیں، اس صورت میں سورۂ فاتحہ اوّلین وحی ہوگی جو اس لئے نازل ہوئی کہ آپ وحی سے مانوس اور اس کے سننے کے لئے تیار ہوں، اس کی تائید آپ کے اس جواب سے بھی ہوتی ہے جو ورقہ بن نوفل کو دیا تھا "میں نے یہ سب ایسے شخص سے سنا ہے جسے میں نے دیکھا نہیں"۔ "اقرأ" سے اصل وحی کا آغاز ہوا جب کہ حضرت جبریلؑ نے سینے سے لگایا کہ تحمل وحی کیلئے استعداد مکمل ہو جائے "یاایھا المدثر" اس معنی میں پہلی وحی ہوگی کہ انقطاع وحی کے طویل وقفہ کے بعد سب سے پہلے وہ نازل ہوئی، یا یہ کہ تبلیغ کے لئے وہ سب سے پہلی وحی ہے۔ (ابوزید)

(۲) فرشتہ بغیر نظر آئے قلب میں القا کرتا، جیسا کہ خود فرمایا:

ان روح القدس نفث فی روعی انہ لن تموت نفس حتّی تستکمل رزقہا، فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب ولا یحملنکم استبطاء الرزق علی ان تطلبوہ بمعصیۃ اللہ، فان ما عند اللہ لا ینال الّا بطاعتہ۔

روح القدس نے میرے اندر ڈالا ہے کہ کوئی مر نہیں سکتا جب تک اپنی روزی پوری نہ پالے، پس اللہ سے ڈرو، طلب مال ٹھیک طریقہ سے کرو، رزق کی تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ اللہ کی معصیت کے راستے سے اسے حاصل کرو، کیونکہ اللہ کے پاس جو ہے صرف اس کی فرمانبرداری ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(۳) فرشتہ انسان کی صورت میں نمودار ہوتا اور وحی پہنچاتا، اس حالت میں کبھی کبھی صحابہؓ بھی اسے دیکھتے تھے۔

(۴) گھنٹی کی آواز کی طرح آتی۔ یہ وحی آپ پر بہت سخت ہوتی، حتیٰ کہ کڑاکے کی سردی میں بھی پیشانی عرق عرق ہو جاتی تھی، اگر اونٹ پر ہوتے تو وہ بوجھ سے بیٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ زید ابن ثابتؓ کے زانو پر زانو رکھے بیٹھے تھے کہ اسی قسم کی وحی آگئی، زیدؓ کا بیان ہے کہ مجھ پر اس قدر بوجھ پڑا کہ قریب تھا، میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

(۵) فرشتہ اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتا اور خدا کا پیغام پہنچاتا۔ عمر بھر میں صرف دو دفعہ ایسا موقع ہوا، جیسا کہ سورۂ النجم میں مذکور ہے۔

(۶) وہ وحی جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر شب معراج میں کی، جس میں نماز وغیرہ فرض ہوئی۔

(۷) وہ خطاب جو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطۂ فرشتہ براہ راست کیا، جیسا کہ موسیٰؑ کلیم اللہ کے ساتھ ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے لئے یہ فضیلت قرآن سے ثابت ہے اور آنحضرت صلعم کے لئے حدیثِ معراج ہے۔

(۸) بعضوں نے وحی کی ایک اور آٹھویں قسم بھی قرار دی ہے، یعنی بلا حجاب کے اللہ تعالیٰ کا رُو در رُو کلام کرنا، لیکن یہ مذہب اُن لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ مسئلہ سلف و خلف دونوں میں مختلف فیہ رہا ہے اگرچہ جمہور صحابہ بلکہ تمام کے تمام عائشہؓ[1] کے مسلک سے متفق ہیں، چنانچہ عثمان بن سعیدؒ دارمی نے اس پر صحابہؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔

---

[1] بخاری و مسلم و ترمذی و نسائیؒ نے مسروق سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا "اے ام المومنین! کیا محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟" وہ بولیں "سبحان اللہ! تیرے اس سوال سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے! تین باتیں کیونکر ممکن ہیں؟ جو کوئی تجھ سے ان کا ذکر کرے، جھوٹا ہے:

(۱) جو کوئی کہے کہ محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا جھوٹا ہے۔ (پھر یہ آیت پڑھی):

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ، وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (۶ : ۱۰۴)	نگاہیں اسے دیکھ نہیں سکتیں، وہ سب کو دیکھتا ہے وہ تو نہایت لطیف اور سب کچھ جانتا ہے۔
وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ، اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ (۴۲ : ۵۱)	کسی انسان کو شایان نہیں کہ اللہ اس سے باتیں کرے، مگر ہاں اس طرح کہ وحی ہو، یا فرشتہ بھیجے جو اسکے حکم سے وحی کرے، اللہ بہت بڑا اور حکمت والا ہے۔

(۲) اور جو کوئی کہے کہ محمدؐ کل (غیب) کی بات جانتے تھے، جھوٹا ہے۔ (پھر یہ آیت پڑھی):

ترتیبِ دعوت

دعوت کی بنیاد نبوت سے پڑی، آغاز گھر سے کیا، سب سے پہلے اپنے اہلِ بیت کو دعوتِ حق پہنچائی، پھر قوم کو، پھر عربوں کو کہ جن میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا، پھر قیامت تک ان تمام قوموں کے لئے اسے چھوڑ گئے جن کے کانوں تک وہ پہنچے۔ ابتدا میں تین سال تک خفیہ خفیہ دعوت دیتے رہے، جب آیت:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (۱۵ : ۹۴)

پروردگار کے حکم کا اعلان کرو اور مشرکوں کی پرواہ نہ کرو۔

نازل ہوئی تو علی الاعلان حق کی طرف پکارنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کی عداوت بڑھی اور آپؐ پر اور مسلمانوں پر مصائب کی بارش شروع ہو گئی، یہاں تک کہ ہجرت کی اجازت دی گئی۔

ح ل

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ» (۳۱ : ۳۴)

کوئی نہیں جانتا کہ کل اس پر کیا گزرے گی؟ کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا؟ اللہ بڑے علم والا ہے۔

(۳) اور جو کوئی کہے کہ محمدؐ نے وحی میں سے کوئی چیز چھپا ڈالی، جھوٹا ہے۔ (پھر یہ آیت پڑھی):

یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكَافِرِیْنَ۔ (۵ : ۶۷)

اے رسولؐ! جو کچھ تیرے رب نے تجھ پر نازل کیا ہے پہنچا دے، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائے گا تو نے اس کا پیغام ہی نہیں پہنچایا، اللہ تجھے لوگوں کے شر سے بچائیگا۔ بیشک اللہ کفر کرنے والوں کو ہدایت نہیں دے گا۔

ابوزید

ابتلا و محن کا دَور

جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور کفّار کو خطرہ پیدا ہوا تو انہوں نے تکلیف پہنچانا اور اہل اللہ کو ابتلأ و امتحان میں ڈالنا شروع کیا، جب مصیبت حد سے تجاوز کر گئی تو رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دیدی اور فرمایا: "وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے پاس لوگوں پر ظلم نہیں ہونے پاتا" چنانچہ بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی، جن میں رقیہؓ بنت رسول اللہ اور ان کے شوہر عثمان بن عفانؓ بھی تھے۔ یہ لوگ حبش میں نہایت آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک جھوٹی خبر مشہور ہو گئی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ سُن کر ان لوگوں نے مکہ کا رخ کیا، قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے بجائے قریش نے اور بھی زیادہ عداوت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اس پر بعض لوگ پھر حبش واپس گئے اور بعض مکہ چلے آئے، جہاں قریش نے انہیں بُری طرح ستایا، ان میں ایک عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔

ایذا رسانیِ قریش

قریش کی ایذا رسانی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ مسلمانوں کے لئے اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا تھا۔ آخر آنحضرتؐ نے پھر ہجرت کا حکم دیا۔ اس مرتبہ ۸۳ مرد اور سات عورتیں حبش روانہ ہوئیں اور نجاشی کی پناہ میں بڑی آسودگی سے رہنے لگیں۔ اہلِ مکہ نے سنا تو سخت برہم ہوئے اور عمرو بن العاص کی سرکردگی میں ایک سفارت نجاشی کے دربار میں بھیجی تاکہ ان مومنین صادقین کے برخلاف اسے اکسائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی تدبیر چلنے نہ دی اور سفارت ناکام لوٹ آئی۔ اس ذلّت سے انہیں اور بھی زیادہ اشتعال ہوا، اب وہ ہر طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے، یہاں تک کہ رسول

اللہ صلعم مجبور ہوئے کہ اہل و عیال سمیت ایک پہاڑی گھاٹی "شعب ابی طالب" میں جاکر پناہ لیں، چنانچہ آپ اس گھاٹی میں تین سال تک محصور رہے (بعضوں کا قول ہے کہ دو سال) اور کوئی ایسی تکلیف نہ تھی جو آپؐ نے اور اہل بیت نے برداشت ▪ کی ہو۔ محاصرہ اٹھنے کے وقت سن مبارک ۴۹ برس کا تھا (اور ایک قول کے مطابق ۴۸ سال کا)۔

اہل طائف کی سنگدلی

اس واقعہ کے چند ہی ماہ بعد آپؐ کے مہربان چچا ابو طالب کا انتقال ہوا، پھر حضرت خدیجہؓ کی وفات واقع ہوئی۔ ان دو واقعوں کے بعد کفار کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور انہوں نے دل کھول کر پریشان کرنا شروع کیا۔ تنگ آکر آپؐ زید بن حارثہ کے ہمراہ طائف تشریف لے گئے، جہاں چند دن قیام رہا اور پیغام حق سنایا مگر ایک متنفس نے بھی لبیک نہ کہا اور اہل مکہ سے زیادہ سنگدل ثابت ہوئے۔ جب آپؐ واپس ہو رہے تھے تو طائف والوں نے راستے میں دونوں طرف دو صفیں اوباشوں کی کھڑی کر رکھی تھیں جو پتھر مارتی تھیں، آپؐ کے پاؤں اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ خون کی تلیاں چلنے لگی تھیں! راستہ میں عداس نصرانی سے ملاقات ہوئی، اور وہ مشرف باسلام ہوا۔ اسی سفر میں مقام "نخلہ" پر نصیبین کے سات جنوں نے آپؐ سے قرآن سنا، اور اسی سفر میں آپؐ نے پروردگار سے بصد زاری مناجات کی کہ:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ۔	الٰہی! میں تجھ ہی سے اپنی بیکسی و بے چارگی کا شکوہ کرتا ہوں۔

مکہ میں داخلہ مطعمؓ بن عدی کی حمایت میں ہوا۔ اس کے بعد معراج ہوئی پہلے مسجد اقصیٰ پہنچے، پھر ملاء اعلیٰ کی طرف صعود ہوا، جہاں رب العزت سے ہم کلامی کا

شرفِ حاصل ہوا، اور نمازیں فرض ہوئیں۔ معراج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ ہوئی بعضوں کا خیال ہے کہ حالتِ خواب میں ہوئی تھی۔

دینِ حق کی ترقی

طائف سے واپسی کے بعد آپؐ برابر مکہ میں مقیم رہے، ہر طرف سے مصائب و آلام کا سامنا تھا، سب کچھ سہتے تھے، مگر دعوتِ حق سے منہ نہ موڑتے تھے۔ آپؐ کا دستور تھا کہ ہر موسم حج میں قبائل کے پاس فرداً فرداً جاتے، دعوت دیتے اور فرماتے "کون ہے جو میری حمایت کرے اور جنت لے، تاکہ میں خدا کا پیغام مخلوق تک پہنچا سکوں؟" مگر کوئی شنوا نہ ہوتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنا دین غالب کرے، اپنا وعدہ پورا کرے، اپنے نبیؐ کی مدد کرے، اپنا بول بالا کرے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لے، تو اس کیلئے ایک غیر متوقع سامان مہیا کر دیا۔ ایک حج میں آپؐ انصاریوں کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے، چھ آدمی تھے (بعض کے نزدیک آٹھ) عقبہ منیٰ کے پاس بیٹھے سر منڈا رہے تھے، سرورِ عالمؐ بھی قریب بیٹھ گئے، دعوتِ حق پہنچائی اور قرآن سنایا۔ اُن کے دل نرم ہو گئے، مشرف باسلام ہوئے اور مدینہ لوٹ گئے، یہاں وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ تبلیغ دعوت شروع کی، جس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا فرمائی، انصاریوں کا ایک گھر بھی باقی نہ رہا جس میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا چرچا موجود نہ ہو۔ مدینہ میں سب سے پہلی مسجد جس میں قرآن کی تلاوت ہوئی مسجد بنی زریق ہے۔

دوسرے سال موسم حج میں بارہ انصاری مکہ آئے جن میں پانچ اولین مسلمانوں میں سے تھے، انہوں نے عقبہ کے پاس رسول اللہ صلعم سے عورتوں؎ کی بیعت کی اور

؎ عورتوں کی بیعت سے مقصود عورتوں کے شرائط پر بیعت ہے جو سورۂ ممتحنہ کی اس آیت

واپس گئے۔ تیسرے سال ان کے ۷۳ مرد اور دو عورتیں آئیں، اور اس بات پر بیعت کی کہ رسول اللہؐ کی اسی طرح حفاظت وحمایت کریں گے جس طرح اپنے اہل وعیال کی اور خود اپنی کرتے ہیں۔ آپؐ نے انہیں میں سے بارہ نقیب مقرر کئے تھے۔

اس واقعہ کے بعد صحابہؓ کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی گئی، اور وہ جوق در جوق خفیہ روانہ ہونے لگے، انصاریوں نے بڑی آؤ بھگت کی اور مدینہ میں ہر طرف اسلام پھیل گیا۔

آنحضرتؐ کی ہجرت

دینِ حق کی اس قدر ترقی اور اہل مکہ کی اس قدر سختیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبر کو بھی ہجرت کی اجازت دی، چنانچہ آپؐ مکہ سے روز دوشنبہ ماہ ربیع الاول (بعضوں کا قول ہے کہ ماہ صفر) کو چلے، حضرت ابوبکر صدیقؓ، اُن کے غلام عامر بن فہیرہ اور رہبر عبداللہ بن الارقیط ہمرکاب تھے۔ سفر جاری کرنے سے پہلے آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تین

(صــ سے آگے) میں بیان کی گئی ہیں:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔـا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِىْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ" (۶۰/۱۲)

اے نبیؐ! جب مومن عورتیں تیرے پاس اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں گی، نہ چوری کرینگی، نہ زنا کرینگی، نہ اپنی اولاد قتل کرینگی، نہ کسی پر بہتان لگائیں گی اور نہ نیک کام میں تیری نافرمانی کرینگی، تو ان سے بیعت لے لے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کر۔

آج کل کے مسلمان غور کریں کہ کیا وہ عورتوں کے اسلام پر بھی ہیں، مجاہدین فی سبیل اللہ کا ایمان تو بہت دُور رہا۔؟ (مترجم)

غارِ ثور

دن تک غارِ حرا میں رہے، کیونکہ مشرکین تعاقب میں تھے، پھر ساحل کی راہ سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ مدینہ کے قریب پہنچ گئے، ۱۲- ربیع اوّل دوشنبہ کا دن تھا، حوالیِ مدینہ ' قُبا نامی گاؤں میں ٹھہرے، خاندان عمرو بن عوف کو مہمان نوازی کی سعادت میسر آئی، ان کے ہاں ۱۴، دن قیام رہا، اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔

جمعہ کے دن شہر مدینہ کا قصد کیا، نماز کا وقت بنی سالم میں ہوگیا، اترے، سب مسلمانوں کو جمع کیا، جن کی تعداد وہاں ایک سو تھی، پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آگے بڑھے، لوگ ہر طرف سے دوڑ دوڑ کر آتے اور اونٹنی کی مہار پکڑ کر مہمانی پیش کرتے، جواب ملتا "چھوڑ دو، اسے حکم مل چکا ہے"۔ چنانچہ وہ چلتے چلتے اُس مقام پر بیٹھ گئی، جہاں اب مسجد ہے۔ یہ زمین بنی نجار کے دو لڑکوں سہل وسہیل کے جانوروں کا اصطبل تھی۔ آپؐ اُتر پڑے اور ابی ایوبؓ انصاری کے مکان میں فروکش ہوئے۔ پھر اپنی مسجد تعمیر کی، کھجور کی ڈالیوں اور کچی اینٹوں کی عمارت تھی، خود سرورِ عالمؐ اور صحابہؓ دیواریں اٹھاتے تھے۔ مسجد کے بعد اپنا حجرہ تعمیر فرمایا پھر قرب وجوار میں ازواجِ مطہراتؓ کے حجرے، جن میں آپؐ سے قریب تر حجرہ حضرت عائشہؓ کا تھا۔ سات ماہ بعد ابی ایوب انصاری کے ہاں سے اٹھ کر اپنے گھر تشریف لے آئے۔

رسول اللہ صلعم کی ہجرت کی خبریں حبش پہنچیں تو ۳۳ مہاجر مدینہ کو چلے، جن میں سے سات تو اہل مکّہ کے ہاتھوں میں پڑ کر قید ہو گئے، باقی خدمت نبویؐ میں پہنچ گئے۔

ہجرت کے وقت عمر مبارک ۵۳ برس کی تھی۔

فصل ۳

عام زندگی

آپؐ کی اولاد

سب سے بڑے بیٹے قاسمؑ، پھر زینبؑ، پھر رقیہؑ، پھر اُم کلثومؑ، پھر فاطمہؑ، پھر عبداللہؑ (علیہم السلام) یہ سب کے سب اُم المومنین حضرت خدیجہؓ سے تھے، کسی اور بیوی سے اولاد نہ ہوئی، البتہ آپؐ کی کنیز ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں ۸ھ ہجری میں ابراہیمؑ پیدا ہوئے، لیکن حالتِ شیرخواری ہی میں فوت ہو گئے۔ آپؐ کی تمام اولاد آپؐ کی حیات ہی میں فوت ہوئی بجز حضرت فاطمہ علیہا السلام کے جو چھ ماہ بعد تک زندہ رہیں اور ایسے باپ کا غم دیکھنے پر مجبور ہوئیں!

آپؐ کے چچا اور پھوپھیاں

آپؐ کے چچا یہ لوگ ہیں: سید الشہدا، حمزہؓ بن عبدالمطلب، عباسؓ، ابوطالب، ابولہب، زبیر، عبدالکعبہ، مقوم، ضرار، قثم، مغیرہ، عیداق، بعضوں نے "عرام" کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان میں حمزہؓ و عباسؓ کے سوا کوئی مسلمان نہ ہوا۔

آپؐ کی پھوپھیاں یہ ہیں: صفیہؓ (حضرت زبیر بن العوام کی والدہ) عاتکہ، برۃ،

اردی، امیمہ، ام حکیم البیضار صفیہؓ کا اسلام محقق ہے، عاتکہ کے اسلام میں اختلاف ہے، بعضوں نے اردی کے مسلمان ہونے کی بھی تصدیق کی ہے۔

اُمہات المومنین

(۱) سب سے پہلی خدیجہؓ بنت خویلد القرشیہ ہیں، نبوت سے پہلے زوجیت میں آئیں۔ اُس وقت عمر ۴۰ سال تھی، مگر ان کی زندگی بھر آنحضرت صلعم نے دوسری شادی نہیں کی۔ وہ خدیجہؓ ہی تھیں جنہوں نے باوجود عورت ہونے کے نبوت کے بارِ گراں اٹھانے میں رسولِ خدا کی مدد کی، آپؐ کے ساتھ مصائب برداشت کیں، اور جان و مال اس راہ میں خرچ کیا۔ ہجرت سے تین سال قبل انتقال کیا۔

(۲) حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد سودہؓ بنت زمعۃ القرشیہ سے شادی کی، انہوں نے خود ہی بعد کو اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو دے دیا تھا۔

(۳) پھر عائشہؓ صدیقہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا سے عقد کیا۔ سلسہ میں پیدا ہوئیں۔ ازواج مطہرات میں صرف یہی ایک دوشیزہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ اپنی تمام ہمعصروں میں رسولِ خدا کو سب سے زیادہ محبوب تھیں، سب سے زیادہ ذی علم تھیں، بہت سے صحابہؓ فتوے لیتے تھے، آپ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ آپ کی طہارت و برأت پر خود قرآن نے شہادت دی ہے!

(۴) پھر حفصہؓ بنت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہا) سے شادی کی، ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے کہ آپؐ نے انہیں طلاق دے دی تھی، مگر پھر رجوع کر لیا تھا۔

(۵) ان کے بعد زینبؓ بنت خزیمہ بن الحارث القیسیہ ہیں جو شادی سے دو ماہ بعد فوت ہو گئیں۔

(۷) پھر زینبؓ بنت جحش (قبیلہ بنی اسد) سے شادی کی۔ یہ آپؐ کی پھوپھیری بہن یعنی امیمہ کی بیٹی تھیں۔ انہیں کے متعلق قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی کہ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا[1] (۳۳ : ۳۷) وہ اس پر فخر کیا کرتیں اور دوسری بی بیوں سے کہتیں "تمہیں تمہارے ماں باپ نے بیاہا ہے، مگر میرا رشتہ خود اللہ نے سات آسمانوں پر جوڑا ہے"! اوائل خلافت عمرؓ میں انتقال کیا۔

---

[1] پوری آیت سورہ احزاب میں اس طرح موجود ہے :

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْلَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔ (۳۳ : ۳۷)	جب زید اس سے سیر ہوگیا، ہم نے تجھ سے اس کی شادی کردی تاکہ مومنین پر اپنے منہ بولے لڑکوں کی عورتوں سے شادی کرنے میں کوئی تنگی باقی نہ رہے جب کہ وہ ان سے سیر ہوجائیں، بیشک خدا کے احکام ہوجانے والے ہیں۔

عرب میں دستور تھا کہ اپنے منہ بولے لڑکوں یا لے پالکوں کی عورتوں سے کسی حال میں بھی رشتہ نہ کرتے کیونکہ انہیں بہو سمجھتے تھے۔ زیدؓ بن حارثہ آپؐ کے منہ بولے لڑکے تھے، ان کے ساتھ آپؐ نے زینبؓ بنت جحش کا عقد کردیا تھا۔ جب دونوں میں کسی طرح نہ بنی اور زیدؓ نے طلاق دیدی تو خود آپؐ نے ان سے شادی کرلی، تاکہ یہ جاہلانہ رسم باطل ہوجائے، اسی طرح دوسری ازواج سے عقد کرنے میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت تھی، جیسا کہ کتب سیر میں بالتفصیل مذکور ہے، دشمنان اسلام ہمیشہ ازواج مطہرات کی کثرت پر اعتراض کرتے اور اسے دوسرے جذبات پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ اگر اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو آنحضرت کو بہتر سے بہتر عورتیں مل سکتی تھیں، آپؐ دوشیزاؤں کو چھوڑ کر بڑھیوں سے کیوں شادی کرتے! بجز حضرت عائشہؓ کے کوئی دوشیزہ نہ تھی، اور اکثر

(۸) پھر جویریہؓ بنت حارث سے شادی کی جو بنی مصطلق کے قیدیوں میں تھیں جو اپنا فدیہ دینے میں مدد لینے کے لئے حاضر ہوئیں، آپ نے فدیہ ادا کر دیا اور عقد کر لیا۔

(۹) پھر ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ صخر بن حرب ہیں، جو عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں، دونوں نے حبشہ ہجرت کی، شوہر نے مرتد ہو کر عیسائیت قبول کر لی، مگر وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں، آپؐ کو خبر پہنچی تو نجاشی کو اُن کی شادی کے لئے لکھا، نجاشی نے خود ہی مہر ادا کیا اور شادی کر دی۔ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے۔

(۱۰) ان کے بعد صفیہؓ بنت حیی بن اخطب سے شادی ہوئی، یہ جنگ میں خاص آپؐ کے حصہ میں کنیز ہو کر آئی تھیں، آپؐ نے آزاد کر دیا اور اسی آزادی کو مہر قرار دے کر عقد کر لیا جس کے بعد یہ سنت پوری امت کے لئے قائم ہو گئی کہ انسان کنیز کو آزاد کر کے اس کی آزادی کو مہر قرار دیدے اور شادی کر لے۔

(۱۱) پھر میمونہؓ بنت حارث الہلالیہ سے شادی کی یہ آخری شادی تھی۔

آپؐ کے غلام اور کنیزیں

آپؐ کے غلاموں میں سے زیدؓ بن حارثہ آپؐ کے محبوب ہیں، جنہیں آپؐ نے

(صــــ سے آگے) پچاس کے سن سے متجاوز تھیں، پھر اگر ایسی بات ہوتی تو ہمیشہ نئے نئے بیاہ کرتے رہتے اور یہ آیت نازل نہ ہوتی کہ:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا۔ (۳۳:۵۲)	اے نبیؐ! تیرے واسطے اب اس کے بعد نئی عورتیں جائز نہیں نہ موجود عورتوں سے بدلنا جائز ہے، اگرچہ ان کا حسن تجھے لبھائے، صرف تیری کنیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں اللہ ہر چیز کو خوب دیکھتا ہے۔ (ابوزید و مترجم)

آزاد کر دیا تھا اور اپنی کنیز اُم ایمن سے شادی کر دی تھی، جن سے اسامہؓ پیدا ہوئے۔ نیز یہ لوگ بھی آپؐ کے غلام ہیں: اسلم ابورافع، ثوبان، ابوکبشہ سلیم، شقران صالح، رباح نوبی، یسار نوبی، مدعم، کرکرہ نوبی، انجشہ الحادی، سفینہ ابن فروخ، (ان کا اصلی نام مہران تھا، آنحضرت نے "سفینہ" نام رکھا، کیونکہ سفر میں اسباب اٹھا کر چلتے تھے) ابومشروح، انیسہ، افلح، عبیدہ، طہمان، حنین، سندر، فضالہ۔ کنیزوں میں سلمی ام رافع، میمونہ بنت سعد، خضیرہ، رضوی، ریشہ، ریحانہ ہیں۔

آپؐ کے خدام

انسؓ بن مالک، عبداللہ بن مسعودؓ (نعل و مسواک بردار) عقبہؓ بن عامر الجہنی (آپ کا خچر سفر میں چلاتے تھے) اسلعؓ بن شریک (اونٹ کے محافظ) ابوذرؓ غفاری، ایمن عبیدہ، بلالؓ بن رباح المؤذن، سعدؓ (دونوں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام تھے)۔

آپؐ کا لباس

سر پر عمامہ کبھی ٹوپی کے ساتھ ہوتا، کبھی بغیر ٹوپی کے، اور کبھی کبھی صرف ٹوپی پہنتے عمامہ کا شملہ عموماً شانوں کے درمیان پشت پر رہتا جیسا کہ امام مسلمؒ نے عامرؓ بن عبداللہ کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر اس حال میں دیکھا کہ سیاہ عمامہ سر پر تھا اور اس کا شملہ پشت پر پڑا تھا۔ لیکن جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث (مسلم) میں شملہ کا ذکر نہیں ہے، صرف اس قدر ہے کہ آنحضرتؐ مکہ میں سیاہ عمامہ باندھے داخل ہوئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شملہ ہمیشہ نہیں چھوڑتے تھے۔

جسم مبارک پر کرتا ہوتا تھا جو نہایت پسند خاطر تھا، اس کی آستینیں صرف ہاتھ کے گٹوں تک ہوتی تھیں، تنگ آستینوں اور چھوٹے دامنوں کا جبہ، قبا، تہ بند، چادر

اور بعض دوسرے قسم کے لباس بھی استعمال فرمائے ہیں۔

حُلّہ سرخ بھی پہنا ہے، حُلّہ دو کپڑوں سے مرکب ہوتا ہے: تہ بند اور چادر۔ سرخ سے یہ مطلب نہیں کہ لال رنگ کا ہوتا تھا، بلکہ حُلّہ یمانی نام ہی ایسے کپڑے کا تھا جو سرخ و سیاہ تاگوں کو ملا کر بُنا جاتا تھا، اس کا رنگ اگرچہ سُرخ نہ ہوتا تھا لیکن کہلاتا سُرخ ہی تھا۔ خالص سُرخ رنگ کا کپڑا پہننے کو آپؐ نے منع فرمایا ہے حتیٰ کہ گھوڑے پر سُرخ رنگ کا زین رکھنے سے بھی روکا ہے (بخاری)۔

ابو داؤدؒ نے عبداللہ بن عمروؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے انہیں عصفر (زرد رنگ) سے ہلکا رنگا ہوا کپڑا پہنے دیکھا تو فرمایا "یہ تو نے کیسا کپڑا پہنا ہوا ہے؟" عبداللہؓ کہتے ہیں، میں سمجھ گیا کہ آپؐ نے ناپسند فرمایا ہے، چنانچہ فوراً گھر آیا، تنور جل رہا تھا، میں نے کپڑا اسی میں جھونک دیا۔ پھر جب دوسرے دن حاضر ہوا تو فرمانے لگے "عبداللہ! کپڑے کی کیا خبر ہے؟" میں نے واقعہ بیان کر دیا، فرمانے لگے "اپنی بیوی کو کیوں نہ دیدیا؟ عورتوں کے لئے اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔"

سیاہ رنگ کا کپڑا بھی پہنا ہے، فروہ[۱] بھی کہ جس کے کناروں پر ریشمی گوٹ لگی تھی پہنا ہے جیسا کہ امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے روایت کیا ہے۔ خُف (چرمی موزے) اور جوتا پہنا ہے۔ صحیح مسلم میں اسماءؓ بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک طیالسی خسروانی (کپڑے کی ایک قسم ہے) جبہ نکالا جو دیباج کی طرح نرم تھا، اور جس میں ریشمی گوٹ لگی ہوئی تھی، پھر فرمایا "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے، حضرت عائشہؓ کے پاس تھا، اُن کے انتقال پر میں نے لے لیا، آنحضرتؐ اسے پہنا کرتے تھے۔"

---

[۱] یعنی پوستین۔

آپؐ کا کُرتہ سُوت کا ہوتا، طول میں کم اور آستینیں تنگ اور چھوٹی ہوتی تھیں، یہ لمبی چوڑی تھیلیوں کی طرح کشادہ آستینیں نہ تو کبھی رسول اللہ صلعم کے لباس میں ہوئیں نہ کسی صحابی کے۔ ان کا استعمال قطعاً خلافِ سنت ہے بلکہ جواز میں بھی شبہ ہے، کیونکہ وہ منجملہ اُس لباس کے ہیں جن سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

سفید رنگ کا کپڑا حضورؐ کو بہت مرغوب تھا، چنانچہ فرمایا ہے "سفید کپڑا سب سے بہتر کپڑا ہے، خود پہنو اور مُردوں کو اُس میں کفناؤ"۔

لباس کے بارے میں آپؐ کی سنت یہ تھی کہ جس قسم کا کپڑا میسر آجاتا، پہن لیتے، کسی خاص صنف پر اصرار نہ تھا، چنانچہ اُونی، سوتی، کتانی، ہر قسم کے کپڑے پہنتے، الا یہ کہ کوئی خاص عذر یا مانع ہوتا تو اجتناب کرتے، مثلاً ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے واسطے اُونی جبہ تیار کیا، آپؐ نے پہن لیا، لیکن جب پسینہ نکلا اور اُون میں بدبُو پیدا ہوئی تو فوراً اُتار دیا۔

آپؐ اچھے سے اچھا کپڑا بھی استعمال کرتے اور معمولی سے معمولی بھی، حتےٰ کہ پیوند تک لگا لیتے۔ ابوداؤد میں عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ میں نے حضرتؐ کے جسمِ مبارک پر بہتر لباس دیکھا ہے۔

پس جو لوگ زُہد و عبادت کے خیال سے اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کو منع کرتے ہیں، یا جو لوگ موٹے جھوٹے کھانے کپڑے کو غرور سے ناپسند کرتے ہیں، دونوں کے دونوں سنتِ نبویؐ سے منحرف ہیں۔ سنتِ نبویؐ میں ہر بات اعتدال پر مبنی ہے، افراط و تفریط کا وہاں گزر نہیں، اسی بنا پر علماءِ سلف نے حد سے زیادہ قیمتی اور حد سے زیادہ معمولی کپڑے کے استعمال کو ناپسند کیا ہے، کیونکہ دونوں لباس شہرت میں

داخل ہیں۔

ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "جو کوئی دنیا میں لباسِ شہرت[1] اختیار کریگا، آخرت میں خدا اُسے ذلت و خواری کا لباس پہنائیگا جس کے شعلوں میں وہ دوزخ کے اندر جھُلسے گا!" صحیحین میں ہے کہ فرمایا "جس کسی نے غرور سے اپنے لباس کے دامن دراز کیے، قیامت کے دن خدا اُس کی طرف نہ دیکھے گا!"

اس بارے میں کوئی خاص اصول بنایا نہیں جاسکتا، مختلف حالات میں مختلف لباس مناسب ہوتا ہے، چنانچہ شہرت و تکبّر کے خیال سے ادنیٰ درجے کا لباس بھی مذموم ہوتا ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ لباس بھی حمد و شکر کی نیت سے محمود ہو جاتا ہے۔ لیکن اس باب میں ہم صحیح مسلم کی حدیث کو اصل قرار دے سکتے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "جس کسی کے قلب میں ایک ذرّہ بھی غرور کا ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا، اور جس کے دل میں ایک ذرّہ بھی ایمان کا ہوگا وہ جہنم میں نہ جائیگا" اس پر ایک شخص نے عرض کی: لیکن یا رسول اللہ! میری خواہش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ میرا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے؟ فرمایا: "نہیں، اللہ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے! غرور، حق کا ٹھکرانا اور مخلوق کی تحقیر ہے!"

اکل و شرب اکل و شرب میں سنّتِ نبوی یہ تھی کہ جو کھانا موجود ہوتا، اسی پر

---

[1] "لباسِ شہرت" سے ہر وہ لباس مراد ہے جو نظروں کو متوجہ کرنیوالا، دلوں پر اثر ڈالنے والا اور صاحبِ لباس کیلئے عظمت و بزرگی قائم کرنے والا ہو، عام اس سے کہ دنیا داروں کا لباس ہو یا مذہبی پیشواؤں کا۔ اس وقت جو خاص لباس صوفیوں اور پُرانے مولویوں میں رائج ہے وہ بھی لباسِ شہرت میں داخل ہے، کیونکہ اس میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں جو لباسِ شہرت میں ہوتی ہیں۔ (مترجم)

اکتفا کرتے، نہ موجود کورد کرتے نہ غیر موجود کے لئے اہتمام فرماتے۔ طیبات میں سے جو کچھ بھی پیش کر دیا جاتا، تناول فرما لیتے، الایہ کہ طبیعت کراہت کرتی تو ہاتھ اٹھا لیتے، مگر نہ تو اس کی مذمت کرتے نہ اُسے حرام قرار دیتے۔ آپؐ نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی، جو مرغوب ہوا کھا لیا ورنہ خاموشی کے ساتھ چھوڑ دیا، جیساکہ گوہ، کے معاملہ میں ہوا، کہ اُسے کبھی نہ کھایا تھا اس لئے تناول سے اجتناب کیا، لیکن اُمت پر حرام نہ کیا، بلکہ خود آپؐ کے دسترخوان پر لوگوں نے اسے کھایا اور آپؐ دیکھتے رہے،[1] بارہا ایسا ہوا کہ گھر میں بالکل کھانا نہ رہا، مگر آپؐ نے نہ تو کسی سے مانگا، نہ شکایت کی، بلکہ صبر و شکر کئے رہے، بسا اوقات بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر تک باندھ لئے ہیں، اور تین تین دن بغیر غذا کے بھوکے رہے ہیں، مگر اُف تک نہیں کی۔ سفر میں کھانا عموماً زمین پر رکھا جاتا، خدا کے اس وسیع فرش سے دسترخوان کا کام لیتے تھے۔

پانی ہمیشہ بیٹھ کر پیتے، لیکن کھڑے کھڑے پینا بھی ثابت ہے، چنانچہ ایک مرتبہ چاہ زمزم پر تشریف لائے، لوگ پانی پی رہے تھے، آپؐ نے بھی طلب فرمایا، ڈول بڑھا دیا گیا اور آپؐ نے بے تکلفی سے کھڑے کھڑے ہی پی لیا۔ ایک سانس میں پانی پینے یا برتن کے اندر سانس لینے سے منع کیا ہے، فرمایا "پانی پیو، تو چوس کر پیو" اور فرمایا "پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس مت لو، بلکہ پیالہ ہٹا کر سانس لے لو"

صحیح مسلم میں ہے کہ جب پانی پیتے تو پیالہ ہٹا کے تین مرتبہ سانس لیتے اور فرماتے "اس طرح پینا زیادہ خوشگوار اور مفید ہے" ترمذی میں ہے کہ فرمایا "ایک سانس میں پانی نہ پیو، بلکہ دو اور تین دفعہ کر کے پیو، بسم اللہ سے شروع کرو اور جب

---

[1] یہ واقعہ حضرت خالدؓ بن ولید کا ہے۔

پی چکو تو خدا کی حمد و ثنا کرو۔" کھانے میں بھی یہی دستور تھا کہ بسم اللہ سے شروع کرتے ور الحمد للہ پر ختم کرتے۔ پانی پی چکتے اور برتن میں کچھ رہ جاتا تو داہنی طرف والے کو بڑھا دیتے اگرچہ بائیں جانب زیادہ سن رسیدہ لوگ موجود ہوتے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ برتاؤ

حضرت انسؓ سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ فرمایا "تمہاری اس دنیا میں سے میرے لئے عورتیں اور خوشبو پسندیدہ بنا دی گئی ہیں، لیکن نماز میں میری دلی مسرت ہے۔" تمام ازواج کے ساتھ شب باشی، رہن سہن اور نان نفقہ میں برابر کا سلوک کرتے، رہی محبت میں کمی بیشی، تو وہ انسان کے بس کی چیز نہیں، اسی لئے اکثر فرمایا کرتے "خدایا جو کچھ میرے اختیار میں ہے اس میں برابر کا سلوک کرتا ہوں، لیکن جو میرے بس میں نہیں اس پر ملامت نہ کیجیو!" آپؐ نے طلاق بھی دی ہے، رجوع بھی کیا ہے، ایک مہینہ کے لئے ایلا[1] بھی کیا ہے لیکن ظہار[2] کبھی نہیں کیا۔

تمام ازواج کے ساتھ نہایت ہی اچھا برتاؤ تھا، ہمیشہ خوش خلقی سے پیش آتے، حضرت عائشہؓ کم عمر تھیں، اس لئے انصاری لڑکیاں کھیلنے کے لئے بلا دیتے، اگر وہ کسی ایسی بات کے لئے ضد کرتیں جو نامناسب نہ ہوتی تو فوراً پوری کر دیتے، محبت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ پانی پیتیں تو برتن میں ٹھیک اسی جگہ پر لب مبارک لگا کر باقی پانی خود نوش کر لیتے جہاں ان کے لب لگے ہوتے! اکثر ان کی گود میں ٹیک لگاتے اگر ایام سے ہوتیں تو بھی ان کے زانو پر سر رکھ کے لیٹ جاتے اور قرآن پڑھتے، روزہ کی حالت میں انہیں پیار بھی کرتے۔

---

[1] و [2] ان دونوں لفظوں کے معنی آگے بیان ہونگے۔

ایک مرتبہ مسجد میں حبشی تماشہ کر رہے تھے، آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو دکھایا، اور اسطرح کہ وہ آپؐ کے شانوں پر جھکی کھڑی تھیں۔ دو دفعہ سفر میں مذاقاً ان سے دوڑ بھی کی ہے اور ایک دفعہ گھر سے نکلتے ہوئے دروازہ میں ان سے کشمکش بھی ہوئی ہے۔

قاعدہ تھا کہ سفر میں جانے لگتے تو ازواج میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا، اسی کو ہمراہ لے جاتے۔ حاضرین سے کبھی کبھی فرمایا کرتے "سب سے اچھا آدمی وہی ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا ہو، میں اپنے اہل کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہوں"، دوسری ازواج کی موجودگی میں کبھی کسی ایک کی طرف ہاتھ بھی بڑھاتے۔ عموماً نمازِ عصر کے بعد سب بیویوں کے ہاں ایک ایک کر کے جاتے اور حالات معلوم کرتے۔ جب رات ہو جاتی تو اس بیوی کے گھر تشریف لے جاتے جس کی باری ہوتی، اس بارے میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہ تھی، خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنے جانے اور رہنے سہنے میں ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔

نو بیویوں میں سے آٹھ کی باری ہوتی تھی، کیونکہ حضرت سودہؓ نے کبر سنی کی وجہ سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی، اس لئے ان کے ہاں دو رات رہتے تھے اور باقی سب کے ہاں ایک ایک رات۔ اوّل اور آخر شب جب چاہتے مقاربت کرتے، اگر اوّل شب ہوتی تو کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی صرف وضو پر اکتفا کرتے، کبھی ایک غسل سے تمام ازواج کے ہاں جاتے اور کبھی ہر ایک کے ہاں الگ الگ غسل کرتے۔ جب کبھی سفر سے رات کو لوٹتے تو اُس رات ازواج کے گھر نہ جاتے، اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرماتے[1]

---

[1] یہ اسلیئے، تاکہ عورت کو اپنی تیاری کا موقع مل جائے، رات کو اچانک شوہر کے پہنچ جانے سے عورت کو کلفت ہوتی ہے۔ (مترجم)

سواری

آپؐ کی سواری میں گھوڑے، اونٹ، خچر اور گدھے رہے ہیں، کبھی زین کے ساتھ سوار ہوتے کبھی ننگی پیٹھ پر، اکثر تنہا بیٹھتے، لیکن کبھی آگے یا پیچھے کسی اور کو بھی شریک کر لیتے، عموماً مردوں کو بٹھاتے، کبھی کبھی ازواج مطہرات میں سے بھی کسی کو لے لیتے، سواری زیادہ تر گھوڑے اور اونٹ کی تھی، خچر کا وجود عرب میں کم تھا، اسی لئے جب ایک خچر بطور تحفہ کے آیا اور لوگوں نے عرض کی کہ کیوں نہ گھوڑے اور گدھے سے نسل لی جاوے، تو جواب میں فرمایا "یہ فعل جاہلوں کا ہے"۔

ہتھیار اور گھر گرستی

آپؐ کے پاس نو تلواریں تھیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور "ذوالفقار" تھی، یہ نہایت محبوب تھی، ہمیشہ ساتھ رہتی تھی، اس پر جا بجا چاندی چڑھی ہوئی تھی، سات زرہیں تھیں، چند ڈھالیں تھیں جن میں ایک کا نام "فتق" اور دوسری کا "زلوق" تھا۔ پانچ نیزے تھے۔ تین لوہے کی چھڑیاں (حربے) تھیں، جن میں سے کوئی ایک اکثر ساتھ رہتی تھی، کبھی اسے خود ہاتھ میں لے کر نکلتے، عید کے موقعوں پر کوئی دوسرا لے کر آگے آگے چلتا، اور کبھی بطور سترہ کے سامنے نصب کر کے نماز پڑھتے۔ دو خود تھے، ایک کا نام "موشح" رکھا تھا، اور دوسرے کا "مسبوغ"۔ تین جُبے تھے، جنہیں جنگ کے موقعوں پر زیب تن فرماتے، کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک جُبہ مہین سبز کپڑے کا تھا۔ متعدد زرد، سیاہ، اور سفید جھنڈے تھے۔ ایک چھوٹا سا خیمہ بھی تھا، جس کا نام "کن" تھا۔ ایک خمیدہ جریب تھی جسے لے کر چلتے، اس پر سہارا دے کر اونٹ پر سوار ہوتے اور اونٹ پر سامنے لٹکا دیتے تھے۔ دو پیالے تھے، ایک میں چاندی

کی زنجیر لگی ہوئی تھی، دوسرا شیشہ کا تھا۔ایک تیل دانی تھی، ایک تھیلی تھی جس میں آئینہ، کنگھا، قینچی اور مسواک رہتی تھی۔بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ چارپائی کے پائے لکڑی کے تھے۔ایک بہت بڑا کونڈا تھا، جس کا نام "غزار" تھا، اس میں چار کنڈے لگے ہوئے تھے اور چار آدمی مل کے اٹھاتے تھے۔ ایک فرش تھا، ایک لکڑی کا برتن تھا جو چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا اور آپؐ اس میں رات کو پیشاب کرتے تھے۔

ان چیزوں کے علاوہ آپؐ کی ملکیت میں سَو بکریاں تھیں، جن کی تعداد اس سے زیادہ بڑھنے نہ دیتے، جب کوئی زیادہ بچہ پیدا ہوتا، ایک بکری ذبح کر ڈالتے۔جنگ بدر میں آپؐ کو مال غنیمت میں ابوجہل کا یمنی اونٹ حاصل ہوا تھا، جسکی ناک میں چاندی کی گھنڈی لٹکی ہوئی تھی، حدیبیہ کے موقع پر اسی کو قربانی کے لئے مکہ بھیجا تھا تاکہ مشرکین جلیں۔

صفائی

ہر کام میں یہی پسند تھا کہ داہنی طرف سے شروع ہو، جوتا پہننا، کنگھی کرنا، غسل کرنا، دینا لینا، سب کچھ داہنی طرف سے شروع ہوتا تھا۔اسی طرح داہنا ہاتھ کھانے پینے اور دوسرے کاموں کے لئے تھا، بایاں صرف استنجا اور کثافتوں کے دور کرنے کے لئے تھا۔

حجامت

حجامت کے بارے میں سنت یہ تھی کہ یا تو پورا سر منڈا دیا جائے یا بالکل نہ مونڈا[1]

[1] آپؐ نے عمر بھر صرف ایک مرتبہ سر منڈایا ہے اور وہ بھی حج کے موقع پر، سر پر ہمیشہ بال رہتے تھے، جب کاندھوں تک دراز ہوجاتے تو ترشوا کر کانوں کی لو تک کر دیتے تھے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ سنت سر

جائے۔ آپؐ مونچھ[1] ترشواتے تھے، ترمذی کی حدیث ہے کہ فرمایا "جو مونچھ نہیں کٹاتا وہ ہم میں سے نہیں"۔ صحیح مسلم میں ہے "مونچھیں ترشواؤ، داڑھیاں[2] بڑھاؤ، اس طرح مجوسیوں کی مخالفت کرو" صحیحین میں ہے کہ "مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کم کرو"

خوشبو

آنحضرتؐ کو خوشبو بہت پسند تھی اور اس کا استعمال بکثرت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بقول ایک جماعتِ علماء کے خوشبو کی کثرتِ استعمال سے آپؐ کے بال سرخ ہو گئے تھے اور شبہ ہوتا تھا کہ شاید مہندی کا خضاب کیا گیا ہے۔

(نوٹ بقیہ صہ) پر بال رکھنا ہے، نہ منڈانا، جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ علاوہ اس کے ذوق بھی یہی چاہتا ہے کہ سر پر بال ہوں، منڈا سر نہایت بُرا معلوم ہوتا ہے، انبیاء کا ذوق سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے، اسی لئے ان کے طریقوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جسے ذوق سلیم ناپسند کرے (مترجم)

[1] بہت سے لوگ مونچھیں بالکل منڈا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اتباعِ سنت کر رہے ہیں، حالانکہ سنت میں کہیں بھی مونچھ منڈانا نہیں، بلکہ بعض ائمہؒ نے تو ایسے لوگوں کی تعزیر کا حکم دیا ہے، کیونکہ وہ مونچھیں صاف کر کے اپنے چہروں کو بگاڑتے اور اللہ کی صنعت کو بدنما بناتے ہیں، اور واقعہ میں یہ درست بھی ہے کیونکہ لمبی داڑھی کے ساتھ منڈی ہوئی مونچھیں چہرہ کو اس قدر بدہیئت بنا دیتی ہیں کہ بمشکل انسان اپنی نفرت چھپا سکتا ہے (مترجم)

[2] داڑھی کی درازی کے متعلق سنت میں کوئی تحدید نہیں، "ایک مشت اور انگل" کی ناپ جو مشہور ہو گئی ہے، سنت میں اس کا کہیں ذکر نہیں، درحقیقت یہ چیز بھی انسان کے ذوق سے تعلق رکھتی ہے اور کسی تحدیدی حکم کی محتاج نہیں، کیونکہ ہر انسان اگر ذوق سلیم رکھتا ہے تو جانتا ہے کتنی

جابر بن سمرہؓ سے پوچھا گیا کہ رسولؐ اللہ کے فرق مبارک میں سفید بال تھے؟ جواب دیا صرف چند بال مانگ پر سفید ہو گئے تھے مگر جب تیل لگا لیتے تو چکنائی میں چھپ جاتے تھے۔

بخاری میں ہے کہ کبھی خوشبو واپس نہ کرتے، مسلم میں ہے کہ فرمایا "جس کسی کو پھول پیش کیا جائے، چاہیئے کہ رد نہ کرے کیونکہ وہ اٹھانے میں ہلکا اور سونگھنے میں خوشگوار ہے۔"

گھروں کی صفائی

بزار نے مسند میں روایت کی ہے کہ فرمایا "اللہ طیب ہے، طیب کو پسند کرتا ہے، صاف ہے، صفائی کو پسند کرتا ہے، سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے، اپنے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو گھروں میں ہی کوڑا کرکٹ ڈھیر رکھتے ہیں۔"

(نوٹ بقیہ صـــ) بڑی داڑھی اس کے چہرہ اور قد کے لئے مناسب ہوگی، تمام صحابہؓ کی داڑھیاں برابر نہ تھیں اور نہ کوئی خاص ناپ تھی جس سے داڑھیاں ناپی جاتی ہوں۔ لہذا اس معاملہ میں زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہیئے اور لوگوں کو ان کے ذوق پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے، بہت سے لوگ "خط بنواتے ہیں، یعنی رخسار، ہونٹ اور گلے کے بال منڈاتے ہیں جو بلاشک "داڑھی" کے اندر داخل ہیں، یہ طریقہ بھی مسنون نہیں، معلوم نہیں یہ رسم کیونکر پھیل گئی؟ حالانکہ اس سے بھی چہرہ بدنما ہو جاتا ہے، اسی طرح گدی پر کے بال منڈانے سے بھی بدنمائی پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان کے لئے زیبا نہیں کہ اپنی صورت بگاڑے، خدا جو خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے" ہرگز بدوضعی اور بدہیئتی سے خوش نہیں ہوتا! (مترجم)

حدیث میں ہے کہ "ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر ساتویں دن ضرور غسل کرے، اور خوشبو میسر ہو تو استعمال کرے۔"

مسواک

آپؐ کو مسواک بھی بہت مرغوب تھی، روزہ سے ہوں یا بے روزہ جب بیدار ہوتے، یا وضو کرتے، یا نماز کے لئے کھڑے ہوتے، یا گھر میں جانے لگتے تو مسواک ضرور کرتے۔

صحیحین میں ہے کہ "اگر اُمّت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز پر مسواک کرنے کا حکم دیتا" بخاری میں (تعلیقاً) ہے "مسواک منہ کی صفائی اور پروردگار کی خوشنودی ہے!"

مسواک کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں، قطع نظر اس کے اس میں بے شمار فوائد بھی ہیں، وہ منہ کو صاف کرتی ہے، مسوڑھے مضبوط کرتی ہے۔ دانتوں کے خلا اور سوراخوں کو دور کرتی ہے، قرأۃ قرآن اور ذکر الٰہی کی ترغیب دیتی ہے۔

مسواک ہر حال میں مستحسن ہے خصوصاً وضو اور نماز کے وقت تو ضروری قرار دی گئی ہے، منہ کی بدبو کا زائل کرنا ہر وقت اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے، عام اس سے کہ روزہ سے ہو یا بے روزہ، روزہ دار کے لئے تو مسواک اور بھی زیادہ ضروری ہے، کیونکہ خلوِ معدہ کی وجہ سے اس کے منہ میں بُو زیادہ ہو جاتی ہے، خود آنحضرتؐ کا بھی اس پر عمل تھا۔

روزہ اور مسواک

چنانچہ سنن میں عامرؓ بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ کو روزہ

کی حالت میں بے شمار مرتبہ مسواک کرتے دیکھا ہے۔ البتہ بخاریؒ نے ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ روزہ دار کو دن کے اوّل اور آخر حصہ میں مسواک نہ کرنا چاہیئے۔

لیکن تمام امت کا اجماع ہے کہ روزہ دار جب چاہے کُلّی کر سکتا ہے، حالانکہ کلی مسواک سے زیادہ دہن کو تری پہنچاتی ہے۔ بدبو سے روزہ دار کا ثواب نہیں بڑھتا، اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ لوگ بدبو دار منہ لے کر اس کی عبادت کریں؟

بلاشبہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا کو روزہ دار کے منہ کی بُو بھلی معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصداً منہ میں بُو باقی رکھی جائے، یہ تو صرف روزہ کی ترغیب کے لئے فرمایا گیا ہے اور قیامت کے دن ہو گا نہ کہ دنیا میں۔ قیامت میں روزہ دار کے منہ کی بُو اسی طرح مشک سے بہتر ہو گی جس طرح اس دن مجاہد کے زخموں کا خون رنگ میں تو خون کی طرح لال ہو گا، مگر اپنی بُو میں مشک کی طرح ہو گا، حالانکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں مجاہد کو اپنے جسم سے خون ضرور دور کرنا چاہیئے، یہی حال روزہ دار کے دہن کی بو کا بھی ہے۔ پھر مسواک سے روزہ کی اصلی بُو دور بھی نہیں ہو سکتی، جب تک معدہ خالی ہے بُو ضرور باقی رہے گی، بلکہ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ دانتوں اور مسوڑھوں پر کی کثافت دور ہو جائے اور منہ سے بُو نہ اڑے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام باتیں اُمّت کو بتا دی ہیں جن سے روزہ مکروہ ہوتا ہے، مگر مسواک کا ان میں کہیں ذکر نہیں، حالانکہ آپؐ کو معلوم تھا کہ لوگ مسواک کرتے ہیں اور کریں گے اور خود آپؐ بہت زیادہ وسیع الفاظ میں اس کے استعمال کی ترغیب دلایا کرتے تھے، لیکن آپؐ نے کبھی نہیں فرمایا کہ روزہ میں مسواک اس وقت نہیں، اس وقت کرو۔[1]

---

[1] اس بیان سے معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ کو صفائی کا کتنا خیال تھا، اب مسلمان سوچیں کہ ان کی

قضائے حاجت

جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ الرِّجْسِ النِّجْسِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ — الٰہی! مجھے اپنی پناہ میں رکھ خبث سے خبائث سے، نجس شیطان رجیم سے۔

جب فارغ ہو کر لوٹتے تو فرماتے: "غُفْرَانَکَ" (تیری مغفرت مطلوب ہے)۔

(نوٹ بقیہ صفحہ) حالت کیا ہے؟ کہا جا سکتا ہے کہ بحیثیت مجموعی موجودہ زمانہ میں مسلمان شاید دنیا کی کثیف ترین قوم ہیں۔ عوام سے زیادہ علمائے کرام کو صفائی کی جانب توجہ کرنا چاہیئے۔ طہارت کے معنی صرف یہ نہیں کہ انسان صحیح طور پر استنجا کر لیا کرے یا غسل جنابت میں دو لوٹے اوپر انڈیل لے، بلکہ طہارت سے مقصود جسم اور لباس کی میل کچیل اور بو سے پاکی ہے، جس کی وجہ سے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں بہت کمی ہے مسلمانوں کی مجلسوں اور مسجدوں میں ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اس حالت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں کہ ان کے کپڑوں سے سخت تعفن آتی ہے، اکثر مسلمان جمعہ سے پہلے غسل ہی نہیں کرتے اور نہ کپڑے بدلتے ہیں اگرچہ کتنے ہی میلے ہو جائیں، اسی کثافت کا نتیجہ ہے کہ ہمارا دل و دماغ بھی کثیف اور سست ہو گیا ہے اور اگلی سی نشاط و ہمت باقی نہیں۔ مسواک کا بیان پڑھ چکے ہو، مگر ہماری حالت کیا ہے؟ بہت سے لوگ بالکل دانت صاف ہی نہیں کرتے، بہت سے اوپر اوپر مسواک کر لیتے ہیں منہ کے اندر صفائی کی ضرورت نہیں سمجھتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منہ سے سخت تعفن آتی ہے اور ساتھ بیٹھنے والا پریشان ہو جاتا ہے، خصوصاً مساجد میں جبکہ صفیں کھڑی ہوتی ہیں اور لوگ بے پروائی سے جمائیاں لیتے ہوتے ہیں تو اس قدر بو پھیلتی ہے کہ سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ جب ہمارے منہ اور جسم کی یہ حالت ہے تو مکانوں کی صفائی کا سوال ہی فضول ہے، کتنے مسلمان ہیں جن کے مکان ان یہودیوں کے سے نہیں جن کے مثل ہونے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ (مترجم)

کبھی پانی سے استنجا کرتے، کبھی پتھر سے اور کبھی دونوں سے۔ جب سفر میں ہوتے تو قضائے حاجت کے لئے دور چلے جاتے، یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے، کبھی کوئی آڑ سامنے رکھ لیتے، کبھی جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ میں بیٹھتے، اگر سخت زمین پر پیشاب کرنا ہوتا تو چھینٹیں اڑنے کے خوف سے پہلے کسی لکڑی سے کُرید کے زمین نرم کر لیتے۔

عموماً بیٹھ کے پیشاب کرتے، لیکن امام مسلمؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے آپؐ نے کھڑے کھڑے بھی پیشاب کیا ہے۔ مگر یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے جب کہ ایک گڑھے کی طرف سے گزرے اور جگہ کے بے موقع ہونے کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے پر مجبور ہوئے۔ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد بھی قرآن پڑھتے تھے۔

استنجا ہمیشہ بائیں ہاتھ سے کرتے تھے[1] اور اُن باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کرتے تھے جو عموماً شکی لوگ کیا کرتے ہیں۔ پیشاب کرتے ہوئے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔

---

[1] اس بارے میں متداول کتب فقہ میں بڑی بڑی بحثیں لکھی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی شرطیں بیان کی گئی ہیں جن کے بغیر بقول اُن کے استنجا درست نہیں ہوتا پھر ان لوگوں نے جو اپنے کو پرہیزگار کہتے ہیں عجیب عجیب طریقے اس کے لئے اختیار کر رکھے ہیں جنہیں کبھی "احتیاط" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی لازمۂ طہارت قرار دیتے ہیں، اور جو ان کی پیروی نہ کرے، اسے غیر متقی یا مذہب سے بے پروا سمجھتے ہیں، حالانکہ سنّتِ نبویؐ میں اُن کے ان توہمات کا کہیں پتہ نہیں، پھر سب سے زیادہ عجیب بات اس باب میں وہ ہیئتِ استنجا ہے جو ڈھیلا کرنے والوں نے ضروری قرار دے رکھی ہے یہ لوگ ڈھیلا لے کر دیر تک ٹہلتے ہیں، کھکارتے ہیں، ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ کے آگے جھکتے ہیں اور اپنے شرمناک منظر کے ساتھ بلا کسی حیا کے راستوں، بازاروں اور مسجدوں میں

صحیح مسلم میں ابن عمرؓ کا قصہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ پیشاب کر رہے تھے، ابن عمرؓ ادھر سے گزرے اور سلام کیا، آپؐ نے انہیں جواب تو دے دیا مگر فراغت کے بعد فرمانے لگے "میں نے صرف اس خیال سے جواب دے دیا ہے کہ تمہیں یہ خیال نہ گزرے کہ تمہارے سلام کا جواب میں نے نہیں دیا لیکن آئندہ سے خیال رکھو کہ جب اس حالت میں ہوں تو سلام نہ کرنا، کیونکہ جواب نہیں دونگا"

استنجا کے بعد زمین پر ہاتھ مارتے تھے۔ جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے تو اُس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے جب تک زمین سے بالکل قریب نہ ہو جاتے۔

چلنا، بیٹھنا اور ٹیک لگانا

ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے زیادہ تیز رفتار[1] میں نے کسی کو نہیں دیکھا، جب چلتے تو معلوم ہوتا کہ زمین سامنے سے تہہ ہوتی چلی جاتی ہے، ہم دوڑتے دوڑتے خستہ ہو جاتے تھے، مگر آپؐ کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ آنحضرتؐ جب چلتے تو اس طرح چلتے گویا ڈھلوان پہاڑی پر سے اتر رہے ہیں۔

دستور تھا کہ جب صحابہؓ ساتھ ہوتے تو انہیں آگے کرتے اور خود پیچھے چلتے اور فرماتے "مجھے ملائکہ کے لئے اپنے پیچھے رہنے دو" آپ جوتا پہن کے بھی چلتے اور برہنہ پاؤں، بھی

(بقیہ صفحہ) دیکھے جاتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ طریقہ سخت شرمناک اور مذموم ہے، جلد سے جلد اس کا ازالہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس سے دوسروں کو استہزاء بالدین کا موقع ملتا ہے۔ (مترجم)

[1] ہمارے [redacted]ں بہت سے لوگ خراماں خراماں چلنے کو علامات زہد و اتقا سے قرار دیتے ہیں، اللہ تم کا رسولؐ اور صدر اوّل کے مسلمان ہمیشہ چاق چوبند رہتے اور سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے، یہ جیبز

بعض غزوات میں چلے جا رہے تھے کہ انگشت مبارک میں زخم آگیا اور خون بہنے لگا اس پر یہ شعر زبان مبارک پر رواں ہوا۔

هل انت الا اصبع دميت وفی سبیل الله مالقیت!

(تو کیا ہے؟ صرف ایک انگلی ہی تو ہے جو زخمی ہو گئی ہے، اللہ کی راہ میں تجھے یہ سعادت نصیب ہوئی ہے!)

سفر میں اپنے صحابہؓ کا موخرۃ الجیش خود ہوتے، کمزوروں کو سہارا دیتے، پیدل چلنے والوں کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے، ان کے حق میں دعا فرماتے۔

نشست میں بھی کچھ اہتمام نہ تھا کبھی فرش پر بیٹھتے، کبھی چٹائی پر اور کبھی خود زمین ہی پر۔ جب عدیؓ بن حاتم آئے تو آپؐ انہیں اپنے گھر لے گئے، کنیز نے وہ گدّا لا کر ڈال دیا جس پر اکثر بیٹھا کرتے تھے، مگر اس پر تنہا بیٹھنا گوارا نہ کیا اور اپنے اور عدیؓ کے بیچ میں رکھ کر خود زمین پر رونق افروز ہو گئے۔

عدیؓ کہتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر بہت اثر پڑا اور میں جان گیا کہ "یہاں بادشاہی نہیں ہے!"

لیٹنے میں بھی کوئی خاص اہتمام نہ تھا کبھی کبھی ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ لیا کرتے تھے۔ تکیہ سے ٹیک بھی لگاتے تھے، کبھی داہنی سمت اور کبھی بائیں سمت، اگر ضرورت پڑتی تو کمزوری کے باعث کبھی کسی صحابی پر بھی ٹیک لگا لیتے تھے۔

(نوٹ بقیہ صفحہ) ان کے خیال میں مانع زہد نہ تھی، لیکن آج اُن سے زیادہ پرہیزگار بن گئے ہیں اور اس زندگی کو دنیاداروں کی زندگی قرار دیتے ہیں، یہ سچ ہے جب پستی آتی ہے تو کسی چیز کو بھی عام اس سے کہ دنیا ہو یا دین اچھوتے نہیں دیتی آج مسلمانوں کا دین بھی اتنا ہی پست ہو رہا ہے جتنی ان کی دنیا! خدایا رحم کر! (مترجم)

گفتگو، خاموشی، ہنسی، رونا

آپؐ ازحد فصیح اور شیریں بیان تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، تمہاری طرح بڑبڑاتے نہ تھے۔ ٹھیر ٹھیر کر بولتے اور ایک ایک فقرہ اس طرح الگ الگ کر کے کہتے کہ مخاطب پوری طرح گفتگو یاد کرلیتا۔ اکثر جملہ کو تین مرتبہ دہراتے تاکہ خوب ذہن نشین ہوجائے۔

ہمیشہ خاموش رہتے، بلا ضرورت کبھی نہ بولتے، جب بولتے تو منہ بھر کے بولتے، کٹے پھٹے لفظ نہیں بلکہ صاف صاف اور پورے پورے لفظ بولتے تھے۔ زبان پر ہمیشہ جوامع الکلم جاری ہوتے تھے، بچے تُلے لفظ ہوتے تھے، مطلب سے ایک لفظ بھی کم زیادہ نہ ہوتا تھا۔

اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور مخاطب سمجھ جاتا کہ یہ بات بُری معلوم ہوئی ہے۔ بدخلقی، سخت کلامی، فحش گوئی اور شور وغل کا وہاں گزر نہ تھا۔

ہنسی بس یہاں تک تھی کہ لبوں پر مسکراہٹ ظاہر ہوجاتی، اگر بہت زیادہ ہنستے تو باچھیں کھُل جاتیں، وہاں قہقہے نہ تھے۔ آپؐ کو بھی انہیں باتوں سے ہنسی آتی تھی جن سے سب ہنستے ہیں۔

اسی طرح رونا بھی تھا، داڑھیں مارنا، یا ہچکیوں سے رونا نہ ہوتا تھا، صرف آنکھوں سے آنسو ڈبڈبا آتے تھے، اگر بہت ہوا تو آنکھیں اشکبار ہوجاتیں اور گریہ کی آواز سینہ سے نکلتی معلوم ہوتی۔ آپؐ کا رونا کبھی میت کے لئے ہوتا، کبھی اپنی اُمت کیلئے کبھی خشیتِ الٰہی سے، کبھی قرآن سننے سے جس میں شوق، محبت، خوف اور خشیت کی آمیزش ہوتی۔

جب آپؐ کے فرزند ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں اور زبان سے صرف اس قدر فرمایا:

تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ "

آنکھ روتی ہے، قلب رنجیدہ ہے لیکن ہم کہیں گے جس سے پروردگار راضی ہو، ابراہیم! تیرے لئے ہم غمزدہ ہیں!

اسی طرح اپنی ایک صاحبزادی کو حالتِ نزع میں دیکھ کر روئے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۂ نساء سنائی اور جب آیت:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا " (۴ : ۴۱)

پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک احوال کہنے والا بلا دیں گے اور تجھ کو ان لوگوں پر احوال کہنے والا بلا لیں گے۔

پر پہنچے تو رقت طاری ہوگئی۔ ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو آپؐ نے صلاۃ الکسوف پڑھی اور نماز میں بہت روئے۔ رات کی نمازوں میں اکثر کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی اور آپؐ رویا کرتے تھے۔

مرغوبات و مکروہات

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا "جس بندہ کو اللہ کی طرف سے نعمت حاصل ہوئی عام اس سے اہل و عیال میں ہو یا مال و متاع میں، اور اس نے کہا "مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ " تو اس پر موت کے سوا کوئی مصیبت نہ آئیگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ

جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا کیوں نہ کہا

شاء اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ" یہ اللہ کی مشیئت ہے اور بجز خدا کے ہاں کے کوئی طاقت نہیں"

حدیث میں ہے کہ رُویائے صالحہ اللہ کی طرف سے ہے اور بُرے خواب شیطان کی
رف سے، پس جو کوئی بُرا خواب دیکھے تو چاہیئے کہ بائیں جانب تھوک دے، شیطان سے
اہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے، لیکن اگر اچھا خواب دیکھے تو چاہیئے کہ خوش ہو اور
س سے چاہے بیان کرے"

★

فصل ۴
عملی زندگی

گھر میں کس طرح داخل ہوتے تھے؟

گھر میں اس طرح داخل ہوتے کہ گھر والوں کو پیشتر سے اطلاع ہو جاتی، اچانک نہ گھس جاتے کہ لوگ بے خبری کے عالم میں ہوں۔ جب اندر پہنچتے تو سلام کرتے، پھر کبھی فرماتے "تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟" اور کبھی خاموش رہتے یہاں تک کہ ماحضر پیش کر دیا جاتا۔

ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے حضرت انسؓ سے فرمایا "جب گھر میں جاؤ تو سلام کر و تاکہ اللہ کی برکت تم پر اور تمہارے اہل و عیال پر نازل ہو۔" اور فرمایا "جب آدمی گھر آتا ہے اور اندر جاتے اور کھانے پر بیٹھتے ہوئے اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے اب میرے لیے یہاں رہنا اور کھانا نہیں، لیکن اگر اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے لو میرے لئے شب باشی کا سامان ہو گیا، پھر اگر کھانے پر بھی خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے اب مجھے کھانا بھی مل گیا۔" (مسلم)

گھر میں آنے کیلئے اجازت چاہنا

جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو سیدھے دروازہ کے سامنے نہ آجاتے بلکہ دائیں یا بائیں پہلو سے آتے اور فرماتے "السلام علیکم"۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا

تب کسی کے گھر جاؤ تو اندر جانے کے لئے تین مرتبہ اجازت طلب کرو، اگر مل جائے داخل ہو ورنہ واپس چلے آؤ۔"

ایک مرتبہ ایک شخص آپؐ کے حجرہ میں سوراخ سے جھانک رہا تھا، آپؐ اٹھے اور س کی آنکھ پھوڑ ڈالنے کا ارادہ کر لیا، پھر فرمایا "اگر کوئی بغیر اجازت تمہیں جھانکے اور تم نکری مار کے اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو تو یہ کوئی الزام کی بات نہیں"، نیز فرمایا "جو کوئی کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانکے اور صاحب خانہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو نہ دیت ہے نہ صاص۔" ایک شخص حاضر ہوا اور اندر آنا چاہا، آپؐ نے فرمایا "کہو السّلام علیکم، کیا س آؤں؟"[1]

خطبہ

آپؐ نے زمین پر کھڑے ہو کر بھی خطبہ دیا ہے، منبر پر سے بھی اور اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر بھی۔ جب خطبہ دیتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، غیظ و غضب زحد بڑھ جاتا، اور ایسا معلوم ہوتا گویا کسی فوج کو للکار رہے ہیں۔

خطبہ اس طرح شروع فرماتے تھے: امّا بعد

فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔	سب سے بہتر گفتگو کتاب اللہ ہے، سب سے بہتر ہدایت محمدؐ کی ہدایت ہے، سب سے بری چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

---

[1] یہ اسلامی ادب تو مسلمانوں سے تقریباً مفقود ہو گیا ہے، لوگ دوسروں سے ملنے آتے ہیں اور اگر دروازہ پر دربان موجود نہ ہو تو بلا تکلف اندر چلے آتے ہیں، اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھتے، گویا خود اپنا گھر ہے۔ (مترجم)

ہر خطبہ حمد وثنا سے شروع کرتے تھے. بہت سے فقہاء کا یہ کہنا کہ خطبۂ استسقا حمد کے بجائے استغفار سے، اور خطبۂ عید تکبیر سے شروع کرنا چاہیئے، بلا دلیل دعویٰ ہے. سنّتِ نبویؐ میں اسکا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ عمل نبوی اس کے سراسر خلاف ہے. آپؐ ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے.

مراسیلِ عطا میں ہے کہ جب منبر پر کھڑے ہو جاتے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" شعبی کا قول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی سُنّت بھی یہی تھی۔ بسا اوقات خطبہ صرف قرآن سے مرکب ہوتا تھا، صحیح مسلم میں اُم ہشامؓ بنتِ حارثہ کی روایت ہے کہ سورہ قاف میں نے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے سُن سن کے یاد کی ہے، کیونکہ آپؐ ہر جمعہ میں اسے منبر پر بطور خطبہ کے پڑھا کرتے تھے۔

ابوداودؒ کی روایت ہے کہ خطبہ میں جب شہادت پر پہنچتے تو یوں فرماتے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ	حمد اللہ کے لئے ہے، ہم اسی سے اعانت و
وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ	مغفرت چاہتے، اور اپنے نفسوں کے شر سے اسی
یَّھْدِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ	سے پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ ہدایت یاب کرے اس
فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ	کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے اُدھر سے
اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ،	ہدایت نہ ملے اُسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں میں
اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا	شہادت دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود
بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ	نہیں اور یہ کہ محمد محض اسکا ایک بندہ اور رسول ہے
وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا	جسے اس نے قربِ قیامت پر بشارت دینے والا اور
فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَہٗ وَلَا یَضُرُّ	ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے جس نے اللہ اور اس کے

اللّٰہَ شَیْئًا ۔ | رسولؐ کی اطاعت کی، ہدایت پائی، اور جو ان
دونوں کا نافرمان ہوا وہ خود اپنے تئیں نقصان
پہنچائیگا، اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔

خطبہ کا موضوع، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، اس کے اوصاف وکمالات کا بیان، اصولِ اسلام کی تعلیم، حالاتِ جنت، دوزخ کی تشریح، تقوائے الٰہی کی ہدایت اور خدا کی ناراضی وخوشنودی کے اسباب کی تفصیل ہوتا تھا۔ ہر موقع پر خطبہ کے مطالب ایسے ہوتے جو مخاطبین کی حالت وضرورت کے مناسب[1] ہوتے۔

آپؐ نے کوئی خطبہ نہیں دیا جس میں شہادت کے دونوں کلموں کا اعادہ اور اپنے خاص نام (محمدؐ) کا ذکر نہ کیا ہو۔ خطبہ کبھی طویل ہوتا تھا، کبھی مختصر، عید کے موقعوں پر عورتوں کے لئے علیحدہ خطبہ دیتے، جس میں انہیں صدقہ کی ترغیب دلاتے۔ خطبہ دیتے وقت کبھی عصا پر ٹیک دیتے اور کبھی کمان پر۔

نام

الفاظ معانی کے قالب ہیں، اسم اور مسمّٰی میں ضرور کوئی معنوی مناسبت ہوتی ہے اسی لئے آپؐ ہمیشہ اچھے نام پسند فرماتے اور برے نام رکھنے سے روکتے تھے۔ حدیث میں

---

[1] ہندوستان میں خطبۂ جمعہ محض رسماً ہوتا ہے، اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا، خطیب اسے قرآن کی طرح قرأۃ کے ساتھ اور گا گا کے پڑھ جاتا ہے اور سامعین بیٹھے اونگھا کرتے ہیں، ایسے خطبہ سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟ پھر خود یہ مطبوعہ خطبے اعلیٰ مطالب سے خالی ہیں اور بجز رکیک قافیہ بندی کے ان میں کچھ نہیں۔ کاش عربی خطبہ کے ساتھ یا مستقل طور پر خطیب اردو میں تقریر کرے اور وہ باتیں بتائے جن سے قوم کی حالت سدھرے! (مترجم)

ہے کہ فرمایا "خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام: عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، سب سے زیادہ درست نام: حارث (ہابر یا کاشتکار) اور ہمام (شجاع - سخی) ہیں، سب سے مکروہ نام: حرب (جنگ) اور مُرۃ (تلخ) ہیں" نیز فرمایا "اپنے غلام کا نام یسار (نرمی - کشادگی) رباح (نفع) نجیح (کامیاب) نہ رکھو، کیونکہ کبھی اس کا نام لے کر پکارو گے کہ فلاں وہاں ہے؟ اگر وہ نہ ہوا تو جواب ملے گا نہیں!

اسی طرح آپؐ نے عاصیۃ (نافرمان) کا نام یہ فرما کر بدل دیا کہ "تو عاصیہ نہیں جمیلہ ہے" اس بارے میں اس قدر خیال تھا کہ حکم دے دیا تھا کہ آپؐ کے پاس ڈاک لانے والے اچھی صورت اور اچھے نام[1] کے لوگ ہوں۔ آپؐ کا دستور تھا کہ لوگوں کی کنیت رکھ دیا کرتے تھے عام اس سے کہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ کی کنیت "ابوالحسن" اور صہیبؓ کی "ابویحییٰ" مقرر کر دی تھی۔

سلام

صحیحین میں ہے کہ فرمایا "سب سے افضل اور سب سے بہتر اسلام یہ ہے کہ آدمی مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ہر کس و ناکس کو سلام کرے" صحیح بخاری میں ہے: "تین باتیں جس کسی میں جمع ہو گئیں ایمان جمع ہو گیا: اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا، سب کو سلام کرنا، تنگی میں خدا کے نام پر خرچ کرنا"

---

[1] ہندوستان میں مسلمانوں نے عربی یا عربی ساخت کے نام ضروری قرار دے کر اپنے آپ کو مضحکہ بنا لیا ہے۔ بکثرت نام بے معنی ہوتے ہیں، جیسے تاج الدین، شمس الدین، محمد دین، دین محمد، اللہ محمد وغیرہ۔ بہت سے نامہذب ہوتے ہیں، مثلاً طب علی، سرک محمد، قرب محمد، وغیرہ۔ پھر چند سو نام ہیں جو الٹ پلٹ کر رکھے جاتے ہیں۔ اس معاملے میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔ (مترجم)

ایک مرتبہ لڑکوں کے ایک گروہ کی طرف سے گزرے تو انہیں سلام کرنے میں پیشقدمی کی (مسلم)۔ اسی طرح ایک دن عورتوں کی طرف گزر ہوا تو انہیں اشارہ سے سلام کیا (ترمذی)۔

صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا "چھوٹا بڑے کو سلام کرے، راستہ جانے والا بیٹھے ہوئے کو، سوار پیدل کو، چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو"۔

آپ کی سنّت تھی کہ جب مجلس میں آتے تو سلام کرتے اور جب جاتے تو سلام کرتے۔ حدیث میں ہے "مجلس میں آؤ تو سلام کرو، جانے لگو تو سلام کرو، یاد رکھو کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے فضیلت میں زیادہ نہیں ہے" اور فرمایا "اگر کوئی سلام سے پہلے کچھ پوچھے تو جواب مت دو"۔

آپ کا سلام "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ" تھا، اور سلام کا جواب "وَعَلَیْکَ السَّلَامُ[1]"

ہمیشہ زبان سے جواب دیتے، ہاتھ یا انگلی کے اشارہ، یا سر کی حرکت سے کبھی جواب نہ دیتے، البتہ نماز کی حالت میں اشارہ سے جواب دے دیتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ اور جابرؓ وغیرہ کی روائتوں سے ثابت ہے۔ ایک مرتبہ ایسی مجلس کی طرف گزر ہوا جس میں مسلمان اور مشرک دونوں ملے جلے بیٹھے تھے، آپؐ نے ان سب کو سلام کیا۔

جب کوئی کسی دوسرے کا سلام آکر پہنچاتا تو سلام کرنے والے اور پہنچانے والے دونوں کو جواب دیتے تھے۔

اگر کوئی بڑی خطا کرتا تو اس سے صاحب سلامت بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ

---

[1] یہ ایک کے لئے ورنہ جماعت کے لئے و علیکم السّلام۔

توبہ کرلے جیسا کہ کعبؓ بن مالک اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا اور جیسا کہ حضرت زینبؓ سے دو مہینہ ترکِ کلام کر دیا تھا کیونکہ آپؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ حضرت صفیہؓ کو اپنا اونٹ دے دیں مگر انہوں نے جواب سختی سے دیا، کہنے لگیں "ہاں میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ ضرور دے دونگی!" (ابوداؤد)

چھینک

ابوداؤد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آپؐ چھینک لیتے تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے جس سے یا تو آواز بالکل دب جاتی یا بہت کم ہو جاتی۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا "اونچی جمائی اور بلند چھینک شیطان کی طرف سے ہے، اللہ ان دونوں کو ناپسند کرتا ہے"۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کے سامنے چھینک لی۔ آپؐ نے قاعدہ کے مطابق "یرحمك الله" کہا، ذرا دیر بعد پھر چھینک لی تو یرحمک اللہ نہ کہا بلکہ فرمانے لگے "اِسے زکام ہے"۔

حدیث صحیح میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ چھینک کو دوست رکھتا ہے اور جمائی سے نفرت کرتا ہے، جب چھینک آئے تو "الحمد لِلّٰہ" کہا کرو، دوسرے کو چھینکتے اور یہ کہتے سنو تو یرحمك الله کہو۔ لیکن جمائی شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا حتی الوسع روکو کیونکہ جب انسان منہ پھاڑ کے جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے"۔ (بخاری) نیز فرمایا "جب چھینک آئے تو الحمد للہ کہو، سننے والا یرحمك الله کہے، تم جواب میں "یھدیکم الله ویصلح بالکم" کہو" (بخاری)

صحیح مسلم میں ہے "مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب باہم ملو تو سلام کرو، دعوت قبول کرو، نصیحت چاہے تو نیک نصیحت کرو، چھینک لے کر الحمد للہ کہے

تو یرحمک اللہ کہو، بیمار ہو جائے تو عیادت کرو، مرجائے تو جنازہ میں ساتھ جاؤ۔"

خواب اور بیداری

کبھی بستر پر سوتے، کبھی چٹائی پر، کبھی چارپائی پر، کبھی زمین پر۔ بستر کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوتے تھے۔ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو فرماتے:

بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَحْيَا وَاَمُوْتُ۔"	الٰہی! تیرے ہی نام پر میرا جینا اور میرا مرنا ہے۔"

دائیں کروٹ پر لیٹتے، دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھتے، پھر فرماتے:

اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ	الٰہی! جس دن بندے جلائے جائیں، مجھے اپنے عذاب سے بچائیو!

جب بیدار ہوتے تو فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔	خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی طرف پھر لوٹ کے جانا ہے۔

پھر مسواک کرتے۔

دستور تھا کہ اوّل رات ہی میں سو جاتے اور پچھلے پہر سے اٹھ بیٹھتے، لیکن اگر مسلمانوں کے کچھ کام رات ہی میں کرنے کے ہوتے تو دیر میں سوتے۔

آپ کی آنکھیں سوتی تھیں مگر قلب ہمیشہ بیدار رہتا تھا، اسی لئے جب سو جاتے تو کوئی نہ اٹھاتا یہاں تک کہ خود اٹھ جاتے۔

*

فصل ۵

حکومت کی زندگی

آپؐ کے محرّر

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، عامرؓ بن فہیرہ، عمروؓ بن العاص، ابی ابن کعب عبداللہؓ بن الارقم، ثابتؓ بن قیس، حنظلہؓ بن الربیع، مغیرہؓ بن شعبہ، عبداللہؓ بن رواحہ خالدؓ بن الولید، خالدؓ بن سعید بن العاص، معاویہؓ بن ابی سفیانؓ زیدؓ بن ثابت۔ (خاص طور پر زیدؓ ہی کتابت کرتے تھے)

آپؐ کی شرعی تحریریں

صدقات کے بارے میں آپؐ کی ایک تحریر حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھی جسے انہوں نے انس بن مالکؓ کو بحرین بھیجتے وقت نقل کرکے دیا تھا۔ آپؐ نے ایک تحریر اہل یمن کو بھیجی تھی جسے ابن حزم، حاکم اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے، یہ ایک عظیم الشان تحریر ہے جس میں بہت سے مسائل آگئے ہیں۔ آپؐ نے ایک تحریر قبیلۂ زہیر کو روانہ کی تھی۔ زکوٰۃ کے باب میں آپؐ کی تحریر حضرت عمرؓ کے پاس تھی۔

خطوط اور قاصد

حدیبیہ سے واپس آکر بادشاہوں کے نام خطوط لکھے اور قاصدوں کے ہاتھ روانہ

کیئے۔ شاہِ روم کا خط جب لکھا جاچکا تو لوگوں نے عرض کیا کہ بادشاہ بغیر مہر کئے خط قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ مہر تیار کرائی۔ مُہر میں تین سطریں کندہ تھیں: سب سے نیچے "محمدؐ" کی سطر تھی، اس کے اوپر "رسول" کی، اور سب سے اوپر "اللہ" کی۔ خطوں پر مہر کر دی گئی، اور ماہ محرم ۷ھ میں ایک ہی دن چھ قاصد، چھ بادشاہوں کی طرف روانہ ہوئے:

(۱) عمرو بن امیۃ الضمری، شاہ حبش نجاشی[1] کے دربار میں گئے۔ جس کا نام "اصحمہ" (جس کا ترجمہ عربی میں "عطیہ" یعنی بخشش ہے) تھا، اور انجیل کا جید عالم تھا، اس نے رسول اللہؐ کے خط کی از حد تعظیم کی اور مشرف باسلام ہوا۔ اسی لئے اس کے انتقال کے دن آنحضرتؐ نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی اور مغفرت کی دعا مانگی۔ یہ ایک گروہ کا خیال ہے جس میں ابن سعد و واقدی وغیرہ شامل ہیں، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ جس نجاشی پر آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی وہ، وہ نہ تھا جسے خط بھیجا تھا، جیسا کہ امام مسلمؒ نے اپنی "صحیح" میں روایت کی ہے کہ: رسول اللہؐ نے قیصر، کسریٰ اور نجاشی کو خطوط لکھے، لیکن یہ نجاشی وہ نہیں ہے جس کے جنازہ کی نماز آپؐ نے پڑھی تھی۔ "محمد ابن حزمؒ" کی رائے اس بارہ میں صحیح ہے کہ جس نجاشی کے دربار میں آنحضرت کا قاصد گیا تھا وہ اسلام نہیں لایا۔

(۲) دحیہ بن خلیفۃ الکلبیؓ قیصر روم کے دربار میں گئے، جس کا نام ہرقل تھا اور باوجود اسلام سے قریب ہوجانے کے اس سعادت سے محروم رہا۔ ابوحاتمؒ و ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں حضرت انسؓ سے یہ قصہ یوں روایت کیا ہے کہ "جب آنحضرتؐ قیصر روم کو خط بھیجنے لگے تو حاضرین سے فرمایا "کون ہے جو میرا یہ خط قیصر کے پاس لے جائے اور معاوضہ

---

[1] حبش کے بادشاہوں کا لقب "نجاشی" ہوتا تھا، جیسے شاہانِ روم کا "قیصر" (مترجم)

میں جنت لے؟" ایک شخص نے سوال کیا "اگرچہ وہ منظور نہ کرے؟" فرمایا "اگرچہ وہ منظور نہ کرے"۔ چنانچہ دحیہؓ خط لے کر روانہ ہو گئے۔ قیصر بیت المقدس کی زیارت کے لئے آرہا تھا راستہ میں ملاقات ہو گئی، انہوں نے خط، فرش پر سامنے پھینک دیا اور خود ایک جانب ہو گئے۔ قیصر نے پکار کے کہا "خط کون لایا ہے؟ سامنے آئے، میں پناہ دیتا ہوں"۔ دحیہؓ سامنے آگئے اور کہا "میں لایا ہوں"۔ قیصر نے کہا "جب قیام کروں حاضر ہونا"۔ روایت ہے کہ پھر دحیہؓ پہنچے، قیصر نے محل کے پھاٹک بند کرا دیئے اور حکم دیا کہ منادی کر دو: قیصر نے عیسائیت سے منہ موڑا اور محمدؐ کی پیروی قبول کر لی"! یہ سنتے ہی لوگ ہتھیار اٹھا کر دوڑ پڑے اور محل کا محاصرہ کر لیا۔ قیصر نے دحیہؓ سے کہا "تم نے دیکھا! مجھے اپنی بادشاہی کا خوف ہے"۔ پھر اعلان کرایا: "لوگو! قیصر تم سے راضی ہو گیا"، ساتھ ہی رسول اللہ کی خدمت میں لکھا کہ "میں مسلمان ہوں"۔ نیز بطور نذر کچھ دینار بھیجے۔ تمام ماجرا سن کر آپؐ نے فرمایا "دشمنِ خدا جھوٹا ہے، ہرگز مسلمان نہیں، اپنی عیسائیت پر جما ہوا ہے"، اور دینار تقسیم کر دیئے۔

(۳) عبداللہؓ بن حذافہ السہمی، کسریٰ کے دربار میں گئے جس کا نام ابرویز (پرویز) ابن ہرمز بن انوشرواں تھا۔ اس نے رسول اللہ کا نامۂ گرامی چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ حضور کو خبر پہنچی تو صرف اس قدر فرمایا "خدایا! اسکی سلطنت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال"، چنانچہ زیادہ مدت نہیں گزری کہ اس کی اور اس کی قوم کی پوری سلطنت پارہ پارہ ہو کر معدوم ہو گئی۔

(۴) عاطبؓ ابن ابی بلتعہ، مقوقس شاہِ مصر کے دربار میں گئے، اس کا نام جریج ابن مینا تھا، یہ اسکندریہ کا نواب اور مصر کے قبطیوں کا سردار تھا۔ اس نے بڑے

تپاک سے قاصد کا خیر مقدم کیا، فطرت کا نور چمکا مگر معاً گل ہو گیا، اسلام لاتے لاتے رہ گیا لیکن رسول اللہؐ کی خدمت میں بہت سے ہدیے بھیجے، جن میں ماریہ قبطیہ اور ان کی دو بہنیں "سیرین"، "وقیسرین" بھی تھیں، ماریہ کو حضورؐ نے اپنی خدمت کے لئے قبول فرمایا اور سیرین، حسانؓ ابن ثابت کو دیدی۔ ان کے علاوہ ایک اور کنیز، سَو مثقال سونا، بیس مصری چادریں، ایک بُھورا خچر (دُلدُل) ایک بھورا گدھا (عفیر) ایک خواجہ سرا (مابور) کہ جسے ماریہ کا چچیرا بھائی بتایا گیا ہے، ایک گھوڑا (لزاز) ایک کانچ کا پیالہ اور بہت سا شہد بھیجا۔ رسول اللہؐ نے یہ سب دیکھ کر فرمایا: خبیث نے سلطنت کو ترجیح دی، حالانکہ وہ رہنے والی نہیں!"

(۵) شجاعؓ بن وہب الاسدی کو شاہِ بلقاء، حارث بن ابی شمر الغسانی کے ہاں! اور

(۶) سلیطؓ ابن عمرو کو رئیس یمامہ ہوذہ بن علی الحنفی کے ہاں بھیجا، آخر الذکر نے قاصد کا پُرتپاک خیر مقدم کیا مگر اسلام قبول نہ کیا، اسی کے کہنے سے سلیط ایک دوسرے سردار ثمامہ بن اثال الحنفی سے ملنے گئے اور وہ انہیں کے اثر سے بعد کو اسلام لے آیا۔

یہ وہ چھ قاصد ہیں جنہیں آنحضرتؐ نے ایک ہی دن چھ مختلف بادشاہوں اور سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔

اس کے بعد ماہ ذوالقعدہ ۸ھ میں آپ نے چند اور قاصد دوسرے اطراف میں روانہ فرمائے، عمرو بن العاصؓ کو جیفر و عبد ابن جلندی کے ہاں عمان بھیجا، دونوں کے دونوں مسلمان ہو گئے، آخر تک ثابت قدم رہے اور صدقہ و قضا کے انتظامات میں عمروؓ کو ہر طرح کے اختیارات دیدیے، چنانچہ عمروؓ ان کے ہاں برابر مقیم رہے یہاں تک کہ وفاتِ نبویؐ کی خبر پہنچی۔

فتح مکہ سے پہلے علا ربن الحضرمی کو شاہِ بحرین منذر بن ساوی کے دربار میں بھیجا جو فوراً اسلام لایا اور برابر قائم رہا۔

مہاجر بن ابی امیہ المخزومی کو حارث بن عبد کلال الحمیری کے پاس یمن بھیجا جس نے کہا میں غور کر کے کچھ فیصلہ کرونگا۔

ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو جنگ تبوک کے بعد تبلیغ و اشاعت کے لئے یمن بھیجا، جہاں کے باشندوں کے دل اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیئے اور سب کے سب بلا کسی جبر و اکراہ اور جنگ کے جوق درجوق مسلمان ہو گئے۔ یہ معلوم کر کے حضرت علیؓ کو ان کی طرف روانہ فرمایا اور خود بھی حجۃ الوداع میں بہت سے یمینوں سے ملے۔

جریر بن عبداللہ البجلی کو ذوالکلاع الحمیری اور ذو عمر کے پاس دعوتِ اسلام دے کر روانہ کیا، دونوں کے دونوں مشرف باسلام ہوئے اور آخر تک ثابت قدم رہے۔

عمرو بن امیہ الضمری کو خط دے کر مسیلمہ کذاب کے پاس بھیجا، پھر دوسرا خط سائبؓ بن عوام (حضرت زبیرؓ کے بھائی) کے ہاتھ بھیجا، مگر وہ مسلمان نہ ہوا۔

فروۃ بن عمرو الجذامی (جو معان پر رومیوں کی طرف سے گورنر تھا) کے پاس بھی ایک قاصد روانہ فرمایا جس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور بہت سے ہدیے بارگاہِ نبوت میں بھیجے۔

مؤذّن

آپؐ کے مؤذّن چار تھے، دو مدینہ میں رہتے تھے، ایک قبا میں اور ایک مکہ میں۔ مدینہ میں بلالؓ بن رباح حبشی، جو اسلام میں سب سے اوّل مؤذّن ہیں، اور عمرو بن ام مکتوم القرشی (نابینا)۔ قبا میں سعد القراظ (عمار بن یاسر کے غلام) اور مکہ میں اوس بن

مغیرہ الجحی (ابو محذورہ) تھے۔

عمّال

آپؐ نے متعدد عمّال (گورنروں) سے کام لیا ہے: باذان بن ساسان، کسریٰ کی طرف سے یمن کے گورنر تھے، اسلام لے آئے تو آپؐ نے عہدہ پر برقرار رکھا۔ باذان سب سے پہلے مسلمان ہیں جو گورنر بنائے گئے اور سب سے پہلے عجمی سردار ہیں جو مسلمان ہوئے۔ اُن کے انتقال پر رسول اللہؐ نے ان کے لڑکے کو صنعاء کا حاکم مقرر کیا اور جب وہ شہید ہوگئے تو خالدؓ بن سعید بن العاص کو روانہ فرمایا۔

مہاجر بن ابی امیہ المخزومی کو "کندہ" اور "صدف" کا حاکم مقرر کیا، مگر روانہ ہونے سے پہلے ہی حضرتؐ کا وصال ہوگیا، اس لئے روانگی ملتوی ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے مرتدین کے قتال پر مامور ہوئے۔

زیاد بن امیہ انصاری کو "حضرموت" کا۔ ابوموسیٰ اشعری کو زبید، عدن، زمع اور ساحل کا، ابوسفیانؓ صخر بن حرب کو نجران کا، ان کے بیٹے یزید کو تیماء کا، عتاب بن اسید کو مکہ اور موسمِ حج کا حاکم مقرر کیا حالانکہ اس وقت ان کی عمر کل بیس سال کی تھی۔ پھر حضرت علیؓ کو یمن کے خُمس کی تحصیل اور منصبِ قضا پر مقرر کیا۔ عمرو بن العاص کو عمان اور اس کے حوالی کی حکومت سپرد کی۔ ان کے علاوہ بکثرت آدمیوں کو صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے پر متعیّن کیا، ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص اس کام کے لئے ہوتا تھا۔ ۹ھ کے موسم حج کا والی حضرت ابوبکرؓ کو بنایا، پھر فوراً حضرت علیؓ کو سورۂ "براۃ" سنانے کیلئے مکہ بھیجا۔

محافظ

متعدد صحابی آپؐ کی حفاظت کے لئے متعیّن تھے۔ سعد بن معاذ نے جنگِ بدر

میں پہرہ دیا جب کہ آپؐ سو گئے تھے۔ محمد بن مسلمہؓ نے جنگِ اُحد میں حفاظت کی، زبیرؓ بن العوام نے جنگِ خندق میں، عبادبن بشر آپؐ کے محافظوں کے سردار تھے لیکن جب آیت:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (۶/۱۴)　　خدا تمہاری لوگوں سے حفاظت کرے گا۔

نازل ہوئی تو آپؐ برآمد ہوئے، لوگوں کو اطلاع دی اور محافظین کو رخصت کر دیا۔

حُدی خوان

سفر میں آپؐ کے حُدی خوان (اونٹ کے سامنے گانے والے) عبداللہ بن رواحہ، اَنجشہ، عامر بن الاکوع اور ان کے چچا مسلم بن الاکوع تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرتؐ کے پاس انجشہ نامی خوش آواز حُدی خوان تھا، ایک مرتبہ اس نے گانا شروع کیا اور اونٹ تیزی سے چلنے لگے، عورتیں بھی ساتھ تھیں، آپؐ نے فرمایا "انجشہ! ہولے ہولے، کہیں شیشے ٹوٹ نہ جائیں"۔ شیشوں سے عورتوں کو مراد لیا ہے۔

شعراء

آپؐ کے شعراء: کعب بن مالک، عبداللہؓ بن رواحہ، حسانؓ بن ثابت، اور خطیب ثابتؓ بن قیس بن شماس ہیں۔

فصل ۶

معاملاتُ واخلاق

کاروبار

آپؐ نے تجارت کی ہے، خرید وفروخت کی ہے، ٹھیکہ لیا ہے، نبوت سے پہلے گلہ بانی کی مزدوری کی ہے اور حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت لے کر شام کا سفر کیا ہے۔ لوگوں کے ساجھے میں بھی کام کیا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپؐ کا ایک پرانا شریک حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ "آپؐ نے مجھے نہیں پہچانا؟" فرمانے لگے "کیوں نہیں، تم تو میرے شریک تھے اور بہت اچھے شریک تھے۔ تم نے نہ تو کبھی حق مارا اور نہ تکرار وحجت کی۔"

وکالت

آپؐ دوسروں کے وکیل بھی بنے ہیں اور دوسروں کو اپنا وکیل بھی بنایا ہے، ہدیہ لیا ہے، دیا ہے اور ہدیہ لانے والے کو انعام بھی دیا ہے۔

ہبہ

ہبہ قبول کیا ہے اور دوسروں سے اپنے لئے ہبہ کرایا بھی ہے، چنانچہ سلمہ بن الاکوع کے حصہ میں ایک مرتبہ ایک کنیز آئی، آپؐ نے فرمایا "یہ مجھے ہبہ کردو۔" انہوں نے فوراً منظور کرلیا، آپؐ نے وہ کنیز مکہ بھیج دی اور چند مسلمان قیدیوں کو معاوضہ میں رہا کرا لیا۔

قرض

آپؐ قرض بھی لیتے تھے، کبھی رہن رکھ کے اور کبھی بغیر رہن کے، ضروریاتِ زندگی بھی عاریۃً لیتے تھے اور کبھی ادھار خریدتے تھے۔ آپؐ کا اعلان عام تھا کہ "میں تمام مسلمانوں کے قرض کا ضامن ہوں، جو مسلمان قرضہ چھوڑ مرے اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔"

وقف

آپؐ نے اللہ کی راہ میں اپنی ایک زمین وقف کی اور مسلمانوں کے لئے اس کی آمدنی صدقہ کر دی تھی۔

سفارش

آپؐ نے دوسروں کی سفارش کی ہے اور اپنے لئے سفارش چاہی بھی ہے چنانچہ "بریرہ" سے اس کے شوہر کے بارہ میں سفارش کی کہ اس کی زوجیت میں رہنا منظور کرلے، مگر جب اس نے انکار کر دیا تو اس پر کچھ ناراض بھی نہیں ہوئے۔

قسم کھانا

آپؐ قسم بھی کھاتے تھے، کبھی اس میں کوئی شرط لگا دیتے، کبھی بغیر شرط کے رکھتے، کبھی اسے توڑ کے کفارہ ادا کرتے اور کبھی اسے آخر تک پورا کرتے[1]۔

مذاق

آپؐ مذاق بھی کرتے تھے، لیکن اس میں بھی بجز حق کے اور کچھ نہ کہتے۔ توریہ بھی کرتے مگر اس میں بھی حق و صدق ملحوظ رہتا چنانچہ جنگ کے موقعوں پر اکثر ایسا ہوتا کہ جس سمت میں جانے والے ہوتے اس کے مخالف سمت کے حالات، راستے اور منزلیں دریافت

---

[1] یہ سب اس لئے کہ امت کے لئے اسوہ و نمونہ ہوں۔ (مترجم)

فرماتے تاکہ دشمن کو اصلی ارادہ کے متعلق غلط فہمی ہو جائے۔

عامیانہ کاروبار

آپؐ مشورہ بھی دیتے اور قبول بھی کرتے۔ بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں میں شرکت کرتے، دعوتؐ[1] قبول کرتے، بیواؤں، مسکینوں اور لاچاروں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ جاتے اور کبھی کسی کی مدد سے دریغ نہ کرتے، شعر بھی سنتے اس پر انعام بھی دیتے۔ آپؐ نے پیدل دوڑ بھی کی ہے۔ کشتی بھی لڑی ہے۔ اپنا جوتا اپنے ہاتھ سے گانٹھا ہے۔ کپڑے اور چرمی ڈول میں پیوند لگائے ہیں۔ اپنی بکری اپنے ہاتھ سے دوہی ہے۔ کپڑوں سے جوں نکالے ہیں۔ اہل وعیال کا اور خود اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا ہے۔ مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں ڈھوئی ہیں۔ جہان بھی ہوئے ہیں اور میزبانی بھی کی ہے۔

طرزِ معاملت

معاملات میں آپؐ کا طریقہ بہترین تھا، قرض لیتے تو قرض سے زیادہ ادا کرتے اور قرضخواہ کے حق میں دعا فرماتے:

"بارك الله فى اهلك و مالك،	اللہ تیرے مال و اولاد میں برکت عطا فرمائے،
انما جزاء السلف، الحمد والاداء"	قرض کا معاوضہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور شکرگزاری ظاہر کی جائے۔

ایک مرتبہ ایک انصاری سے کچھ قرضہ لیا، درمیان میں اسے ضرورت ہوئی اور وہ

---

[1] دعوت کے معاملہ میں آج کل ہمارے مولوی بہت بدنام ہو رہے ہیں اور اس سے اسلام کی تضحیک ہوتی ہے، کیا اچھا ہو کہ کچھ مدت کے لئے علماء دعوت قبول کرنے سے اجتناب کریں، اس سے سنت کی مخالفت نہ ہوگی کیونکہ اسکے مقابلہ میں ایک بڑا شرعی عذر (یعنی اسلام کی عزت کا پاس) موجود ہے۔ (مترجم)

تقاضا کے لئے حاضر ہوا، اس وقت آپؐ کے پاس کچھ بھی موجود نہ تھا، فرمانے لگے " ابھی تک ہمارے پاس کوئی آمدنی نہیں آئی"، اُس نے کچھ کہنا چاہا، روک کر فرمانے لگے "ٹھیرو کچھ اور نہ کہو! مجھے بہت اچھا قرضدار پاؤ گے!" چنانچہ بعد کو اسے قرض سے دونا دیدیا۔

حقدار کا حق

ایک مرتبہ ایک شخص سے اونٹ اُدھار خریدا، وہ قیمت لینے آیا اور سخت کلامی کرنے لگا، صحابہؓ تنبیہ کے لئے اٹھے، آپؐ نے منع فرمایا اور فرمانے لگے: "رہنے دو، حقدار کو کہنے سننے کا حق ہے"!

ایک مرتبہ کچھ ادھار خریدا، پھر فروخت کیا تو نفع ہوا، نفع کو خاندانِ عبدالمطلب پر صدقہ کر دیا اور فرمانے لگے" آئندہ سے ہم کوئی چیز بھی ادھار نہ خریدیں گے (ابو داؤد)

ایک مرتبہ قرضخواہ تقاضے کے لئے آیا اور سخت سُست بکنے لگا، حضرت عمرؓ مارنے چلے، آپؐ نے روکا اور فرمانے لگے" عمرؓ! تمہارے لئے یہ زیادہ مناسب تھا کہ مجھے ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور اُسے صبر کی!"

ایک یہودی کا قصہ

ایک یہودی سے کچھ مال خریدا، وہ قیمت لینے آیا، آپؐ نے فرمایا" ابھی وعدہ کا دن نہیں آیا"، وہ شوخ چشمی سے بولا" تم خاندانِ عبدالمطلب کے لوگ بہت ٹال مٹول کیا کرتے ہو!" اس پر صحابہؓ کو غصہ آگیا اور دوڑ پڑے، آپؐ نے سب کو روک دیا، اور یہودی جتنا سخت ہوتا گیا، آپؐ اتنے نرم ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ، پکار اٹھا، اس نے کہا یا رسولؐ اللہ، نبوت کی تمام باتیں مجھے آپؐ میں نظر آتی تھیں صرف آپکے حلم کا امتحان باقی تھا، اس وقت مجھے وہی کرنا تھا، اب میں سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔

بابِ دوم

عبادات کا بیان

فصل اوّل

ضروریاتِ عبادت

وضو

آنحضرتؐ ہر نماز کے لئے اکثر الگ وضو کرتے تھے، کبھی ایک ہی وضو سے کئی کئی نمازیں پڑھ لیتے، کبھی ایک مُدؔ[1] پانی سے وضو کرتے، کبھی دو ثلث سے، اُمّت کو ہمیشہ وضو میں بھی اسراف سے منع کرتے اور فرماتے "وضو کا بھی ایک شیطان ہے جس کا نام "ولہان" ہے، لہٰذا پانی کے وسوسوں سے بچو۔"

وضو میں کبھی اعضا ایک ایک مرتبہ دھوتے، کبھی دو دو اور کبھی تین تین مرتبہ، پھر کبھی ایسا بھی کرتے کہ کوئی عضو دو مرتبہ دھوتے اور کوئی تین مرتبہ، لیکن سر کا مسح ہمیشہ ایک ہی مرتبہ کرتے۔ یہ ثابت نہیں کہ کبھی سر کے بعض حصّہ پر مسح کیا ہو اور بعض کو چھوڑ دیا ہو

---

[1] مُد، تقریباً ایک سیر کا وزن ہوتا ہے۔

بلکہ ہمیشہ پورے سر کا مسح کرتے تھے حتیٰ کہ اگر کبھی عمامہ بندھا ہونے کی وجہ سے اول سر کا مسح
کرتے تو باقی سر کا عمامہ ہی پر سے ہاتھ پھیر کے مسح کر لیتے۔

مسح

اس باب میں سنت یہ تھی کہ کبھی سر پر مسح کرتے کبھی عمامہ پر، کبھی سر کے اگلے حصہ
اور باقی عمامہ پر۔ ہر وضو میں کلی اور استنشاق (ناک میں پانی لینا) ضرور کرتے، کبھی اس کے
کے خلاف عمل کرنا ثابت نہیں۔ کبھی کلی اور استنشاق ایک ایک چلو سے اس طرح کر لیتے
کہ آدھا کلی میں لے لیتے اور آدھا ناک میں جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ ابن زیدؓ نے روایت
کیا ہے۔ ناک میں پانی داہنے ہاتھ سے لیتے تھے۔ اور چھنکتے بائیں ہاتھ سے تھے۔ سر کے
مسح کے ساتھ اندر باہر کانوں کا بھی مسح کر لیتے تھے، کانوں کے لئے علیحدہ پانی لینا ثابت
نہیں۔ اگر خف (چرمی موزے) یا جرابیں پہنے نہ ہوتے۔ تو پیر دھوتے ورنہ مسح کرتے تھے
سفر و حضر دونوں حالتوں میں مسح کیا ہے اور وفات تک کبھی اسے منسوخ نہیں بتایا
مقیم کے لئے مسح کی مدت ایک دن رات قرار دی ہے اور مسافر کے لئے تین دن رات
آپؐ نے خف پر بھی مسح کیا ہے، جرابوں پر بھی اور جوتوںؒ پر بھی۔ وضو ہمیشہ مسلسل اد...

لہ اس باب میں لوگوں نے طرح طرح کی شرطیں بیان کی ہیں، مثلاً یہ کہ موزے اور جرابیں ایسے ہوں
اتنے دبیز ہوں، پھٹے نہ ہوں۔۔۔۔ لیکن شریعت میں ان میں سے کوئی بھی شرط موجود نہیں۔ موزے چمڑے کے ہوں
یا اُون کے یا سوت کے، سب پر مسح کیا جاسکتا ہے، اسی طرح جوتے پر بھی مسح کرنا جائز ہے، اس باب میں اصل
مصلحت، رفع تکلیف ہے، اگر جوتا ایسا ہے کہ پہننے اور اتارنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس پر مسح کیا جاسکتا ہے
اسی طرح ہر قسم کے موزوں اور جرابوں پر مسح ہو سکتا ہے، اگرچہ سوتی ہوں، باریک ہوں، جا بجا سے پھٹے ہوں
کیونکہ سنت نبوی میں لوگوں کی خود ساختہ شرطوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مترجم)

اپنی پوری ترتیب کے ساتھ ہوتا تھا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خلاف ترتیب ایک عضو پہلے دھولیا ہو اور دوسرا پیچھے۔ داڑھی اور انگلیوں میں خلال پابندی سے نہ کرتے تھے۔

طریقۂ وضو

جب وضو کرنے بیٹھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب ختم کرتے تو کلمۂ شہادت پڑھتے، اس کے علاوہ آگے یا پیچھے کچھ کہنا ثابت نہیں۔ کہنیوں سے اوپر ہاتھ اور ٹخنوں سے اوپر پیروں کا دھونا منقول نہیں۔ امام ترمذیؒ کا قول ہے کہ وضو کے بعد اعضا کا خشک کرنا بھی ثابت نہیں۔ کبھی وضو خود کر لیتے اور کبھی کوئی دوسرا پانی ڈال دیا کرتا تھا جیسا کہ مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک سفر میں وضو کرایا تھا۔ (صحیحین)

تیمم

صرف ایک مرتبہ ہاتھ مار کے چہرہ اور ہتھیلیوں کا تیمم کر لیتے تھے، دو مرتبہ ہاتھ مارنا یا کہنیوں تک تیمم کرنا ثابت نہیں، امام احمدؒ کا قول ہے کہ جو کوئی تیمم کہنیوں تک بتاتا ہے وہ دین میں اپنے دل سے اضافہ کرتا ہے۔ تیمم ہر اس زمین پر کرتے جس پر نماز پڑھ سکتے تھے، عام اس سے کہ مٹی ہو، لونا ہو، ریت ہو، فرمایا "جہاں کہیں میری امت کے آدمی کو نماز کا وقت آجائے تو اسکے پاس اس کی مسجد اور اس کی طہارت کا سامان موجود ہے۔" ہر نماز کے لئے تیمم نہ کرتے اور نہ اس کا حکم ہی دیتے، بلکہ تیمم کو بالکل وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے[1]۔

---

[1] تیمم، وضو اور غسلِ جنابت کا قائم مقام ہے اگر پانی میسر نہ ہو یا حالتِ مرض وسفر ہو، قرآن میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ	مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ
وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ	جاؤ یہاں تک کہ جو کچھ کہتے ہو اسے سمجھنے لگو، اسی
وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى	طرح جب نہانے کی حاجت ہو تو بھی نماز کے

تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى
سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ
الْغَآئِطِ، اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ
تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا
فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ

(۴ : ۴۳)

پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ غسل کر لو، مگر ہاں سفر
کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ اگر تم بیمار ہو یا سفر
پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ
ہو کر آئے یا عورت کے پاس گیا ہو اور پانی میسر
نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمم کرو اس طرح کہ چہرہ
اور ہاتھوں کا اس سے مسح کر لو۔

فصل ۲

احکامِ اذان

ترجیع اور تکرار

اذان میں ترجیع اور عدم ترجیع، نیز اقامت میں تکرار اور افراد دونوں ثابت ہیں بجز (اقامت میں) لفظ "قد قامت الصلاۃ" کے جو ہمیشہ مکرر ہی کہا جاتا تھا، نیز اذان میں تکبیر اللہ اکبر کہ جس کا ہمیشہ چار مرتبہ اعادہ کرنا ثابت ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ عہدِ نبویؐ میں اذان کے الفاظ دو دو مرتبہ اور تکبیر کے ایک ایک مرتبہ کہے جاتے تھے بجز قد قامت الصّلوٰۃ کے جسے مکرر کہتے تھے۔ یہ تمام صورتیں جائز ہیں، کسی میں کوئی کراہت نہیں اگرچہ بعض، بعض سے افضل ہیں۔

اذان کے دوران میں اور اس کے بعد کیا کہا جائے؟

اس کے بارے میں پانچ طریقے مروی ہیں:

(۱) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ بجز حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح 'کے' جن کے بجائے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ ، کہنا چاہیئے۔

(۲) یہ کہا جائے:

رَضِیْتُ بِاللہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ — میں اللہ کو رب بنانے، اسلام کو بطورِ دین قبول

بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا۔ کرنے اور محمدؐ کو رسول ماننے سے راضی ہوں۔

(۳) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ درود بھیجے جو آپؐ نے اُمّت کو بتایا ہے اور جس سے بہتر کوئی درود نہیں اگرچہ لوگ کتنی ہی لفّاظیاں کریں۔

(۴) دُرود کے بعد کہے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ انِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ، اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

اے خدا، اس دعوتِ تامہ اور صلاۃ قائمہ کی مربّی! محمدؐ کو وسیلہ اور فضیلت بخش اور اس مقامِ محمود میں اُنہیں اُٹھا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔

(۵) دُرود کے بعد اپنے حق میں دعا کرے اور فضلِ الٰہی کا ملتمس ہو، کیونکہ اذان کے بعد دُعا مقبول ہوتی ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے فرمایا "اذان اور اقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی"، صحابہؓ نے عرض کیا تو ہم کیا دعا مانگا کریں؟ فرمایا دنیا و آخرت میں عافیت طلب کرو"

یہ بھی مروی ہے کہ "قد قامت الصلوٰۃ" سن کر فرمایا کرتے تھے:

اقامها الله وادامها۔ خدا اسے قائم و دائم رکھے۔

فصل ۳

احکامِ نمازِ پنجگانہ

تکبیر و نیّت

جب نماز شروع کرتے تو صرف "اللہ اکبر" کہتے، اس سے پہلے اور کچھ نہ کہتے، حتّٰی کہ نیت بھی زبان سے کچھ کہہ کے نہ کرتے، مثلاً "نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز کی قبلہ رُخ ہو کر یا مقتدی اور امام ہو کر، یا فرض نماز کی یا سنّت کی، یا قضا کی یا ادا کی" غرضکہ اس طرح کی کوئی بات نہ کہتے بلکہ یہ تمام الفاظ بدعت ہیں جن میں سے کسی ایک لفظ کو بھی کسی شخص نے روایت نہیں کیا، نہ صحیح اسناد سے نہ ضعیف سے، بلکہ کسی صحابی یا تابعی سے بھی مروی نہیں،

لہ نماز کے فوائد بے شمار ہیں، اس سے لوگوں میں نظم پیدا ہوتا ہے، چستی و چالاکی آتی ہے، پابندیٔ اوقات اور ایفائے عہد کی عادت پڑتی ہے، نمازی صفوں کا اتحاد، دلوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے، اور جنگ کی صفوں کو طاقت بخشتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ نمازی اپنے بھائیوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہو کر اپنے تئیں ایک بڑی برادری کا فرد، اور طاقتور جسم کا عضو سمجھتا ہے، پھر اس کے ذریعے جماعت سے اُنس پیدا ہوتا ہے جو ہر قسم کی ترقیوں اور نیکیوں کی بنیاد ہے۔ علاوہ ازیں نماز ہی کے ذریعہ بندہ اور خدا میں محسوس تعلق پیدا ہوتا ہے، بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے، اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے، ان میں

حتیٰ کہ ائمہ اربعہ میں سے بھی کسی نے اس کی تحسین نہیں کی۔

طریقۂ تکبیر

آپؐ تکبیر کے لئے اپنے دونوں ہاتھ کاندھوں یا کانوں تک اس طرح اٹھاتے کہ انگلیاں پھیلی رہتیں، پھر داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے اور نماز شروع کر دیتے۔

غور و فکر کرتا ہے، اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے اور نماز کے جملہ ارکان اس احساس کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھتا اور میری ہر حرکت کا نگراں ہے تو اس احساس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں خشیت و محبتِ الٰہی کو نشو و نما ہوتی ہے اور بتدریج نماز اس کے لئے زندگی کا سب سے زیادہ پُر مشغلہ اور برائیوں سے بچنے کے لئے ایک مضبوط سپر بن جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۔ (۲۹ : ۴۵)

اور نماز قائم کرو، نماز فواحش اور برائیوں سے روکتی ہے، بیشک اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں اللہ سب جانتا ہے۔

پس نماز سے اخلاق درست ہوتے ہیں، جسم پاک ہوتے ہیں، لباس، جگہ اور ماحول کی صفائی رہتی ہے، لوگوں میں ہمت و نشاط پیدا ہوتی ہے، نیکی کی ترغیب، بدی سے نفرت، باہمی اتحاد، قلب میں اعلیٰ جذبات اور اعلیٰ خیالات کی نشو و نما غرض کہ بے شمار دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَ اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (۲ : ۴۵)

صبر و صلوٰۃ سے اپنے معاملات میں استعانت حاصل کرو، نماز بڑا بوجھ ہے لیکن ان لوگوں کے لئے نہیں جن کے اندر خشیتِ الٰہی ہے اور جو سمجھتے ہیں کہ اللہ سے ملنے اور اس کی طرف لوٹ جانے

نماز شروع کرنے کی دعائیں

نماز کا آغاز مختلف دعاؤں سے کرتے تھے، کبھی فرماتے :

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔	الہٰی! میرے اور میری خطاؤں کے مابین اتنی ہی دوری کر دے جتنی مشرق اور مغرب کے مابین ہے۔

نوٹ بقیہ صد

والے ہیں۔

بنابریں اس زندگی میں کوئی شخص بھی نماز سے مستغنی نہیں ہو سکتا، لیکن بعض لوگوں نے نماز چھوڑ دی ہے، کیونکہ وہ اس کے فوائد سے ناواقف اور موجودہ زمانے کے اکثر نمازیوں کے حالات دیکھ کر مایوس ہو گئے ہیں کہ جن کے نہ تو اخلاق ہی درست ہوئے اور نہ ظاہری و باطنی زندگی ہی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔ مگر اس میں نماز کا کیا قصور؟ یہ لوگ تو ان نمازیوں میں سے ہیں جن کی بابت قرآن کہتا ہے :

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُوْنَ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷ : ۴ تا ۷)	ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نماز میں غافل رہتے ہیں اور محض دکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں الخ

یہ لوگ نمازیں کیا پڑھتے ہیں، ٹکریں لگاتے ہیں، نہ نماز کے معنی سمجھتے ہیں نہ اس کے ارکان کا مطلب جانتے ہیں، نہ قرآن میں کبھی غور فکر کرتے ہیں، صرف اٹھنا بیٹھنا سیکھ لیا ہے فقہی شروط کی پابندی پیشِ نظر رہتی ہے، ظواہر سے سروکار رکھتے ہیں، مغز سے ناآشنا ہیں، نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نماز انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور فوز و فلاح کی راہیں ان پر نہیں کھلتیں، حالانکہ ان کی نماز اگر حقیقی نماز ہوتی تو دین و دنیا کی برکتوں کا موجب بنتی۔ قرآن میں ہے۔

کبھی کہتے :

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ	میں نے اپنا رخ ہر طرف سے پھیر کر اس ذات
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا	کی طرف کر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو

(نوٹ بقیہ ص

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ	البتہ فلاح یاب ہوئے وہ مومن جو اپنی نمازیں
صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ الخ (۲۳ : ۱ ، ۲)	خشوع سے ادا کرتے ہیں۔

نماز کے لئے متعدد و معین اوقات ہونے میں بھی بڑی حکمت ہے، اور وہ یہ کہ لوگ دنیا میں مشغول ہوں اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد آ کے اللہ کے حضور جھک جائیں تاکہ اعمالِ دنیا کی وجہ سے جو کثافتیں قلب پر آگئی ہوں، ذکرِ الٰہی سے دور ہو جائیں اور قلوب پھر از سرِ نو تر و تازہ، پاک صاف اور ہر نیکی و خیر کے لئے مستعد ہو جائیں، بنا بریں اوقات کی پابندی کے ساتھ نمازوں کا ادا کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کا ذکر قرآن میں نہیں، حالانکہ قرآن نے نہ صرف اوقات بتا دیئے ہیں بلکہ نماز کے ارکان: قیام، قرأت، تسبیح و تقدیس، رکوع و سجود کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ خدا فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ کَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ	نماز مومنوں پر وقت کی قید کے ساتھ
کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴ : ۱۰۳)	فرض ہے۔

اور فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى	آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے
غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ	تک نماز پڑھا کرو، نیز فجر کے وقت کا قرآن
قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ (۱۷ : ۷۸)	(نماز) بھی، کیونکہ فجر کا قرآن دیکھا جاتا ہے

مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (۶ : ۸۰) — بنایا ہے، پس میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

کبھی کہتے :

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ — میری دعا، میری عبادت، میری زندگی اور

(نوٹ بقیہ ص ــــ)

(خدا کی طرف سے)

اور فرمایا :

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ، اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ۔ (۱۱ : ۱۱۴)

دن کے دونوں سروں اور اوائل شب میں نماز پڑھا کرو، نیکیاں، بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ خدا کو یاد کرنے والوں کیلئے یہ نصیحت ہے۔

اور فرمایا :

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَۃِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّکُمْ (۲۴ / ۵۸)

اے ایمان والو! تمہارے گھر کے لونڈی غلام اور تمہارے گھر کے نابالغ بچے اندر آتے ہوئے تین مرتبہ تم سے اجازت لیا کریں: نماز فجر سے پہلے، دوپہر کو جب تم کپڑے اتار دیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں۔

اور فرمایا :

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ (۳۰ : ۱۷ ، ۱۸)

جب شام ہو اور جب صبح ہو، اللہ کی تسبیح کرو، آسمان و زمین میں صرف وہی تو تعریف کے لائق ہے، نیز دوپہر اور تیسرے پہر کو اس کی تقدیس کرو۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (۶ : ۱۶۳، ۱۶۴)	موت اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اوّل فرمانبردار ہوں۔

اور فرمایا:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ($\frac{۱۰۳}{۲،۱}$)	عصر کی قسم کہ تمام آدمی گھاٹے میں ہیں۔

اور فرمایا:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى (۲۰ : ۱۳۰)	آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے پروردگار کی تسبیح کرو، نیز رات کے وقتوں میں اور دن کے لگ بھگ بھی اسکی تسبیح کرو۔

اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ($\frac{۷۷}{۲۲}$)	مسلمانو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے پروردگار کی پرستش کرو، اور نیکی کرو، تاکہ فلاح یاب ہو۔
اور فرمایا وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ (۲ : ۴۳)	نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اور فرمایا:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (۲ : ۲۳۸)	نمازوں کی پابندی کرو، خصوصاً درمیانی نماز کی، اور اللہ کیلئے سکوت وخشوع سے کھڑے ہو۔

قرآن نے نماز کی پوری تفصیل اسلئے نہیں بیان کی کہ یہ چیز سراسر عمل سے تعلق رکھتی ہے، زبانی سمجھانے سے نہ تو سمجھ میں آسکتی ہے اور نہ سمجھنا کچھ مفید ہی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو زندہ

اصحابِ سنن کی روایت ہے کہ نماز اس تسبیح سے شروع کرتے تھے:

حانکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ	تقدیس ہو خدایا تیری، شکر ہو تیرے لئے، بڑا
مُکَ وَتَعَالیٰ جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ	ہو گیا نام تیرا اور بلند ہوا مرتبہ تیرا۔ تیرے سوا
یرُکَ ۔	کوئی معبود نہیں۔

حضرت عمرؓ بھی آنحضرتؐ کے مصلے پر کھڑے ہو کر اسی آخری دعا سے نماز شروع تے اور اُسے باآواز بلند کہتے (تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے) اس کے بعد کہتے: اَعُوْذُ للّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" پھر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۰ ھتے جو کبھی باآواز بلند ہوتی اور کبھی آہستہ سے۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھتے، ہر آیت پر ٹھیرتے ور آخری حرف کو کھینچ کے پڑھتے۔

آمین

جب الحمد ختم ہو جاتی تو اگر نماز ایسی ہوتی جس میں قرأت آواز سے کی جاتی ہے تو آمین بھی آواز سے کہتے ورنہ آہستہ سے۔ مقتدی آپ کی آمین سن کر خود بھی بلند آواز سے اس کا اعادہ کرتے تھے۔

پہلی رکعت میں دو سکتے کرتے تھے، ایک تکبیر اولیٰ کے بعد اور دوسرا سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر، پھر کوئی سورت شروع کرتے جو کبھی طویل ہوتی اور کبھی مختصر لیکن عموماً متوسط درجہ کی سورتیں پڑھتے تھے، الا یہ کہ سفر ہو یا اور کوئی عذر پیش آجائے تو مجبوراً چھوٹی

(بقیہ صـ) شریعت بنا کر بھیجا تاکہ اپنے عمل سے دنیا کو ہدایت کرے، چنانچہ آپؐ نے عمل کر کے دکھایا کہ اس طرح نماز پڑھنا چاہیئے، امت نے اسے یاد کر لیا اور شروع سے اب تک برابر اسی پر عمل پیرا ہے۔ (الجزید ومترجم)

سورتیں تلاوت کرتے تھے۔

قرأت

نماز فجر میں قرأت اور سب نمازوں سے زیادہ لمبی ہوتی تھی، جمعہ میں اکثر "الٓمّٓ السجدہ" اور "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ" عیدین اور کبھی جمعہ میں سورۂ "قٓ، اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ، سَبِّحِ اور اَلْغَاشِيَه" پڑھتے تھے، یہ اس لئے کہ ان سورتوں میں خلقِ کائنات، خلقِ آدم، حالاتِ جنّت و دوزخ، غرضکہ متعدّد مہتم بالشان مطالب آگئے ہیں جن کا جمعہ اور عیدین جیسے مجمعوں میں دہرانا ہر طرح انسب ہے۔ جمعہ اور عیدین کے علاوہ باقی نمازوں میں معیّن کر کے سورتیں نہ پڑھتے تھے بلکہ مختلف سورتیں تلاوت کرتے تھے، چنانچہ ابوداؤد میں عمرو بن شعیبؓ کی روایت ہے کہ مفصّلات میں کوئی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں جو میں نے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے فرض نمازوں میں نہ سُنی ہو"۔

طریقہ ادائے نماز

پہلی رکعت ہمیشہ دوسری رکعت سے بڑی ہوتی تھی، جب قرأۃ ختم ہوتی تو اتنا توقف کرتے کہ دَم لے لیں، پھر ہاتھ اٹھا کے تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے، رکوع کی صورت یہ تھی کہ ہاتھوں کے دونوں پنجے گھٹنوں پر اس طرح رکھتے تھے گویا انہیں پکڑے ہیں، دونوں ہاتھ پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے، پیٹھ بالکل سیدھی رہتی تھی اور نہ بہت اٹھا ہوا ہوتا تھا اور نہ بہت جھکا ہوا، بلکہ پیٹھ کی سیدھ میں رہتا تھا۔ رکوع میں

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ۔ پاک ہے میرا پروردگار عظمت والا۔

کہتے اور کبھی اتنا اضافہ اور کر دیتے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ۔ — پاک ہے تو اے ہمارے پروردگار! اور پاک ہے تو اپنی تحمید و تقدیس کے ساتھ الٰہی! مجھے بخش دے۔

رکوع وسجود

رکوع وسجود اتنا دراز ہوتا تھا کہ آدمی دس مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ" کہہ سکے۔ اصحاب سُنن کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے پیچھے نماز پڑھی تو کہنے لگے "اس نوجوان کی نماز آنحضرتؐ کی نماز سے اس قدر مشابہ ہے کہ میں نے اور کسی کی نہیں دیکھی"۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر ہم نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے رکوع وسجود کا اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک دس تسبیحوں کے برابر ہے۔

قومہ کے ارکان

جب رکوع ختم ہو جاتا تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، کہتے ہوئے سر اٹھاتے، نیز رفع یدین کرتے، رکوع سے پہلے اور پیچھے رفع یدین کرنا نہایت صحیح اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔ تقریباً تیس صحابہؓ نے اسے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں، پھر اس کے خلاف ایک حدیث بھی ثابت نہیں[1]۔

رکوع سے اٹھ کر جب پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو کہتے "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" اور کبھی کہتے "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" اس میں وَلَكَ الْحَمْدُ واو کے ساتھ نہ کہتے تھے۔

---

[1] رفع یدین ارکانِ نماز میں سے نہیں، اسکا کرنا نہ کرنا برابر ہے، نماز کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب وہ اتنی قوت وکثرت سے ثابت ہے تو تمام مسلمان کیوں نہیں کرتے؟ جب اللہ کا رسول پابندی سے رفع یدین کیا کرتا تھا تو ہمارا اس کے خلاف پابندی سے عمل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ (مترجم)

یہ قیام بھی اتنا ہی دراز ہوتا تھا جتنا رکوع وسجود، اثنائے قیام میں یہ دعا پڑھتے :

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

سن لی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی تعریف جس نے اس کی تحمید وتقدیس بیان کی، اے ہمارے پروردگار تیرے ہی لائق ہے تعریف آسمانوں کے برابر، اور زمین کے برابر اور اس چیز کے برابر جو تو زمین وآسمان کی وسعت کے بعد بھی پسند کرے۔ تیرے لیے ہی تعریف وبزرگی شایاں ہے جو ایک بندہ کہ سکتا ہے اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ الٰہی! تیری عنایات کو کوئی روک نہیں سکتا اور جو چیز تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ اور دولتمند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے روک نہیں سکتی۔

نیز یہ دعا بھی ثابت ہے :

اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِيْ مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّنِيْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔

الٰہی! تو میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے دھو ڈال اور مجھے میرے گناہوں اور خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک کیا جاتا ہے اور الٰہی! میرے اور گناہوں کے درمیان اس طرح دوری کر دے جیسے مشرق اور مغرب دُور دُور ہیں۔

...بدہ کے آداب

قومہ کی دعا کے بعد تکبیر کہتے اور سجدہ میں بغیر رفع یدین کئے چلے جاتے،
...دہ کا طریقہ یہ تھا کہ زمین پر پہلے گھٹنے رکھتے تھے، پھر پیشانی اور ناک، یہی
...یقہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی روایت موجود نہیں۔

وائل بن حجرؓ کی حدیث میں ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
...طرح سجدہ کرتے دیکھا ہے کہ پہلے گھٹنے ٹیکتے، پھر ہاتھ رکھتے، اور جب اٹھنے
...ے تو ہاتھ پہلے اٹھاتے اور گھٹنے اس کے بعد"

سجدہ میں پیشانی اور ناک پوری طرح زمین پر رکھ دیتے، ہاتھ پہلوؤں سے
... رہتے اور پنجے شانوں اور کانوں کی سیدھ میں ہوتے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ فرمایا "جب سجدہ کرو تو ہتیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں
...ائے رہو" سجدہ میں پیٹھ سیدھی رہتی، دونوں پیروں کی انگلیوں کے سرے قبلہ
...رف ہوتے، ہتیلیاں اور انگلیاں پھیلا دیتے، انگلیاں نہ باہم ملی ہوتیں نہ بالکل
...الگ۔ لیکن ابن حبانؒ کی روایت میں ہے کہ رکوع میں انگلیاں کھول دیتے
...ے اور سجدہ میں ملائے رہتے تھے۔

...دہ کی دُعا

سجدہ میں کہتے:

...بْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ...بَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ۔	میرا پروردگار، سب سے برتر اور پاک ہے۔ پاک ہے تو اے ہمارے پروردگار اپنی تحمید و تقدیس کے ساتھ الٰہی! مجھے بخش دے۔

اور فرماتے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

الہٰی! بیشک میں پناہ مانگتا ہوں تیرے غض
سے تیری رضاجوئی کا واسطہ دے کر، اور پنا
مانگتا ہوں تیرے عذاب سے تیری معافی اور د
کا واسطہ دے کر، اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری شخص
سے تیری ہی ذات کا واسطہ دے کر، نہیں گ
سکتا میں تیری تعریف، تیری ذات ویسی ہی ہے
تو نے اپنی شخصیت کی تعریف کی ہے۔

اور فرماتے ۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَھَزْلِیْ وَخَطَائِیْ وَعَمَدِیْ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ اَنْتَ اِلٰهِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔

الہٰی! تو مجھے میری خطا اور نادانی بخش دے
میری زیادتی میرے کام میں معاف کر دے
میرا گناہ بھی بخش دے جو تو مجھ سے زیادہ جانت
کہ وہ میرا گناہ ہے۔ الہٰی! میری کوشش
میری ہنسی، میری چوک اور میرا ارادہ ا
ایک عیب جو مجھ میں موجود ہے بخش دے
میرا وہ گناہ بھی بخش دے جو میں نے پہلے ک
پیچھے کیا اور جو میں نے ظاہر کیا اور چھپا کر کیا
میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی م
نہیں۔

...دہ کی دُعا کے متعلق ہدایت

سجدہ کی دعا کے متعلق ہدایت فرمائی ہے کہ خوب گڑگڑا کر مانگو۔ جب قیام دراز ہوتا
...وع وسجود بھی دراز کرتے اور جب مختصر ہوتا تو اسے بھی اُسی مناسبت سے مختصر کر دیتے۔
...دہ سے تکبیر کہتے ہوئے اٹھتے، پھر بایاں پیر بچھا دیتے اور اس پر بیٹھ جاتے، داہنا
...کھڑا رہتا، ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھتے کہ کہنیاں بھی زانوں پر رہتیں پنجے گھٹنوں
...رتے۔

...فع سبابہ

سجدہ سے اٹھ کر تشہد کے لئے بیٹھتے تو دو انگلیاں مٹھی میں لے لیتے اور حلقہ
...انگشتِ شہادت اٹھاتے، ہلاتے اور دعا کرتے۔ وائل بن حجرؓ کی روایت اسی
...ح پر ہے۔

...جدہ

دونوں سجدوں کے مابین اتنی دیر بیٹھتے جتنی دیر سجدہ میں لگتی اور اس
...س میں فرماتے:

...لھمّ اغفِرلِی وَارحَمنِی وَاجبُرنِی	خدایا! میری مغفرت کر، مجھ پر رحم کر، میری
...ھدِنِی وَارزُقنِی۔	مدد کر، مجھے ہدایت بخش اور رزق عطا فرما۔

پھر کھڑے ہوتے تو پیر کے پنجوں اور گھٹنوں پر اس طرح اٹھتے کہ بوجھ رانوں
...رہتا، زمین پر ہاتھ ٹیک کے اٹھنے کی عادت نہ تھی۔

...شہد کے آداب

جب کھڑے ہوتے تو بلا توقف قرأۃ شروع کر دیتے، دوسری رکعت پہلی

رکعت سے چھوٹی ہوتی تھی۔ جب التحیات کے لئے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور داہنا داہنی ران پر رکھتے، پھر انگشت شہادت سے اشارہ کرتے، اسے کرتے، حرکت دیتے، چھنگلیا اور اس کے بعد کی انگلی مٹھی میں ہوتی، بیچ کی انگلی انگوٹھے سے حلقہ بنا لیتے، صرف شہادت کی انگلی باہر نکلی رہتی، اس پر نظر جما آہستہ آہستہ ہلاتے اور دعا کرتے۔ بایاں ہاتھ اور اس کی انگلیاں بدستور اپنی حال پر رہتیں۔ اس موقع پر نشست بالکل ویسی ہوتی جیسی سجدہ کے بعد صحیحین میں کہ "جب دوسری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کر لیکن جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو داہنا پاؤں مثل سابق کے کھڑا کر دیتے بایاں پاؤں اب کی دفعہ اس کے نیچے سے باہر نکال دیتے اور جسم کو زمین پر کے بیٹھ جاتے۔

پہلے تشہد کی دعا

پہلے تشہد کی نشست میں یہ دعا پڑھتے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ	تمام کی تمام عبادتیں (زبانی، مالی) سب
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ	کے لئے ہیں۔ اے نبی! سلام ہو تجھ پر اور
وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ	کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ ہم پر اور سب
الصَّالِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	کے نیک بندوں پر سلام ہو، میں اس
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔	کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی

---

[1] بخاری شریف میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد ہم (صحابہ) اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کی بجائے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ پڑھا کرتے تھے۔ (ناشر)

نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اس تشہّد کو بہت جلد ختم کر کے تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے باقی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورت نہ پڑھتے۔

دوسرا تشہّد

چوتھی رکعت میں بیٹھتے تو التحیّات میں کلمۂ شہادت کے بعد اپنے اور اپنی آل پر درود بھیجتے، قبر اور دوزخ کے عذاب، موت وحیات اور مسیح الدجّال کے فتنوں سے پناہ مانگتے، پھر دائیں اور بائیں جانب یہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ۔ — تم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت نازل ہو۔

نماز کے عام آداب

امام احمدؒ کی روایت ہے کہ نماز میں سر جھکا کے کھڑے ہوتے تھے، آنکھیں بند نہ کرتے تھے، نظر سجدہ گاہ پر رہتی تھی، صرف التحیّات میں کلمۂ شہادت پڑھتے وقت انگشتِ شہادت کو دیکھتے تھے۔ اللہ کے رسولؐ کی دلی مسرّت نماز میں تھی، بلالؓ سے کہا کرتے تھے "بلال! نماز کے لئے اذان دے کر ہمیں تسکین دو"۔

اختصار وطوالتِ نماز

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ طویل نماز کا ارادہ سے نیّت باندھتے، مگر درمیان میں بچّہ کے رونے کی آواز آجاتی تو نماز مختصر کر دیتے، مبادا صف میں اس کی ماں کو تکلیف ہورہی ہو۔ کبھی امامہؓ بنت ابی العاص (اپنی نواسی) کو کاندھے پر اٹھاتے اسطرح نماز پڑھتے کہ جب کھڑے ہوتے انہیں اٹھا لیتے، اور جب رکوع وسجود میں جاتے

لگتے تو اتار کے زمین پر بٹھا دیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حسن یا حسین (علیہا السلام) کھیلتے کھیلتے آجاتے، آپ سجدہ میں ہوتے، وہ پشتِ مبارک پر سوار ہو جاتے، اُن کے گرنے کے ڈر سے سجدہ دراز کر دیتے۔

حضورِ قلب کی عجیب مثال

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک سوار کو کوئی خبر لانے کے لئے بھیجا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے، مگر برابر اس گھاٹی کی طرف پھر پھر کر دیکھتے رہے جس سے سوار واپس آنے والا تھا۔ لیکن اس سے نہ خشوع و خضوع میں فرق آیا اور نہ جماعت کے کسی رکن میں کوئی خلل پڑا۔ یہ حضورِ قلب اور توجہ الی اللہ کی عجیب مثال ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت عائشہؓ باہر گئی ہوتیں، دروازہ بند ہوتا، آپؐ نماز پڑھتے ہوتے، اس اثنا میں وہ واپس آتیں تو آپؐ چل کے دروازہ کھول دیتے اور نماز کی نیت بدستور بندھی رہتی۔

نماز میں سلام کا جواب

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ نماز میں ہوتے اور کوئی سلام کرتا تو اشارہ سے جواب دے دیتے۔

صحیح مسلم میں جابرؓ کی روایت ہے "مجھے آنحضرتؐ نے ایک کام پر بھیجا، میں واپس آیا تو آپؐ نماز میں مشغول تھے، میں نے سلام کیا تو اشارہ سے جواب دے دیا۔"

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ آپؐ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیتے تھے۔ بیہقی میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں حبش سے ایسے وقت واپس پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے، میں نے سلام کیا تو سر کے اشارہ سے جواب دیا۔

مزید توضیح

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ رات کو حجرہ میں نماز پڑھتے، حضرت عائشہؓ سامنے سجدہ گاہ پر سوئی ہوتیں، آپؐ سجدہ میں جانے لگتے تو ان کے پہلو میں انگلی مارتے، وہ پیر سمیٹ لیتیں، اور جب کھڑے ہو جاتے تو پھیلا دیتیں۔ کبھی منبر پر نماز شروع کرتے، رکوع بھی اُسی پر کرتے، صرف سجدہ کے لئے نیچے اُتر آتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔

ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے۔ دیوار سامنے تھی، ایک بکری آئی اور سامنے سے گزرنے لگی، آپؐ اسے برابر روکتے، ٹالتے اور پھسلاتے رہے، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے بالکل دیوار سے جا لگے اور بکری پیچھے سے نکل گئی۔

امام احمدؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے آپؐ نے دو لڑکیوں کو باہم لڑتے دیکھا، فوراً آگے بڑھے، انہیں پکڑ کے الگ الگ کر دیا اور پھر بدستور نماز پڑھنے لگے۔

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کا میرے لئے ایک وقت مقرر تھا، میں جاتا اور اجازت چاہتا، اگر نماز میں ہوتے تو کھکار دیتے اور میں اندر آجاتا، اگر خالی ہوتے تو زبان سے اجازت دے دیتے۔ (احمد و نسائی)۔

پاپوش سمیت نماز

کبھی برہنہ پاؤں نماز پڑھتے، کبھی جوتہ پہن کر، بلکہ حکم دیا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کے لئے جوتہ پہن کے نماز پڑھو۔[1]

---

[1] فقہانے ان باتوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہے جن سے نماز باطل یا مکروہ ہو جاتی ہے منجلہ ان کے ایک قصداً کھنکارنا اور اشارہ کرنا بھی ہے، مگر نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دُعائے قنوت

مصیبت کے وقت نماز میں قنوت پڑھتے تھے، جس میں اپنی اُمّت کے

(نوٹ بقیہ صــ) کے ان افعال کی وہ کیا تاویل کریں گے؟ بہت سے مولوی جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں اور اسے ایک بدعت قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ بدعت نہیں خود رسول اللہ نے جوتے پہن کے نماز پڑھی ہے اور دوسروں کو ایسا کرنے حکم دیا ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں بالتصریح موجود ہے (بلکہ ائمہؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا ہی سنّت ہے۔ مترجم) حتیٰ کہ تفسیر ماثور کے ناقلوں نے آیت:

يَا بَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ (۷ : ۳۱) — اے بنی آدم! مسجدوں میں پوری زینت کے ساتھ آیا کرو۔

میں "زینت" سے مراد نماز میں جوتا پہننا بتایا ہے۔ بعض لوگ جوتے کے ساتھ نماز پڑھنے کو اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ جوتے میں وقت بےوقت نجاست لگی رہتی ہے، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ زمین پر رگڑ دینے سے جوتا پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "جب مسجد میں آؤ الٹ کے جوتا دیکھ لو، اگر نجاست لگی ہو تو زمین پر رگڑ دو اور انہیں پہن کر نماز پڑھو" (ابو داؤد احمدؒ) دوسری حدیث میں ہے "اگر جوتے میں نجاست لگ جائے تو اس کے لئے مٹی طہارت ہے" (ابو داؤد) ابوزید۔ (لوگوں کو حیرت ہوگی کہ جب یہ تمام باتیں حدیث میں موجود ہیں تو علماء ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ لیکن یہ حیرت بالکل بے جا ہے کیوں کہ کتنے "عالم" ہیں جنہوں نے صحیح طور پر حدیث پڑھی ہے؟ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آج کل عالم ہونے کے لئے بس یہ کافی ہے کہ فقہ کی چند کتابیں پڑھ لی جائیں؟ (مترجم)

لئے دعا اور دشمنوں کے حق میں بد دُعا کرتے تھے، جب ضرورت رفع ہو جاتی تو قنوت بھی ترک کر دیتے تھے (بخاری و مسلم) عموماً فجر اور مغرب کی نمازوں میں قنوت کرتے تھے۔

امام احمدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے کامل ایک ماہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں دعائے قنوت پڑھی، آخری رکعت میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کے بعد دعا شروع کرتے تھے، جس میں بنی سلیم کے ایک قبیلہ کو بد دعا دیتے اور مقتدی آمین کہتے تھے۔ ابوداؤد وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، اور یہی ثابت بھی ہے کہ کسی خاص ضرورت ہی پر نمازوں میں اسطرح کی قنوت کرتے تھے، ورنہ دائمی طور پر جو دعائے قنوت پڑھتے تھے اس سے صرف حمد و ثنا مقصود ہوتی تھی۔

نماز کے بعد کی دعائیں

سلام کے بعد تین مرتبہ استغفار کرتے اور فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۔	الٰہی! تو ہی سلامتی والا ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے، اے صاحبِ بزرگی و عزت، تو ہی بابرکت ہے۔

یہ الفاظ قبلہ رُخ کہتے تھے، پھر فوراً مقتدیوں کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو بارہا بائیں پہلو سے مڑتے دیکھا ہے (صحیحین) انسؓ کی روایت میں ہے کہ داہنے پہلو سے مڑتے تھے، (مسلم) ابن عمرؓ کا قول ہے کہ کبھی بائیں پہلو سے مڑتے تھے اور کبھی دائیں سے۔

جب مقتدیوں کی طرف گھومتے تھے تو پوری طرح گھومتے تھے، یہ نہ ہوتا تھا کہ ایک گروہ کی طرف پھرتے اور دوسروں کو محروم رکھتے۔

ہر فرض نماز کے خاتمہ پر فرماتے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اللہ واحد کے سوا کوئی خدا نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اسی کیلئے ہر طرح کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

صحیح ابن حبانؒ میں ہے کہ دس مرتبہ اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

ابو حاتمؒ کی روایت ہے کہ ہر نماز کے بعد فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ جَعَلْتَهٗ عِصْمَةَ اَمْرِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ جَعَلْتَ فِيْهَا مَعَاشِيْ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ نِقْمَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

خدایا میرے لئے میرا دین درست کر دے کہ جسے تو نے میرے لئے پناہ بنایا ہے، اور میرے لئے میری دنیا بھی درست کر دے کہ جس میں تو نے میری روزی رکھی ہے، خدایا میں تیرے غصہ سے تیری رضامندی کے دامن میں پناہ لیتا ہوں، تیرے انتقام سے تیرے عفو ورحم کا بچاؤ ڈھونڈتا ہوں اور تجھ سے خود تیری ہی طرف بھاگ کے پناہ چاہتا ہوں، جو تو دے اس کا روکنے والا کوئی نہیں، جو تو نہ دے اس کا دینے والا کوئی نہیں، تیرے مقابلہ میں رتبے والے کا رتبہ کام نہیں آسکتا۔

حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے خاتمہ پر کہا کرو :

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔ خدایا! اپنے ذکر، شکر اور حسنِ عبادت میں میری مدد کر۔

نماز کے خاتمہ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز کے آخر میں یعنی ختم ہونے سے پہلے، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس طرف گئے ہیں کہ خاتمہ سے مراد سلام سے پہلے ہے، یعنی یہ دعا سلام سے پہلے پڑھنی چاہیئے۔

سُترہ (آڑ)

جب دیوار کے سامنے نماز پڑھتے تو اس کے قریب ہی رہتے، اگر کسی لکڑی، ستون یا درخت کے پیچھے نماز پڑھتے تو اسے اپنی دائیں یا بائیں ابرو کے مقابل رکھتے، میدان میں لوہے کی سلاخ سامنے گاڑ لیتے تھے جو اسی مقصد سے ساتھ رہتی تھی۔

سُنن و نوافل

اگر مقیم ہوتے تو شب و روز میں دس سُنتیں ضرور پڑھتے، بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مقیم ہوتے تو گھر کے اندر دس رکعتیں ضرور پڑھتے تھے یعنی دو ظہر سے پہلے دو اُس کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشا کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ حضرت حفصہؓ کی روایت ہے کہ نماز جمعہ کے بعد گھر آ کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (صحیحین)

جائے ادائے سُنن

سنّتِ نبویؐ فرض نمازوں میں یہ تھی کہ ہمیشہ مسجد میں پڑھتے، لیکن سُنتوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا، سنتیں ہمیشہ گھر میں پڑھا کرتے تھے الا یہ کہ کوئی

عذر پیش آجائے، حدیث میں ہے کہ فرمایا "لوگو، نماز (سنت) گھر میں پڑھا کرو کیونکہ فرض کے علاوہ نماز کا گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے۔

سنّتِ فجر و وتر

فجر کی دو سنتیں اور وتر نماز کبھی نہ چھوڑتے تھے حتیٰ کہ سفر میں بھی ان کا ترک کرنا منقول نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتِ فجر اور وتر نماز کی اس قدر پابندی اس لئے فرماتے تھے سنّتِ فجر بمنزلۂ آغاز عمل کے ہے اور وتر بمنزلۂ خاتمۂ عمل کے۔ یعنی روزانہ زندگی شروع ہو تو نماز سے اور ختم ہو تو نماز سے، اسی وجہ سے آپؐ ان دونوں نمازوں میں سورۂ اخلاص اور قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ پڑھا کرتے تھے جو نہایت جامع سورتیں ہیں۔

سورۂ اخلاص کی فضیلت

سورۂ اخلاص میں توحیدِ اعتقاد اور معرفت ہے، ایسی توحید کامل جو شرک کی تمام صورتوں کے قطعی منافی ہے۔ پھر اس میں اثباتِ صمدیّت ہے جو جملہ کمالات کی جامع اور اس کی ذاتِ اعلیٰ واشرف کو ہر قسم کے نقص سے مبرا کرنے والی ہے، وَلَد وَ وَالِد کی نفی ہے، جو لوازمِ صمدیّت واحدیّت میں سے ہے، کفو و نظیر کی نفی ہے، جس سے ہر قسم کی تشبیہ و تمثیل کی نفی ہوتی ہے۔

غرضکہ سورۂ اخلاص میں توحیدِ اعتقادی کے وہ بنیادی اصول آگئے ہیں جن کے تسلیم کر لینے کے بعد انسان تمام گمراہ فرقوں سے الگ ہو کر موحّد کامل ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ تنہا توحید اعتقادی کافی نہیں، توحید عملی کا وجود بھی ضروری ہے جو بسا اوقات مفقود ہو جاتی ہے، کیونکہ جس طرح باوجود علم کے انسان اکثر مفرِ عمل

رہتا ہے، اسی طرح توحید علمی واعتقادی کی موجودگی میں بھی شرک عملی کا غلبہ ہوجاتا ہے، بنا بریں ضروری ہوا کہ توحید عملی کی بھی بنیادیں مضبوط کردی جائیں اور شرک عملی کی بھی جڑیں اکھاڑ پھینکی جائیں چنانچہ سورۂ قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ میں بات صاف کردی گئی۔ وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید علمی وعملی کی دونوں جامع سورتیں اپنی اولین وآخرین نمازوں میں پڑھا کرتے تھے، نیز طواف کے نفلوں اور حج میں ان کی تلاوت فرماتے تھے۔

رات کی نماز

امام مالکؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ رات میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں ایک رکعت وتر کی ہوتی تھی، ان سے فارغ ہونے کے بعد دائیں کروٹ سے لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ مؤذن، فجر کی اذان دیتا تو اٹھتے اور دو مختصر رکعتیں پڑھتے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ لیٹنا کچھ سنّت کے طور پر نہ تھا، بلکہ رات کو آپؐ تھک جاتے تھے، اس لئے ذرا آرام لینے کے لئے لیٹ جاتے تھے۔ دائیں کروٹ سے لیٹنے میں یہ مصلحت بتائی گئی ہے کہ چونکہ قلب بائیں جانب ہے اس لئے بائیں کروٹ سونے سے نیند اچھی نہیں آتی، آپؐ چونکہ فجر کی نماز میں نیند کے غلبہ سے بچنا چاہتے تھے اس لئے دائیں کروٹ پر سوتے تھے تاکہ تھوڑے وقت میں نیند پوری ہوجائے۔

صحیحین میں قاسمؒ بن محمد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رات میں آپؐ دس رکعتیں پڑھتے تھے، پھر ایک رکعت وتر کی ادا کرتے تھے، اس کے بعد فجر

کے وقت دو رکعت سنتِ فجر پڑھتے تھے۔ شب کی ان نمازوں میں کبھی قرأت بآواز بلند کرتے اور کبھی آہستہ سے۔ جب کھڑے ہو کر پڑھتے تو قیام کبھی دراز کرتے اور کبھی مختصر۔ وتر نماز اکثر آخر رات میں پڑھتے تھے، لیکن کبھی درمیانی اور اول رات میں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

سفری نماز

سفر میں نفل نماز سواری پر بیٹھے بیٹھے پڑھ لیتے اس حالت میں قبلہ رُخ نہ ہوتے تھے بلکہ جدھر بھی سواری کا رُخ ہوتا اُسی طرف نماز پڑھ لیتے، رکوع وسجود اشارہ سے کرتے تھے، سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ خم نہ ہوتے تھے۔ احمدؒ و ابوداؤدؒ کی روایت ہے کہ جب سواری پر نماز پڑھنا ہوتی تو پہلے اُس کا منہ قبلہ کی طرف کر کے نیت باندھتے پھر لگام ڈھیلی کر دیتے کہ اپنے راستہ پر چلی جائے۔

سفر سے واپسی کی نماز

سفر سے واپس آتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے، اسی نماز کو بعض لوگوں نے "صلاۃ الضحیٰ" کا نام دے دیا ہے، کیونکہ دو مرتبہ ایسے ہی وقت میں آپؐ سفر سے لوٹے اور نماز پڑھی، چنانچہ فتح مکہ سے واپسی بھی اسی وقت ہوئی تھی۔ لیکن اس نماز کو صلوٰۃ الضحیٰ قرار دینا غلطی ہے، کیونکہ آپؐ نے ہمیشہ اس کی پابندی نہیں کی جیسا کہ بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت اور دیگر مرفوع احادیث و آثار صحابہؓ سے ثابت ہے۔

فصل ۴

سجدۂ سہو، شکر و قرآن

نماز میں بھول

صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا "میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں، بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، اگر کبھی بھولوں تو یاد دلا دو۔"

آپؐ کئی بار نماز میں بھول گئے ہیں اور سجدۂ سہو کیا ہے، جس کی صورتیں مختلف تھیں کبھی سلام سے پہلے کرتے اور کبھی اس کے بعد۔

سجدۂ سہو کی صورت

حدیث میں ہے کہ سجدۂ سہو کی صورت یہ تھی کہ سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے بآواز بلند تکبیر کہتے پھر دو سجدے کرتے (متفق علیہ)۔

پانچ مواقع سہو

(۱) صحیحین میں ہے کہ نماز ظہر کی دوسری رکعت میں تشہد میں بیٹھنا بھول گئے تو چوتھی رکعت میں سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کئے۔

(۲) ایک مرتبہ ظہر یا عصر کی نماز میں بھولے سے دو رکعت کے بعد سلام پھیر

دیا، پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے، لیکن جب معلوم ہو گیا کہ سہو ہو گیا ہے تو باقی دو رکعتیں پوری کیں اور سلام کے بعد دو سجدے کئے۔

(۳) ایک دن نماز میں ایک رکعت رہ گئی اور سلام پھیر کے مسجد کے باہر چلے گئے حضرت طلحہؓ نے بڑھ کر یاد دلایا تو لوٹے، بلالؓ کو تکبیر کا حکم دیا، پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ (احمدؒ)

(۴) ایک مرتبہ ظہر میں پانچ رکعتیں پڑھ گئے، سلام کے بعد لوگوں نے یاد دلایا تو سہو کے دو سجدے کر لئے۔ (متفق علیہ)

(۵) ایک مرتبہ عصر میں تین رکعت پڑھ گئے، گھر تشریف لائے تو لوگوں نے یاد دلایا فوراً مسجد میں واپس آئے اور جماعت کے ساتھ باقی رکعت پوری کی، سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے اور پھر دوبارہ سلام پھیرا۔

یہ وہ پانچ مواقع ہیں جن میں آپ سے سہو ہونا ثابت ہے۔

سجدۂ شکر

خوشی کے موقع پر سجدہ کرتے، مصیبت کے دُور ہونے پر سجدہ کرتے، جیسا کہ مسند احمدؒ میں ابن ابی بکرہؓ کی روایت میں ہے اور جیسا کہ ابن ماجہؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ خوشخبری آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر پڑے۔

سجدۂ قرآن

جب تلاوت میں آیت سجدہ آجاتی تو تکبیر کہتے ہوئے سجدہ[۱] کرتے اور اکثر اس میں فرماتے: "سجد وجھی للذی خلقہ وصورہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ"

---

[۱] لیکن بالالتزام ہر آیت سجدہ پر سجدہ نہ کرتے تھے، چنانچہ زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ میں

(ترجمہ "میرا چہرہ اس ذات کے لئے سجدہ میں ہے جس نے اسے پیدا کیا، یہ صورت بخشی، اور اپنی قدرت وطاقت سے اس میں سماعت وبصارت پیدا کی)۔

یہ ثابت نہیں ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے کبھی تکبیر کہی ہو، یا اس کے بعد سلام پھیرا ہو یا التحیات پڑھی ہو۔

(نوٹ بقیہ ص ــــــ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ النجم سنائی، مگر آپ نے سجدہ نہیں کیا (اخرجہ الخمسہ) صحابہؓ کا عمل بھی یہی تھا کہ کبھی سجدہ کرتے اور کبھی نہ کرتے، جیسا کہ سجدۂ نحل میں حضرت عمرؓ کا واقعہ مروی ہے اور جیسا کہ بخاری ومالکؒ کی روایت میں ہے۔ (ابوزید)

فصل ۵

نمازِ جمعہ کا بیان

پہلا جمعہ

ہجرت کے وقت جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں عمرو بن عوف کے ہاں دوشنبہ سے جمعہ تک قیام فرمایا اور ان کے لئے مسجد کی بنیاد ڈالی، جمعہ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے تو نماز جمعہ کا وقت بنی سالم میں آگیا، چنانچہ اس مسجد میں جماعت سے نماز ادا کی جو اس وقت تک وادی میں موجود ہے، یہ پہلا جمعہ تھا جو مسجد نبویؐ کی تعمیر سے پہلے مدینہ میں ادا فرمایا۔

خطبۂ جمعہ

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس موقع کے خطبہ میں علاوہ حمد و ثنا کے آپؐ نے فرمایا:

اَمّا بعدُ اَیُّھَا النَّاسُ، قَدِّمُوا لِاَنْفُسِکُمْ وَاللہِ لَیُصْعَقَنَّ اَحَدُکُمْ ثُمَّ لَیَدَعَنَّ غَنَمَہٗ لَیْسَ لَہٗ رَاعٍ ثُمَّ لَیَقُولَنَّ لَہٗ رَبُّہٗ، لَیْسَ لَہٗ تَرْجُمَانٌ

لوگو، اپنے لئے توشہ تیار کرو، بخدا تم میں سے کوئی اچانک مر جائیگا، اپنا گلہ بغیر گلہ بان کے چھوڑ جائیگا، پھر اس کا پروردگار بغیر کسی

وَلَاحَاجِبٌ يَحْجُبُهُ دُوْنَهُ، أَلَمْ يَأْتِكَ رَسُوْلِيْ فَبَلَّغَكَ وَآتَيْتُكَ مَالًا وَأَفْضَلْتُ عَلَيْكَ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ، فَلْيَنْظُرَنَّ يَمِيْنًا وَشِمَالًا فَلَا يَرَىٰ شَيْئًا ثُمَّ لَيَنْظُرَنَّ قُدَّامَهُ فَلَا يَرَىٰ غَيْرَ جَهَنَّمَ فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَتَّقِيَ بِوَجْهِهِ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقٍّ مِنْ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ فَإِنَّمَا تُجْزَىٰ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَىٰ سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

ترجمان اور حاجب کے اس سے فرمائے گا: کیا میرے رسولؐ نے آکر تجھے میرا پیغام نہیں پہنچا دیا تھا، کیا میں نے تجھے مال و متاع نہیں دیا تھا اب بتا تو اپنے لئے کیا توشہ لایا ہے؟ اس وقت وہ مسکین دائیں بائیں دیکھے گا مگر کچھ نظر نہ آئے گا، پھر وہ اپنے آگے دیکھے گا تو جہنّم کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا! پس جو شخص آدھی کھجور دے کر بھی دوزخ سے بچ سکتا ہے، چاہیئے کہ دریغ نہ کرے، جسے یہ بھی میسّر نہ آئے تو اچھی بات کہہ کر دوزخ سے بچے، کیونکہ نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گُنا تک ملتا ہے۔ والسلام!

جمعہ کے آداب

سنّت نبویؐ یہ تھی کہ اس دن (جمعہ) کو نہایت اہمیت دیتے، اس کے فجر میں سورۃ الم السجدۃ اور ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ پڑھتے۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا "جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اگر میسّر ہوا خوشبو لگائی، اپنا اچھے سے اچھا لباس پہنا، پھر سکون و وقار کے ساتھ چل کر مسجد آیا، تحیۃ المسجد ادا کی، اس دوران میں کسی کو تکلیف نہ پہنچائی، امام کا خطبہ توجہ سے سنا، پھر نماز پڑھی، تو اس کی یہ نماز آئندہ جمعہ کی نماز تک اس کے حق میں کفّارہ ہو گی"۔

سُنن میں ہے کہ فرمایا "اگر مقدرت رکھتے ہو تو کیا نقصان ہے کہ روز کے

لباس کے علاوہ خاص جمعہ کے لئے ایک لباس بنا لو"!

جمعہ کے لئے مجمع کا انتظار

جمعہ کے دن نماز میں لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کرتے، یہاں تک کہ جب مجمع ہو جاتا تو برآمد ہوتے مگر ساتھ نہ کوئی نقیب پکارتا چلتا اور نہ جسم مبارک پر بلمتے چوڑے جبے ہوتے، سادگی سے تشریف لاتے، سلام کرتے اور منبر پر جا بیٹھتے، فوراً بلالؓ اٹھتے، اور اذان دیتے جو صرف ایک مرتبہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد آپؐ فوراً

---

[1] اس سے یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے علاوہ باقی دنوں میں صفائی کا خیال نہ رکھا جائے۔ بہت سے لوگ میلے اور بدبودار کپڑے پہن کر مسجد میں آتے ہیں جس سے نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ مسلمان کو ہمیشہ صاف ستھرا اور کم سے کم ایسا رہنا چاہیئے کہ کوئی اسے دیکھ کر نفرت نہ کرے۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کے منہ میں پیاز یا لہسن کی بو محسوس کی تو فرمایا "جو کوئی اس طرح کی چیزیں کھائے اسے نہیں چاہیئے کہ ہمیں تکلیف دے، بلکہ بہتر ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھے!" اس سلسلہ میں ایک اور بات قابل ذکر ہے جس کا لوگ خیال نہیں کرتے۔ بہت سے لوگ مجلس میں ایسے تیل اور عطر لگا کر آتے ہیں جن کی بُو اگرچہ خود انہیں بھلی معلوم ہوتی ہے مگر مجلس میں ایسے لوگ بھی موجود ہو سکتے ہیں جو اس بُو کو پسند نہیں کرتے اور سخت تکلیف اٹھاتے ہیں، لہٰذا نہایت احتیاط کی ضرورت ہے، اس چیز کا تعلق سراسر دماغ سے ہے، ایسی خوشبو کیوں استعمال کی جائے جس سے اللہ کے کسی بندے کو اذیت پہنچے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بہت لوگ تیل لگانے کے بعد ہاتھ نہیں دھوتے، بلکہ تیل کو ہاتھوں میں مل لیتے ہیں، پھر بلاتکلف مصافحہ شروع کر دیتے ہیں، جس سے دوسروں کے ہاتھ بھی چکنے ہو جاتے ہیں۔ یہ سب معاشرت کے بالکل ابتدائی آداب ہیں، ہر شخص کو ان کی پابندی لازمی ہے (مترجم)

خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

جمعہ سے پہلے سنن نماز

اُس وقت کوئی شخص سنّت نماز نہ پڑھتا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ بھی عید کے مثل ہے جس سے پہلے سنّت نماز نہیں، اور یہ جو مشہور ہے کہ بلالؓ کی اذان کے بعد سب لوگ سنّتوں کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے تو بالکل باطل اور سنّتِ نبویؐ سے جہالت پر مبنی ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ

اسی طرح جاہلوں کا یہ خیال بھی بے بنیاد ہے کہ آپؐ تلوار پر ٹیک دے کر خطبہ دیتے تھے اور یہ کہ ایسا کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اسلام کا قیام تلوار سے ہوا ہے۔ اس طرح کی کوئی روایت بھی موجود نہیں، حتیٰ کہ یہ بھی منقول نہیں کہ تلوار یا کمان یا کسی اور چیز کے سہارے سے منبر پر چڑھتے ہوں البتہ منبر بننے سے پہلے عصا یا کمان پر ٹیک دے کر خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تلوار کا اس حالت میں بھی لینا مروی نہیں۔

ضروریات خطبہ جمعہ

خطبہ میں سراسر وہی باتیں ہوتی تھیں جن کی مخاطبین کو ضرورت ہوتی۔ اثنار خطبہ میں اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تو غیر متعلق گفتگو بھی کر لیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور بیٹھنے لگا، آپؐ خطبہ دے رہے تھے نظر پڑگئی، تو اسے مخاطب کر کے فرمانے لگے "تحیۃ المسجد" ادا کرو۔ اسی طرح ایک آدمی لوگوں کو پھاند کر اگلی صف کی طرف آرہا تھا، آپؐ نے دیکھا تو منع فرمایا اور حکم دیا

کہ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔

بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ اثنار خطبہ میں کوئی آگیا ہے تو "آؤ بیٹھو" اور اسی طرح کے مختصر جملے کہہ دیئے ہیں۔ خطبہ کے دوران میں جب خدا کا ذکر آجاتا یا دعا فرماتے تو انگشت شہادت سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ خطبہ کے وقت بڑی تاکید تھی کہ لوگ قریب ہو بیٹھیں اور پوری خاموشی سے سُنیں۔

باطلاتِ جمعہ

حدیث میں ہے کہ فرمایا "جس نے جمعہ کے دن آکر شور مچایا، اس کا جمعہ نہیں ہوا" امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا "جمعہ میں جب امام خطبہ دے رہا ہو اور کوئی بولے تو اس کی مثال اس گدھے کی ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے، جو کوئی اپنے ساتھی سے کہتا ہے "خاموش" اس کا جمعہ نہیں"

طریقہ ادائے جمعہ

جب خطبہ ختم ہو جاتا تو بلالؓ اقامت کہتے۔ آپؐ جمعہ کی نماز ہمیشہ دراز کرتے تھے۔ بعد میں سنّتیں مسجد میں نہ پڑھتے بلکہ گھر پہنچ کر صرف دو رکعت ادا فرماتے تھے، جیساکہ صحیحین میں ابن عمرؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ "جمعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر آکے دو رکعت سنّت پڑھتے تھے[1]"

---

[1] بہت سے لوگ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں ظہر کی نماز باجماعت یا علیحدہ علیحدہ پڑھتے ہیں حالانکہ یہ ایک بدعت ہے اور سنّتِ نبویؐ میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ اور ظہر کی نمازیں ایک ہی دن میں فرض نہیں کیں، جمعہ کے بعد ظہر نہیں پڑھنی چاہیئے کیونکہ بجائے ثواب کے بدعت ہونے کی وجہ سے موجب عتاب ہو سکتی ہے (ابوزید)

فصل ۶

عیدین کا بیان

آداب عیدین

عیدین کی نماز اُس عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے جو مدینہ کے مشرقی پھاٹک پر واقع ہے۔ ان دونوں تقریبوں پر بہتر سے بہتر لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کھجور کے چند دانے تناول کرتے جو شمار میں طاق ہوا کرتے تھے۔

عید الضحیٰ میں جانے سے پہلے کچھ نہ کھاتے بلکہ واپسی پر اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ نوش فرماتے۔

عید الفطر کی نماز دیر میں شروع کرتے اور عید الضحیٰ میں جلدی کرتے تھے۔ جب عیدگاہ پہنچ جاتے تو نماز شروع ہو جاتی، اس کے لئے نہ اذان دی جاتی تھی، نہ اقامت کہی جاتی تھی اور نہ "الصلاۃ جامعۃ" وغیرہ الفاظ پکارے جاتے تھے۔

ترکیبِ نماز

یہ نماز دو رکعت ہوتی تھی، پہلی رکعت میں پہلی تکبیر کے بعد ہی سات تکبیریں کہتے تھے جن میں سے ہر تکبیر کے بعد کسی قدر سکوت ہوتا تھا، اس سکوت میں کیا فرماتے تھے، کچھ ثابت نہیں، لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت میں ہے کہ اس میں حمد و ثنا اور درود پڑھتے تھے۔ تکبیروں کے بعد سورۂ فاتحہ، پھر قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ پڑھتے تھے، کبھی اس کے بجائے "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" بھی پڑھی ہے، اس کے بعد تکبیر کہتے اور رکوع و سجود کرتے۔ سجدہ سے جب اٹھ کر پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو پانچ تکبیریں کہتے، پھر سورۂ فاتحہ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ پڑھتے، کبھی اس کی جگہ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ بھی تلاوت کرتے تھے۔ یہ ثابت نہیں کہ تکبیروں سے پہلے کچھ پڑھتے ہوں بلکہ ہمیشہ کا طریقہ یہی تھا کہ دونوں رکعتیں تکبیروں سے شروع کرتے تھے۔ ترمذی نے کثیر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز پڑھی تو پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق میں نے محمد البخاریؒ (صاحب صحیح بخاری) سے دریافت کیا تو فرمانے لگے "اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے، اور خود میرا بھی یہی مسلک ہے۔"

خطبۂ عیدین

جب نماز ختم ہوتی تو اٹھ کے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے جو اپنی صفوں میں بدستور بیٹھے ہوتے، پھر خطبہ دیتے اور وعظ و نصیحت فرماتے۔ جابرؓ کی روایت

ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز پڑھی، بلا اذان واقامت کے نماز شروع کی، پھر فارغ ہوکر بلال پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جس میں تقویٰ وطہارت کی ترغیب تھی، پھر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں بھی نصیحت کی" (متفق علیہ)۔

عیدین کے خطبہ میں تکبیریں زیادہ کہتے تھے جیسا کہ ابن ماجہ میں آپؐ کے مؤذن سعد کی روایت میں مذکور ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خطبہ کا آغاز بھی تکبیر سے کرتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ واقعہ ہمیشہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہی سے شروع کرتے تھے۔ خطبۂ عید کے موقع پر آپؐ نے لوگوں کو بغیر خطبہ سنے گھر چلے جانے کی اجازت بھی دی ہے۔

جمعہ اور عیدین کا اجتماع

نیز اگر عید جمعہ کے دن پڑے تو اختیار دیا ہے کہ جمعہ میں شریک نہ ہوں۔ آپؐ عید کی نماز سے پہلے یا پیچھے سنت یا نوافل کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ عید گاہ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے سے لوٹتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں سے صاحب سلامت کرسکیں۔

ایامِ تشریق

ہمیشہ کی سنت تھی کہ عید الضحیٰ کے موقع پر فجر یوم عرفہ (نویں ذی الحج) سے ایامِ تشریق (تیرھویں ذی الحج) کے عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیر کہتے تھے، جس میں یہ الفاظ ہوتے تھے "اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد۔"

فصل

صلوٰۃِ کسوف کا بیان

ترکیبِ نماز

ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو تیزی سے مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز ادا کی، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک طویل سورت با آواز بلند پڑھی، پھر طویل رکوع کیا، پھر اٹھے تو دیر تک وقوف کیا اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" کہا، پھر دوبارہ قرأت شروع کر دی جو پہلی قرأت سے مختصر تھی، پھر رکوع کیا جو پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ میں گئے جس میں دیر لگائی۔ اس کے بعد دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھی۔ اس طرح اس نماز کی ہر رکعت میں دو رکوع، دو سجدے اور دو مرتبہ قرأت کی۔

خطبۂ کسوف

پھر نماز کے بعد خطبہ دیا جس کے یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ [۱] فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ يُؤْتٰى اَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهٗ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ، اَوِ الْمُوْقِنُ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى فَاٰمَنَّا وَاتَّبَعْنَا، فَيُقَالُ لَهٗ نَمْ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا اَنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا، وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْمُرْتَابُ، فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهٗ [۲]

سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کے مرنے جینے سے گہن میں نہیں پڑتیں، جب تم ایسی حالت (گہن) دیکھو تو اللہ کو پکارو، تکبیر کہو، نماز پڑھو، صدقہ دو۔ مجھ پر وحی آئی ہے کہ قبر کے اندر تمہارا امتحان ہوگا، تم سے پوچھا جائے گا "اس شخص کے بارے میں تیرا علم کیا ہے؟" مومن جواب دے دیگا۔ "محمد رسول اللہ ہیں، ہدایت اور کھلی نشانیوں کے ساتھ آئے، ہم نے ان کی تصدیق اور پیروی کی" اس پر کہا جائے گا "خیریت سے سو، ہم پہلے سے جانتے تھے کہ تو مومن ہے" لیکن منافق اس سوال کے جواب میں کہے گا "اس شخص کے متعلق میرا علم کچھ بھی نہیں، میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا خود بھی وہی کہنے لگا۔"

---

[۱] یہ اس وجہ سے فرمایا کہ اسی وقت آپ کا صاحبزادہ "ابراہیم" فوت ہوا تھا اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ گہن اُس کے مرنے کی وجہ سے پڑا ہے، آپ نے اس بے بنیاد وہم کی تردید کردی (مترجم) [۲] یہ آخری جملہ نہایت قابلِ غور ہے، اندھی تقلید کا نتیجہ یہی ہوگا کہ اس

صحیح طور پر اس قدر ثابت ہے کہ آپؐ نے صلاۃ کسوف زندگی بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھی اور یہ اس دن جب آپؐ کے لڑکے ابراہیم کی وفات واقع ہوئی۔

(نوٹ بقیہ صـــــ) نازک وقت میں ناکامی ونامرادی کا منہ دیکھنا پڑے، مسلمان کیلئے روا نہیں کہ بلا سوچے سمجھے کوئی بات مان لے اور آنکھیں بند کرکے لوگوں کے پیچھے ہولے، خدا کے یہاں وہی ایمان وعمل معتبر ہے جو علم ویقین کے ساتھ ہو، تقلید کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ (مترجم)

فصل ۸

صلاۃ استسقاء کا بیان

طریقہ نماز استسقاء

صحیح حدیثوں میں ہے کہ آپؐ نے متعدد طریقوں سے استسقاء کیا ہے: ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ پانی کے لئے دعا کی۔"

اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا، اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا۔ — خدایا! ہمیں بچا، ہمیں پانی دے، ہمیں پانی دے۔

دوسری مرتبہ خاص استسقاء کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے، خطبہ دیا، جس میں ہاتھ اٹھا کے نہایت تضرع وزاری کے ساتھ دعا کی، پھر صلاۃ عیدین کی طرح بغیر اقامت واذان کے دو رکعت نماز ادا کی۔ دونوں میں قرأت با آواز بلند کی، پہلی میں فاتحہ کے بعد "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" پڑھی، دوسری میں "هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ"۔

تیسری مرتبہ جمعہ کے علاوہ ایک دن منبر پر سے استسقاء کیا مگر نماز نہیں پڑھی۔

چوتھی مرتبہ مسجد میں بیٹھے بیٹھے استسقاء کے لئے ہاتھ اٹھا کے دعا کی۔

۱؎ پانی برسنے کے لئے نماز اور دعا۔

فصل ۹

صلاۃِ خوف کا بیان

صلاۃِ خوف کے قصر کی حکمت

جب خطرہ اور سفر دونوں در پیش ہوں تو نماز کے ارکان اور نماز کی تعداد دونوں میں کمی کرنے کی اجازت ہے۔ اگر صرف سفر ہو تو تعداد میں کمی ہو گی، صرف خطرہ ہو تو ارکان میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی پر عمل تھا اور اسی سے آیتِ قصر کے سفر اور خوف سے مقید ہونے کی حکمت معلوم ہو گی۔[1]

---

[1] آیت یہ ہے:

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ	مسلمانو! جب تم کہیں جاؤ اور ڈرو کہ کفار
اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ	تمہیں ستائیں گے (لڑیں گے)، تو کچھ حرج نہیں
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکَافِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا	کہ نماز میں قصر کر دو، بیشک کافر تمہارے دشمن
وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ	ہیں۔ اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں میں موجود ہو
طَآئِفَۃٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ	اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو مسلمانوں کی ایک

ترکیب ادا کی پہلی صورت

صلوٰۃِ خوف میں اسوۂ نبوی یہ تھا کہ اگر دشمن قبلہ کی طرف سامنے ہوتا تو آپؐ کے پیچھے تمام مسلمان صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ سب ساتھ تکبیر کہتے اور رکوع کرتے لیکن سجدہ صرف اوّل صف کرتی اور دوسری صف دشمن کی نگرانی کے لئے کھڑی رہتی یہاں تک کہ آپؐ سجدہ سے فارغ ہو کر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاتے، اُس

(نوٹ بقیہ ص۔۔)

فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔ وَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔

(۴ : ۱۰۱ تا ۱۰۳)

جماعت مقتدی بن کر تمہارے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، پھر جب سجدہ کر چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں اور دوسری جماعت جو اب تک شریک نماز نہیں ہوئی، آکر تمہارے ساتھ نماز میں شریک ہو اور ہوشیار رہیں اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، کافروں کی تو یہی خوشی ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سازوسامان سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں، اور اگر تم لوگوں کو مینہ کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں، ہاں اپنی ہوشیاری رکھو، اللہ نے کافروں کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب نماز پوری کر چکو تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہو، اور جب مطمئن

وقت دوسری صف سجدہ کرتی، پھر اگلی صف اپنی جگہ سے ہٹ جاتی اور یہ پچھلی صف اُس کی جگہ پر آجاتی تاکہ رسول اللہ صؐ کے ساتھ سجدہ کرنے کی فضیلت حاصل کرے، چنانچہ دوسری رکعت میں صرف یہ صف سجدہ میں شریک ہوتی اور اول صف (جو اس رکعت میں پچھلی صف ہے) دشمن کے سامنے کھڑی رہتی یہاں تک کہ جب آپ تشہد کے لئے جلوس فرماتے تو یہ بھی سجدہ کرتی اور تشہد میں شریک ہو کر سب ساتھ سلام پھیرتے۔

دوسری صورت

لیکن اگر دشمن قبلہ کی سمت نہ ہوتا تو متعدد طریقوں سے نماز ادا کرتے:

(۱) کبھی یہ ہوتا کہ مسلمان دو گروہ میں ہو جاتے: ایک گروہ آپؐ کے ساتھ نیت باندھ کر کھڑا ہوتا اور پہلی رکعت پڑھ کر دوسرے گروہ کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جاتا، اور یہ دوسرا اپنی جگہ سے چل کر دوسری رکعت میں شریک ہو جاتا۔ جب آپؐ سلام پھیرتے تو دونوں گروہ باری باری ایک ایک رکعت پوری کر لیتے۔

(۲) کبھی یہ ہوتا کہ آپؐ ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے، پھر اُسے چھوڑ کر دوسرے گروہ کی طرف تشریف لے جاتے اور اس کے ساتھ دوسری رکعت شروع کرتے، لیکن اس وقت تک رکوع میں نہ جاتے جب تک پہلا گروہ

(نوٹ بقیہ صــــ)

ہو جاؤ تو نماز کو (معمول کے مطابق) قائم کرو کیونکہ مومنین پر نماز بقید وقت فرض ہے۔

اپنی باقی رکعت پوری کر کے سلام نہ پھیر لیتا، جب فارغ ہو جاتا تو دوسرے گروہ کے ساتھ رکوع و سجدہ کرتے اور تشہد کے لئے بیٹھ جاتے۔ مگر جب تک یہ گروہ بھی اپنی چُھوٹی ہوئی رکعت پوری نہ کر لیتا انتظار کرتے، اور پھر اسی کے ساتھ سلام پھیرتے۔

(۳) کبھی ایسا ہوتا کہ چار رکعت نماز شروع کرتے، پہلا گروہ دو رکعتیں ساتھ پڑھتا اور سلام پھیر کر چلا جاتا، پھر دوسرا گروہ آتا اور باقی دو رکعتوں میں شریک ہو کر سلام پھیر کر چلا جاتا، پھر دوسرا گروہ آتا اور باقی دو رکعتوں میں شریک ہو کر سلام پھیر دیتا۔

(۴) کبھی یوں ہوتا کہ ایک گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھتے اور سلام پھیر کر نماز پوری کر دیتے، پھر دوسرا گروہ آتا اور اس کے ساتھ بھی دو رکعت نماز پڑھتے۔

(۵) کبھی یہ ہوتا کہ دونوں گروہ آپ کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھ کر چلے جاتے اور باقی رکعت پوری نہ کرتے۔

صلاۃ الخوف کی یہ تمام صورتیں ثابت ہیں۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ اس باب کی تمام حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے۔

فصل

سفر اور نمازِ قصر کا بیان

اقسامِ سفر

نبوتؐ کے بعد چار طرح کے سفر کئے ہیں:

(۱) ایک مرتبہ ہجرت کے لئے۔ (۲) بارہا جہاد کے لئے۔

(۳) ایک مرتبہ عمرہ کے لئے۔ اور (۴) ایک مرتبہ حج کے لئے۔

تیاریٔ سفر

جب سفر پر تشریف لے جانے لگتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا، اسے ہمراہ لے جاتے۔ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو تمام ازواج کو ساتھ لے گئے۔ دن کے اوّل حصّہ میں سفر پر روانہ ہوتے اور دعا کرتے کہ خدا اُمتِ محمدؐ کے لئے اُس کے سفر میں برکت دے! مسافروں کے بارے میں حکم تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو دورانِ سفر میں سردار بنا لیں، تن تنہا سفر کرنے کی ممانعت کی۔

دعائے سفر

جب سفر کے لئے اٹھتے تو دعا کرتے:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ تَوَجَّھْتُ وَبِکَ اِعْتَصَمْتُ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ مَا اَھَمَّنِیْ وَمَا لَا اَھْتَمُّ بِہٖ، اَللّٰھُمَّ زَوِّدْنِی التَّقْوٰی، وَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَجِّھْنِیْ لِلْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّھْتُ۔

الٰہی! تیری ہی طرف میرا قصد ہے، تجھ ہی سے میری مضبوطی ہے' الٰہی! جس کی مجھے فکر ہو اور جس کی نہ ہو سب سے بچا، الٰہی! توشہ میں تقویٰ دے، میرے گناہ معاف کر اور جدھر بھی میں جاؤں نیکی کے لئے مجھے لے جا۔

سواری پر چڑھنے کی دُعا

جب سواری حاضر کی جاتی تو رکاب میں پیر رکھتے ہوئے "بِسْمِ اللّٰہ" کہتے، اور جب جم کے بیٹھ جاتے تو فرماتے:

الحمدُ للّٰہِ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا ھٰذا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔"

تمام تعریفیں خدا کیلئے ہیں جس نے ہمارے لئے اسے مسخر کر دیا، ورنہ خود ہم اسے زیر نہ کر سکتے تھے، ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔

نیز فرماتے:

اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَہٗ، اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ۔"

خدایا! ہمارا سفر آسان کر دے اور اس کی دوری کم کر دے، خدایا! تو ہی سفر میں رفیق اور اہل وعیال کا نگہبان ہے۔

قصر نماز

سفر میں ہمیشہ چار رکعت والی نمازوں کا قصر کرتے، روانگی سے واپسی تک صرف دو رکعتیں پڑھتے رہتے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں کہ آپؐ نے سفر میں کبھی بھی ایسی کوئی نماز

-بغیر قصر کے پڑھی ہو۔ صحیح بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے سفر کیا اور کبھی نہیں دیکھا کہ آپؐ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز پڑھی ہو" رہا وہ اختلاف جو حضرت عائشہؓ سے اس باب میں مروی ہے تو وہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ باطل ہے، کیونکہ اُمّ المومنین کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ رسول اللہ اور تمام صحابہؓ سے اختلاف کریں، خصوصاً جب کہ خود ہی فرماتی ہیں:

قصر کی فلاسفی

شروع میں نماز دو ہی دو رکعت فرض تھی، لیکن ہجرت کے بعد حضر میں دو رکعتیں زیادہ کر دی گئیں اور سفر میں نماز اپنی اصلی حالت پر باقی رہ گئی" (متفق علیہ)

ابن عباسؓ کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبیؐ کی زبانی تم پر حضر میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور حالتِ خوف میں ایک ایک رکعت نماز فرض کی ہے" (مسلم)

حضرت عمرؓ کا قول ہے: "صلوٰۃِ سفر دو رکعت، عیدین دو دو رکعت، جمعہ دو رکعت، پوری پوری نمازیں بغیر کسی کمی کے تمہارے نبی محمدؐ کی زبانی فرض ہوئیں، جو کوئی افترا کرے اس کے لئے ہلاکت ہے" حالانکہ حضرت عمرؓ وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا تھا کہ "یا رسول اللہ! اب ہم کیوں قصر کرتے ہیں حالانکہ بےخوف ہیں؟" آپؐ نے جواب دیا "یہ خدا کا صدقہ ہے اور اُس کے دین کی سہولت ہے اسے قبول کرو"

جمع صلاتین

جب زوال سے پہلے سفر شروع کرتے اور تیز چلنا ہوتا تو ظہر کو عصر تک موخر کر دیتے یہاں تک کہ منزل پر اُترتے اور دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے۔ لیکن اگر زوال کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر پڑھ کے سوار ہوتے۔

غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں روایت کیا گیا ہے، اگر سفر سے پہلے زوال ہوجاتا تو ظہر و عصر کو جمع کرلیتے، لیکن اگر زوال سے پہلے روانہ ہوتے تو ظہر میں تاخیر کرتے، یہاں تک کہ عصر کے لئے اترتے تو دونوں نمازیں ایک ساتھ ملا لیتے، یہی طریقہ مغرب و عشا میں بھی تھا۔

مسافتِ سفر

نماز کے قصر اور روزہ کے افطار کے لئے سفر کی مسافت محدود نہیں کی بلکہ اسے لوگوں کے عُرف پر چھوڑ دیا ہے، تمام وہ روایتیں جو مسافت کی تحدید کے متعلق وارد ہوئی ہیں، اُن میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں۔

حضر میں جمعِ صلاتین

باقی رہا حضر میں جمع کرنا تو بجز عرفہ کے اور کہیں ثابت نہیں، صرف عرفہ میں آپؐ نے ظہر و عصر کے مابین جمع تقدیم کی ہے اور یہ اس لئے کہ دعا میں مسلسل کھڑے رہتے تھے جیسا کہ امام شافعیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے۔

مدّتِ سفر

آنحضرتؐ تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے، آپؐ نے قصر کیلئے سفر کی کوئی مدت معین نہیں فرمائی اور نہ اُمت کو حکم دیا کہ بیس دن سے زیادہ اقامت ہونے کی صورت میں نماز پوری پڑھی جائے۔ آپ کا اتنی مدت قیام محض اتفاقی تھا، سفر بہرحال سفر ہے، عام اس سے کہ کہیں قیام زیادہ ہوجائے یا کم، البتہ اگر اقامت کا عزم ہوجائے تو سفر، سفر نہیں رہتا۔

صحابہ کے چند واقعات نافعؒ کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

آذر بائیجان میں چھ ماہ مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ حفص بن عبید اللہ کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک شام میں دو سال رہے اور مسافر کی سی نماز پڑھتے رہے۔ حضرت انسؓ کا قول ہے کہ "رامہرمز" میں صحابہؓ سات مہینے ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے۔ حسنؒ کی روایت ہے کہ میں حضرت عبد الرحمٰن بن عمرہؓ کے ساتھ کابل میں دو سال رہا اور دیکھتا رہا کہ وہ برابر قصر نماز پڑھتے ہیں مگر جمع نہیں کرتے ابراہیم کا قول ہے کہ صحابہؓ رَی اور سجستان میں سال سال دو دو سال رہتے اور قصر کرتے رہے۔

ائمہ اربعہؒ

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اسوہ ہے اور یہی حق ہے۔ ائمہ اربعہ بھی اسی پر متفق ہیں کہ اگر انسان کسی جگہ ٹھہر جائے اور روز خیال کرتا رہے کہ آج جاتا ہوں اور کل جاتا ہوں، تو وہ تمام عمر قصر کرتا رہے گا۔

فصل ۱۱

روزہ کا بیان

مقصودِ روزہ

روزہ سے مقصود، محبوباتِ نفس کا اللہ کی محبت اور خوشنودی کے لئے ترک کرنا ہے، گویا روزہ ایک معاہدہ یا راز ہے جو صرف بندہ اور آقا کے مابین اس طرح ہوتا ہے کہ درمیان میں کوئی محرم نہیں۔

فوائدِ روزہ

روزہ کے فوائد و اثرات عجیب و غریب ہیں، وہ ظاہری و باطنی قوٰی کو جلا دیتا ہے، فاسد مادے دُور کرتا اور ردی اخلاط سے جسم کو پاک کرتا ہے۔ روزہ، قلب اور دیگر تمام اعضاء کو وہ تمام قوتیں واپس دلاتا ہے جو مختلف طریقوں سے صرف ہو جاتی ہیں، روزہ کے ذریعہ انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ کی تلخی کیسی ہوتی ہے۔ بھوکوں پر ترس آتا ہے، محتاجوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ بنابریں روزہ کو روحانیت میں ایک بڑا درجہ حاصل ہے، اور تقوی و طہارت کے حاصل کرنے کا وہ ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (۲: ۱۸۳)

مسلمانو! روزہ تم پر بھی اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح اگلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

روزہ سپر ہے

حدیث میں ہے "اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ" (روزہ سپر ہے) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو جو وسائل کی عدم موجودگی کی وجہ سے شادی نہ کر سکتے، روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور فرماتے روزہ اس خواہش کو دباتا ہے۔

روزہ کی فرضیّت

چونکہ محبوبات ولذائذ کا ترک، نفس پر بہت شاق گزرتا ہے اس لئے روزہ دیر میں فرض کیا گیا، ۲ھ میں اس کی فرضیّت نازل ہوئی جب کہ دلوں میں توحید پوری طرح راسخ ہو چکی تھی، نماز کی عادت پڑ گئی تھی، قرآن اور احکامِ قرآن سے اُنس پیدا ہو گیا تھا اور مسلمان راہِ خدا میں بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ فرض ہونے کے بعد نو سال تک اس دنیائے فانی میں رہے اور نو رمضانوں کے روزے رکھے۔

اجازت اور معاوضہ

بوڑھوں اور عورتوں کے لئے اجازت ہے کہ اگر روزہ نہ رکھ سکیں تو افطار کریں اور اس کے عوض میں رمضان بھر روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، بیمار اور مسافر کے لئے بھی جائز ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔

قضاءِ روزہ

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اگر روزہ میں اپنے لئے نقصان سمجھیں تو قضا کریں، لیکن اگر خود اپنے لئے خطرہ نہ دیکھیں اور بچّے کے لئے مضرّت کا اندیشہ ہو تو قضا کے علاوہ روزانہ ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں، کیونکہ ان کا روزہ نہ رکھنا بیماری کے خوف سے نہیں ہے کہ صرف قضا کافی ہو بلکہ ان کی مثال تندرست آدمی کی ہے جو روزہ نہیں رکھتا اور اس پر قضا کے علاوہ مسکین کو کھانا کھلانا بھی واجب ہے۔[1]

ہلالِ عید اور افطار

جب دو شاہد آکر ہلالِ عید کے دیکھنے کی شہادت دے دیتے تو اگر نماز کا وقت گزر چکا ہوتا تو فوراً روزہ افطار دیتے اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھتے، روزہ

---

[1] حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے متعلق ابن قیمؒ کا یہ قول غیر واضح ہے، عام مسئلہ تو یہ ہے کہ ان کا شمار بھی ان لوگوں میں ہے جن کے لئے روزہ کا قضا کرنا نہیں بلکہ صرف فدیہ (کھانا کھلانا) دینا کافی ہے، کیونکہ حمل و رضاعت کا سلسلہ تو سال بھر تک برابر جاری رہے گا اور عورت کو قضا کی مہلت ہی کہاں ملے گی؟ قرآن سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روزہ نہ رکھنے کی صرف دو قسم کے لوگوں کو اجازت دی ہے، ایک تو مریض و مسافر ہیں جو قضا کریں گے، فدیہ نہ دیں گے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے لئے روزہ رکھنا بہت دشوار ہے، ان کے لئے صرف فدیہ ہے، قضا نہیں۔ قرآن میں ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ	جو تم میں بیمار ہو یا مسافر، سو وہ دوسرے
فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ	دنوں میں روزے رکھ لے، اور جو لوگ سخت

کے افطار کرنے میں سنّت یہ تھی کہ جلدی کرتے، عموماً تر کھجور سے کھولتے، اگر موجود نہ ہوتیں تو خشک سے ورنہ پانی کے چند گھونٹوں سے۔ افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ خداوندا، تیرے ہی لیے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا۔

بعض حدیثوں میں ہے کہ اُس وقت فرماتے:

ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ (ابوداؤد) پیاس چلی گئی، رگ پٹھے تر ہوگئے، اور ثواب انشاءاللہ قائم ہوگیا۔

(زعوت بقیہ ص)

یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ۔ (۲ : ۱۸۴) مشقت سے روزہ رکھ سکتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

حامل و مرضع عورتیں بھی اسی گروہ میں داخل ہیں، جیسا کہ امام احمدؒ و اصحاب السنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حامل و مرضع پر روزہ کا بار نہیں رکھا۔" نیز اسی جماعت میں بوڑھے اور سدا بیمار بھی داخل ہیں، کیونکہ انہیں قضا کا وقت کبھی نہیں مل سکتا۔ شیخ محمد عبدہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک ان مزدوروں کا بھی یہی حکم ہے جن کا پیشہ سخت محنت کے کام کرنا ہے، مثلاً کان کنی وغیرہ، آیت کا مفہوم اس کا محتمل ہے، لیکن اس میں وہ عیش پسند کسی طرح بھی داخل نہیں ہو سکتے جو اپنی تنعم کی زندگی کی وجہ سے روزہ کی تکلیف برداشت کرنے کے ناقابل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے تو روزہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ ان کی کمزوری کا علاج اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ پابندی سے روزے رکھیں۔

سفر میں اجازت

ایک مرتبہ رمضان میں سفر پیش آ گیا تو روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا، صحابہؓ کو بھی اجازت دے دی کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے، افطار کرے۔

جنگ میں روزہ

لیکن جب کبھی دشمن کا سامنا درپیش ہوتا تو افطار کرنے کا حتمی حکم دیدیتے تاکہ چستی و تازگی سے مقابلہ کرسکیں۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ رسول اللہؐ کے ہمراہ ہم رمضان میں دو مرتبہ جنگ پر گئے اور دونوں مرتبہ افطار کیا، پہلا موقع بدر کا تھا اور دوسرا فتح مکہ کا۔

سفر کو کسی خاص مسافت کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ ہر اس سفر میں روزہ افطار کرنا جائز ہے جو عرفِ عام میں سفر کہلاتا ہو، تعیینِ مسافت کے بارے میں ایک

(نوٹ بقیہ صــــ) قرآن میں احکام روزہ کے متعلق ایک جامع آیت بھی ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۔(۲ : ۱۸۷)

روزہ کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا جائز ہے، وہ تمہارے لئے پردہ ہیں اور تم ان کیلئے، خدا نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے، پس معاف کر دیا تمہیں اب ملا کرو ان سے اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفیدی کا تار رات کی تاریکی میں نمایاں ہو جائے، پھر پورا کرو رات تک روزہ کو۔ (ابوزید)

بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے[1]۔

اسوۂ صحابہؓ

صحابہؓ جس وقت سے سفر شروع کرتے، روزہ افطار کر دیتے اور کہتے یہی سنّتِ نبویؐ ہے جیسا کہ عبید بن جبیرؓ کی حدیث میں موجود ہے (ابو داؤد احمدؒ) اور جیسا کہ محمد بن کعبؓ کی روایت میں ہے: "میں رمضان میں حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ سفر کے لئے بالکل تیار تھے، جب سواری آگئی اور کپڑے پہن چکے تو کھانا مانگا اور روزہ افطار کر کے کھایا، میں نے پوچھا یہ سنت ہے؟ فرمانے لگے "ہاں، یہی سنّت ہے۔" (ترمذی)

مقاربت اور روزہ

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ شب میں مقاربت فرماتے، صبح ہوتی تو غسل کر لیتے اور بدستور روزہ رکھتے۔ روزہ کی حالت میں کبھی ازواج کا بوسہ بھی لے لیتے تھے۔

روزہ میں مسواک

روزہ میں مسواک کرنا بھی احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے البتہ بہت زیادہ

---

[1] قرآن میں ہے "اَوْ عَلٰی سَفَرٍ" (یا سفر پر ہو) علی الاطلاق "سفر" فرمایا ہے، یہ نہیں کہا کہ اتنے میل مسافت ہو اور اُتنے میل، ہر شخص سمجھتا ہے سفر کسے کہتے ہیں، کتبِ فقہ میں سفر کی جتنی تحدیدیں بیان کی گئی ہیں سب فقہاء کے اقوال و اجتہادات ہیں، شریعت کے احکام نہیں۔ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع میں اہلِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات میں نماز قصر کرتے تھے، حالانکہ مسافت بہت کم تھی، اتنی کم کہ اس مسافت کا دسواں حصّہ بھی نہ تھی جو کتبِ فقہ میں بتائی گئی ہے اور جس پر اب تک خود فقہاء بھی باہم متفق نہیں۔ (ابو زید)

استنشاق (ناک میں پانی لینا) سے منع فرمایا ہے۔ فصد کھلوانا ثابت نہیں لیکن سُرمہ لگانا مروی ہے۔

بھولے سے کھاپی لینا

اگر کوئی بھولے سے کھاپی لیتا تو اسے نہ روزہ افطار کرنے کا حکم دیتے اور نہ قضا کرنے کا، بلکہ بھول چوک کو معاف کر دیا ہے۔ رمضان میں تمام اوقات سے زیادہ نیکی کے کام کرتے، قرآن کی تلاوت و مزاولت بھی اور تمام مہینوں سے زیادہ ہوتی تھی۔

نفلی روزہ

نفلی روزے کبھی اس طرح مسلسل رکھنے لگتے کہ خیال ہوتا اب نہیں چھوڑیں گے اور کبھی چھوڑ دیتے تو معلوم ہوتا اب نہ رکھیں گے۔ رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے پورے روزے کبھی نہ رکھتے، تاہم ہر مہینہ میں چند روزے ضرور ہی رکھتے، اس کیلئے عموماً دوشنبہ اور پنجشنبہ کو منتخب کرتے تھے۔ بعض لوگ رجب، شعبان اور رمضان کے روزے لگاتار رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سنّت ہے، حالانکہ سنّت نہیں۔ رجب کے روزے آپؐ نے کبھی نہیں رکھے، نہ پسند فرمائے، بلکہ ان سے منع کیا ہے جیسا کہ ابنِ ماجہ میں مذکور ہے۔

یومِ عاشورا

صحیحین میں ہے کہ جب مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو یومِ عاشورا کا روزہ رکھتے دیکھا تو وجہ دریافت کی، انہوں نے کہا یہ ایک متبرک دن ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی دن موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دی اور فرعون کو غرق کیا تھا، موسیٰ (علیہ السلام) بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور ہم بھی رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا "تو ہم تم سے زیادہ موسیٰ کے حقدار ہیں"۔ چنانچہ عاشورا کا روزہ خود بھی رکھا اور صحابہؓ کو بھی اس کا حکم دیا۔ صحیحین میں ہے

عرفات میں نہ خود آپؐ نے روزہ رکھا، اور نہ صحابہؓ کو رکھنے کا حکم دیا۔

معمولِ نبویؐ

اکثر یہ ہوتا کہ گھر تشریف لاتے اور پوچھتے "کچھ کھانے کو ہے؟" اگر جواب ملتا "نہیں" تو فرماتے "میں روزہ رکھے لیتا ہوں" کبھی نفل روزہ کی نیت کر لیتے، پھر کچھ سوچتے اور افطار کر ڈالتے، اس کا ذکر حضرت عائشہؓ کی دو حدیثوں میں موجود ہے، ایک حدیث مسلم نے روایت کی ہے دوسری نسائی نے۔

اعتکافِ رمضان

آپؐ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ مین اعتکاف کرتے تھے، ایک سال موقع نہ ملا تو شوال میں کیا۔ اعتکاف کے لئے مسجد میں چھوٹا سا خیمہ لگا دیا جاتا تھا اور تنہائی میں ربّ العزّت کے حضور بیٹھے رہتے تھے۔ ہر سال دس دن اعتکاف ہوتا تھا مگر وصال کے برس بیس دن کیا، اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ سالانہ ایک مرتبہ قرآن کا مذاکرہ ہوتا تھا مگر اس سال دو مرتبہ ہوا۔

آدابِ اعتکاف

اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نہ نکلتے، حتیٰ کہ گھر بھی بلا خاص ضرورت کے نہ جاتے، لیکن یہ برابر ہوتا کہ سر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں کر دیتے، وہ باوجود ایامؔ سے ہونے کے اسے دھوتیں اور بالوں میں کنگھی کر دیتیں۔ ازواج میں سے بعض خیمہ میں بھی آتی تھیں مگر بجز بات چیت کے اُن سے اور کوئی سروکار نہ رکھتے، واپسی پر ان کی مشایعت بھی کرتے تھے۔

فصل ۱۲

حجؑ وعمرہؑ کا بیان

آپؐ کے عمرے

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل چار عمرے کئے جو سب کے سب علاوہ عمرۂ حج کے ماہ ذی القعدہ میں واقع ہوئے

---

۱ حج کی تین صورتیں ہیں: قِران، تمتع، اِفراد۔ "قران" وہ ہے جس میں حج وعمرہ کی ایک ساتھ نیت کی جاتی ہے اور حاجی کو اس وقت تک احرام باندھے رہنا پڑتا ہے جب تک تمام اعمالِ حج ادا نہ ہو جائیں۔ "تمتع" وہ ہے جس میں میقات سے صرف عمرہ کی نیت کی جاتی ہے، مکے میں آکر ارکان عمرہ ادا کئے جاتے ہیں اور احرام اتار دیا جاتا ہے، پھر ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو حج کیلئے از سرنو احرام باندھا جاتا ہے۔ "افراد" وہ ہے جس میں صرف حج کی نیت کی جاتی ہے پھر حج کے بعد عمرہ کیا جاتا ہے (مترجم)

۲ عمرہ کے ارکان تین ہیں: طوافِ کعبہ، سعی مابین صفا ومروہ، سر منڈانا یا قصر کرنا (بال چھوٹے کرنا) عمرہ کی نیت کرنے والا جب مکہ میں آکر ان تینوں اعمال سے فارغ ہو جائے تو حج کی پابندیوں سے آزاد ہو کر مکہ میں اس طرح رہتا سہتا ہے جس طرح عام باشندے رہتے ہیں، یعنی اس کے لئے خوشبو لگانا اور دوسری سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں (مترجم)

تھے۔ آپؐ نے جتنے عمرے کئے سب مکہ میں داخل ہوتے ہوئے کئے، یہ ثابت نہیں
کہ مکہ میں ہوں اور عمرہ کرنے کے لئے باہر گئے ہوں، جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں
کہ حرم سے باہر چلے جاتے ہیں اور عمرہ کی نیت کر کے مکہ میں آتے ہیں۔

حج کب فرض ہوا؟

ہجرت کے بعد صرف سنہ ۱۰ھ میں ایک مرتبہ حج کیا کیونکہ سنہ ۹ھ سے پہلے
حج فرض ہی نہ ہوا تھا۔ بلاشبہ آیت:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (۲:۱۹۶) حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔

سنہ ۶ھ میں نازل ہوئی، لیکن جیسا کہ صاف ظاہر ہے، اس سے فرضیتِ حج ثابت نہیں
ہوتی۔ اس میں صرف اس قدر فرمایا ہے، جب حج اور عمرہ کی نیت کر لو تو اسے پورا کرو۔

حج کے آداب

جب حج کا عزم کیا تو اس کا عام اعلان کر دیا، روانگی کے دن خطبہ دیا اور احرام
اور اس کے احکام بتفصیل بیان فرمائے، ظہر کی نماز اپنی مسجد میں جماعت سے پڑھی، پھر
اندر تشریف لے گئے، تیل ڈالا، کنگھی کی، تہ بند باندھی، چادر اوڑھی اور ۲۶۔ ذیقعدہ کو
عصر سے پہلے پہلے روانہ ہو گئے۔ پہلی منزل مقام "ذوالحلیفہ" میں ہوئی، نماز عصر کا قصر
کیا، رات بھر یہیں رہے، ایک ایک کر کے تمام ازواج کے ہاں گئے، پھر غسل کیا، خوشبو
لگائی، ازار و رداء کا احرام باندھا، ظہر کی نماز میں بھی قصر کیا اور مصلّٰی پر سے ہی حج و عمرہ
کے لئے باآواز بلند تلبیہ کیا۔ (یہ منقول نہیں کہ نماز ظہر کے علاوہ خاص احرام کے لئے
کوئی نماز پڑھی ہو) جو اس طرح ثابت ہے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ خداوندا، میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی

لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکُ لَاشَرِیْکَ لَکَ۔

شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ہر طرح کی ستائش اور نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں، حکومت بھی تیری ہی ہے، تیرا کوئی ساجھی نہیں۔

یہ پورا سفر سواری کی پیٹھ پر طے کیا تھا نہ کہ کجاوہ اور ہودج وغیرہ میں بیٹھ کے جیسا کہ آج کل بہت لوگ کرتے ہیں۔

حائض کا احرام

ذوالحلیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاں محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے، ان کی ماں کا نام اسماء تھا، ولادت کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ غسل کر کے احرام باندھ لیں۔ اس سے یہ مسئلہ صاف ہوگیا کہ حائض غسل کر کے احرام باندھ سکتی ہے۔

غیر محرم کا شکار

ذوالحلیفہ سے تلبیہ کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ مقامِ روحا میں پہنچ گئے، یہاں ایک شخص نے جو احرام باندھے ہوئے نہیں تھا گورخر کا گوشت تحفۃً پیش کیا، آپؐ نے قبول فرمالیا اور ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مُحرم کے لئے غیر مُحرم کا شکار کھانا جائز ہے بشرطیکہ خاص اس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔

حائضہ اور مناسکِ حج

مقامِ سرف میں پہنچے تو حضرت عائشہؓ کو ایام شروع ہو گئے، آپؐ نے فرمایا "سب کرتی رہو جو حاجی کرتے ہیں، صرف طواف نہ کرنا"

تفریق عمرہ و حج

مکہ پہنچے تو حکم دیا، جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں، صرف عمرہ پر اکتفا

کریں: طواف کریں، صفا و مروہ کے مابین سعی کریں اور احرام اتار دیں۔ اس پر سراقہ ابن مالکؓ نے دریافت کیا: یہ حکم صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کیلئے؟ فرمایا "ہمیشہ کے لئے"۔ اس واقعہ اور حکم کو چودہ صحابیوںؓ نے روایت کیا ہے جن کی احادیث نہایت صحیح ہیں، انہیں میں ایک حدیث ہے کہ فرمایا: اگر میرے ساتھ بھی قربانی کے جانور نہ ہوتے تو تمہاری طرح میں بھی احرام اتار دیتا مگر اب قربانی کے وقت تک یہ نہیں ہو سکتا" صحابہؓ نے اس حکم پر عمل بھی کیا یہاں تک کہ یوم الترویہ (۸- ذی الحجہ) آیا تو حج کی نیت باندھی۔

طواف کے آداب

مکہ میں داخل ہونے کے بعد جوں ہی خانہ کعبہ پر نظر پڑی، جوش سے فرمانے لگے:

اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَتَعْظِيْمًا وَتَكْرِيْمًا وَمَهَابَةً (طبرانی) اے خدا اس گھر کی بزرگی، عزت، حرمت عظمت اور زیادہ کر دے۔

مسجد میں آئے۔ تو سیدھے کعبہ کی طرف بڑھے (اور تحیۃ المسجد ادا نہ کی (کیونکہ مسجد الحرام کی تحیۃ، طواف ہے) حجر اسود کے مقابل ہوئے تو اسے چھوا مگر اس کے لئے نہ کشمکش کی، نہ پورے جسم سے اس کے محاذ میں کھڑے ہوئے، نہ رکن یمانی کی طرف رخ کیا، نہ ہاتھ اٹھائے، نہ طواف کے لئے کوئی خاص نیت زبان سے کچھ کہہ کر کی اور نہ نماز کی طرح طواف کو تکبیر سے شروع کیا جیسا کہ جاہل کیا کرتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ کیا کہ حجر اسود کی طرف کچھ یوں ہی سا رخ کیا، اسے چھوا، اور داہنی طرف سے طواف شروع کر دیا۔ کعبہ بائیں جانب تھا، رکنین (حجر اسود

رکن یمانی) کے مابین پہنچے تو فرمایا:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۲:۲۰۱) — اے پروردگار! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔

طواف کا طریقہ

طواف کے پہلے تین چکّروں میں اس طرح چلے کہ رفتار تیز تھی اور جسم جھومتا تھا، باقی میں جھومنا موقوف کر دیا۔ مگر چھوٹے چھوٹے وگوں میں تیز چلتے رہے۔ چادر اس طرح اوڑھے تھے کہ ایک سرا بغل کے نیچے سے نکال کے کندھے پر ڈال لیا تھا، جس سے ایک ہاتھ اور شانہ کھُل گیا تھا۔ طواف کرتے ہوئے جب حجر اسود کے سامنے آتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہاتھ میں خمیدہ سر لکڑی تھی جس سے اسے مس کرتے اور پھر لکڑی کا بوسہ لے کر آگے روانہ ہو جاتے۔ خود حجر اسود کا بوسہ لینا اور ہاتھ سے مس کرنا بھی ثابت ہے۔ رکن یمانی کو بھی چھوتے تھے۔ مگر اس کا بوسہ نہ لیتے۔ طبرانی میں ہے کہ جب رکن یمانی کو چھوتے تو فرماتے "بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" اور جب حجر اسود کے سامنے آتے تو کہتے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ"۔

مقام ابراہیمؑ

طوافِ کعبہ سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے آئے اور یہ آیت پڑھی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (۲:۱۲۵) — مقام ابراہیم میں نماز پڑھو۔

پھر دو رکعت نماز ادا کی جس میں فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھی۔

سعی صفا اور مروہ

پھر کوہ صفا کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے، تو آیت :-

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (۲: ۱۵۸) صفا و مروہ شعائر الٰہی میں سے ہیں۔

پڑھ کر فرمایا۔ جس سے خدا نے ابتدا کی ہے، اسی سے میں بھی ابتدا کرتا ہوں، چنانچہ صفا پر چڑھ گئے۔ جب کعبہ نظر آیا تو کہا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ط

اللہ واحد کے سوا کوئی خدا نہیں، اسی کی عملداری ہے، اُسی کے لئے ستائش ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ واحد کے سوا کوئی خدا نہیں اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کو فتحیاب کیا اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔

پھر سعی کرتے ہوئے مروہ کی طرف چلے۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب لوگوں نے بہت ہجوم کیا تو پیدل چلنے کے بجائے سوار ہو گئے۔ مروہ پر چڑھے اور جب کعبہ دکھائی دیا تو تکبیر و تہلیل کی، پھر صفا کی طرف لوٹے یہاں تک کہ سعی کے سات دَور پورے ہو گئے۔ لیکن طواف کے برخلاف اس میں جھومے نہیں۔

عُمرہ کے ارکان کی تکمیل

سعی کے بعد ان تمام لوگوں کو جن کے ہمراہ قربانی کے جانور نہ تھے۔ پھر ہدایت کی کہ اب احرام اتار دیں) کیونکہ عمرہ کے ارکان پورے ہو گئے، خود اپنی نسبت فرمایا اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو جانور ساتھ ہرگز نہ لاتا، عمرہ کے بعد احرام اتار دیتا اور وقت پر جانور خرید لیتا۔

روانگی منیٰ: مکہ میں جب تک مقیم رہے، نماز برابر جائے قیام پر پڑھتے رہے۔

قصر کرتے رہے، پنجشنبہ کو تمام ہمراہیوں کے ساتھ منیٰ کو روانہ ہوئے، راستہ میں ان لوگوں نے حج کا احرام پہن لیا جنہوں نے عمرہ کے بعد اتار دیا تھا۔ منیٰ پہنچ کر ظہر و عصر کو جمع کیا اور جمعہ کی رات وہیں بسر کی۔ جب صبح ہوئی اور آفتاب طلوع ہو گیا تو عرفات کو روانہ ہوئے۔ صحابہؓ میں سے بعض تلبیہ کرتے تھے اور بعض تکبیر، دونوں کو سنتے تھے مگر کچھ نہ کہتے تھے۔

میدانِ عرفات

جب عرفات میں پہنچے تو ناقہ پر بیٹھے بیٹھے ایک عظیم الشان خطبہ[1] دیا اور کھڑے

[1] حجۃ الوداع میں آنحضرت نے متعدد خطبے دیئے جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم خطبہ بروایت ابن اسحٰق حسب ذیل ہے:

"اَیُّھَا النَّاس اسمعُوا قولِی فَاِنِّی لَا اَدری لَعَلِّی لَا اَلقَاکُم بَعدَ عَامِی ھٰذا بِھٰذَا المَوقِفِ اَبَدًا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ دِمَاءَکُم وَاَموَالَکُم عَلَیکُم حَرَامٌ اِلٰی اَن تَلقَوا رَبَّکُم کَحُرمَۃِ یَومِکُم ھٰذَا وَکَحُرمَۃِ شَھرِکُم ھٰذَا وَاِنَّکُم سَتَلقَونَ رَبَّکُم فَیَسأَلُکُم عَن اَعمَالِکُم وَقَد بَلَّغتُ، فَمَن کَانَت عِندَہٗ اَمَانَۃٌ فَلیُؤَدِّھَا اِلٰی مَنِ ائتَمَنَہٗ عَلَیھَا، وَاِنَّ کُلَّ رِبًا مَوضُوعٌ وَلٰکِن لَکُم رُؤُسُ اَموَالِکُم لَا تَظلِمُونَ وَلَا تُظلَمُونَ قَضَی اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا رِبَا وَاِنَّ رِبَا عَبَّاسِ بنِ

لوگو، میری بات سنو کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے کبھی نہ مل سکوں۔ لوگو! تم پر تمہارا خون اور تمہارا مال (قتل اور غصب) قیامت تک کیلئے اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن اور اس مہینہ میں خون بہانا حرام ہے۔ تم عنقریب اپنے رب کے سامنے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ میں نے تمہیں جتا دیا ہے۔ پس جس کسی کے پاس امانت ہو، اس کے مالک تک پہنچا دے، ہر قسم کا سود باطل

رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا۔ بلال ؓ سے اذان دلائی اور نماز قصر کر دو رکعت ادا کی جس میں قرأت آہستہ کی حالانکہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسافر

(نوٹ بقیہ صــــ)

عبد المطلب موضوع كله وان كل دم
كان في الجاهلية موضوع وان اول دمائكم
اضع دم ابن ربيعة الحارث بن عبد المطلب
(وكان مسترضعا في بني ليث فقتله هذيل)
فهو اول ما ابدء به من دماء الجاهلية
اما بعد ايها الناس فان الشيطان قد يئس
ان يعبد بارضكم هذه ابدا ولكنه ان
يطع فيما سوى ذلك فقد رضي به مما
تحقرون من اعمالكم فاحذروه على دينكم
ايها الناس ان لكم على نسائكم حقا ولهن
عليكم حقا عليهن ان لا يوطئن فرشكم احدا
تكرهونه وعليهن ان لا ياتين بفاحشة
مبينة فان فعلن فان الله قد اذن لكم ان
تهجروهن في المضاجع وتضربوهن ضربا
غير مبرح فان انتهين فلهن رزقهن و
كسوتهن بالمعروف واستوصوا بالنساء خيرا

رہا ہے، تم اپنا اصلی مال لے لو، سود چھوڑ دو، اس طرح نہ تم پر ظلم ہوگا اور نہ تم دوسروں پر ظلم کروگے، اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ سود جائز نہیں، عباس بن عبد المطلب کا پورا سود چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام خون چھوڑے جاتے ہیں اور سب سے پہلا خون جو چھوڑتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب (آپ کے بھتیجے) کا خون ہے، جاہلیت کے خونوں میں اسی خون سے ابتدا کرتا ہوں۔ لوگو، شیطان مایوس ہوگیا ہے کہ اب کبھی تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا کی جائے، لیکن ایسی جن باتوں کو تم معمولی سمجھتے ہو، اگر انہیں میں اس کی اطاعت کی جائے تو بھی وہ خوش رہے گا، پس اس کے مکر سے بچو۔ لوگو، تمہاری عورتوں پر تمہارا کچھ حق ہے اور عورتوں کا تم پر کچھ حق ہے۔ تمہارا حق یہ

کے لئے جمعہ نہیں ہے۔ ظہر کے بعد عصر کے لئے اقامت کہی گئی اور یہ نماز بھی قصر کر کے صرف دو رکعت پڑھی۔ اہلِ مکہ بھی ساتھ تھے اور مقتدی تھے انہوں نے بھی

اِنَّ هُنَّ عِندَكُم عَوانٌ لَا يَمْلِكْنَ لِاَنفُسِهِنَّ
يْئًا وَاَنَّكُم اِنَّمَا اَخَذْتُمُوهُنَّ بِاَمَانَةِ
لّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُم فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ
اَعْقِلُوا اَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِي فَاِنِّي قَدْ بَلَّغْتُ
قَدْ تَرَكْتُ فِيكُم مَا اِنِ اعْتَصَمْتُم بِهِ
لَنْ تَضِلُّوا: كِتٰبَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ اَيُّهَا
لنَّاسُ، اِسْمَعُوا قَوْلِي وَاعْقِلُوهُ تَعْلَمُنَّ اَنَّ
كُلَّ مُسْلِمٍ اَخٌ لِلْمُسْلِمِ وَاِنَّ الْمُسْلِمِينَ
اِخْوَةٌ فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِنْ اَخِيهِ اِلَّا
مَا اَعْطَاهُ عَنْ طِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ وَلَا
تَظْلِمُنَّ اَنْفُسَكُمْ، اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ.
اِلنَّاسُ قَالُوا نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ"

ہے کہ وہ تمہارے ناموس کی حفاظت کریں، اور ایسے لوگوں کو گھر میں نہ آنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، نیز کوئی کھلی ہوئی برائی نہ کریں، اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی طرف سے اجازت ہے کہ انہیں رات کو الگ پڑا رہنے دو اور مارو بھی مگر بہت سختی سے نہیں۔ اور جب باز آجائیں تو ان کا حق یہ ہے کہ اچھی طرح انہیں کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ اڑھاؤ، عورتوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرو، وہ تمہارے ہاتھ میں بے بس ہیں، تم نے اللہ کی ضمانت پر انہیں لیا ہے اور اللہ کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے، اے لوگو، میری بات خوب سمجھ لو، میں نے اچھی طرح جتا دیا۔ میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے لئے رہو گے تو گمراہ نہ ہوگے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ لوگو، میری بات سنو اور خوب سمجھ لو، جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور

قصر و جمع کیا، آپؐ نے انہیں نہ تو پوری نماز پڑھنے کا حکم دیا، اور نہ جمع کرنے سے روکا
بعض لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے اور روایت پیش کرتے ہیں کہ آپؐ نے ان سے فرمایا تھا
"تم اپنی نماز پوری کر لو، ہم تو مسافر ہیں۔" حالانکہ یہ سخت غلطی اور شدید جہالت کی بات

(نوٹ بقیہ ص۔۔۔)

تمام مسلمان باہم بھائی ہیں، پس مسلمان کے
لئے صرف وہی حلال ہے جو اس کے بھائی نے
برضا و رغبت دیدیا ہے، ایک دوسرے پر زیادتی
مت کرو، کیا میں نے جتا دیا؟" سب نے کہا "ہاں
جتا دیا!" اس پر فرمایا "خداوند! تو گواہ رہیو!"

ایک اور روایت میں ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف عرفات میں رسول اللہؐ کے پاس کھڑے
آپؐ ان سے فرماتے کہ پکار کے کہو "لوگو رسول کہتے ہیں کہ جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟" وہ پکارتے
لوگ جواب دیتے "یہ ماہ حرام ہے" آپ فرماتے کہ "خدا نے قیامت تک کے لئے تم پر تمہاری جان اور
مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مہینہ کی حرمت ہے!" پھر فرماتے کہو "لوگو
رسول اللہ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کون سا مقام ہے؟" لوگ جواب دیتے "یہ بلد الحرام ہے" آپ فرماتے
کہو "خدا نے قیامت تک کے لئے تمہاری جان اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے
اس مقام کی حرمت ہے!" پھر فرماتے کہو "لوگو! رسول اللہ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کونسا دن ہے؟"
لوگ جواب دیتے "یوم الحج الاکبر" فرماتے کہو "خدا نے قیامت تک کے لئے تمہاری جان اور مال
کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے!"

مسلمان جواب دیں، کیا اپنے نبیؐ کی آخری وصیتوں پر عمل کر رہے ہیں؟ (مترجم)

ہے، کیونکہ یہ حدیث اس موقع کی نہیں بلکہ فتح مکہ کے موقع کی ہے۔

جائے وقوف

نماز کے بعد پھر اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لائے اور دامن کوہ میں کھڑے ہو کر تضرع و زاری میں مصروف ہو گئے۔ لوگوں کو یہ بتا دیا کہ آپؐ کے اس مقام پر کھڑے ہونے سے یہ نہ سمجھ لیں کہ وقوف کی جگہ صرف یہی ہے بلکہ فرمایا عرفات کی پوری پہاڑی پر وقوف کیا جا سکتا ہے۔ آپؐ دعا اس طرح مانگ رہے تھے کہ دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھے ہوئے تھے گویا مسکین کچھ مانگ رہا ہے۔ دعا یہ تھی:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ اَللّٰھُمَ لَکَ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَآبِیْ وَلَکَ تُرَاثِیْ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَۃِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِیْٔ بِہِ الرِّیْحُ۔ (ترمذی)

خداوندا، تیری وہ ستائش ہے جو ہم کہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ہے جو ہم کہتے ہیں۔ خداوندا، میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا سب کچھ تیرے ہی لئے ہے، تیرے ہی طرف میرا لوٹنا ہے، اور تو ہی میرا وارث ہے۔ خداوندا، قبر کے عذاب، دل کے وسوسہ اور معاملات کی ابتری سے پناہ مانگتا ہوں۔ خدایا ہر قسم کے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔

دین اسلام کی تکمیل

اسی میدان عرفات میں یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ

آج میں نے تمہارا دین کمل کر دیا اور اپنی

نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (۵: ۳) نعمت تم کو دے دی اور دینِ اسلام تمہارے لئے پسند فرمایا۔

ایک حاجی کا کفن دفن

اس موقع پر ایک مسلمان حاجی سواری پر سے گر کے مرگیا تو حکم دیا کہ بیر کی پتی اور پانی میں نہلایا جائے اور احرام کے دونوں کپڑوں ہی میں دفن کر دیا جائے، خوشبو نہ لگائی جائے، سر اور چہرہ بھی نہ ڈھکا جائے۔

عرفات سے روانگی

جب آفتاب پوری طرح غروب ہوگیا تو عرفات سے روانہ ہوئے پیچھے اسامہؓ بن زید سوار تھے۔ آپؐ لوگوں کو دوڑتے دیکھ کر فرماتے تھے "لوگو، وقار سے چلو، نیکی کچھ دوڑنے میں نہیں ہے" درمیانی رفتار سے مسلسل تلبیہ کرتے ہوئے چلتے رہے یہاں تک کہ مُزدلفہ پہنچے۔

مزدلفہ میں قیام

یہاں فوراً وضو کیا، بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا اور اقامت کے بعد بغیر اسباب اتارے مغرب پڑھی۔ پھر توقف کیا یہاں تک کہ جب لوگ اتر چکے تو عشا کے لئے صرف اقامت کہلوائی اور نماز پڑھی۔ دونوں نمازوں کے مابین کوئی سنّت نہیں پڑھی۔ رات یہیں بسر کی اور اچھی طرح سوئے، اس شب میں نہ خود بیدار رہے اور نہ دوسروں کو بیدار رہنے کا حکم دیا۔ کمزور عورتوں اور بچوں کو

ل اسی آیت کا نزول، دینِ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تکمیل کی نشانی متصور ہوئی اور یہی آیت آپؐ کی وفات کا پتہ دیتی ہے۔ ناشر

طلوع سے پہلے ہی منیٰ روانہ کر دیا مگر تاکید کر دی کہ دن نکلنے سے پہلے کنکریاں نہ پھینکیں (ترمذی وغیرہ)

مشعر الحرام

نماز فجر ادا کر کے خود بھی سوار ہو گئے، مشعر الحرام میں آئے اور قبلہ رو ہو کے دعا و ثنا میں مصروف ہو گئے، یہاں تک کہ روشنی پھیل گئی۔ پھر فضل بن عباسؓ کو پیچھے بٹھا کر تلبیہ کرتے ہوئے آگے بڑھے، یہیں راستہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ رمی الجمار کے لئے سات کنکریاں چن دیں، جنہیں مٹھی میں لے کر پھونکتے اور لوگوں سے فرماتے تھے: ایسی ہی کنکریاں پھینکو، دین میں غلو مت کرو کیونکہ اسی غلو فی الدین نے اگلی قوموں کو ہلاک کر ڈالا۔

باپ کی طرف سے حج

اسی راستہ میں بنی خثعم کی ایک حسین عورت نے حاضر ہو کر اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کے متعلق دریافت کیا جو اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ سواری پر بھی بیٹھ نہ سکتا تھا، آپؐ نے جواب دیا کہ تو اس کی طرف سے حج کر سکتی ہے۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اُدھر فضل بن عباسؓ جو خود بھی حسین تھے اسے گھور رہے تھے اور اس کی نگاہیں ان کی طرف تھیں، آپؐ نے دونوں نوجوانوں کی یہ حالت محسوس کی تو فضل کے چہرہ پر ہاتھ رکھ کے آڑ کر دی[۱]!

وادیٔ محسّر

جب وادیٔ محسر میں پہنچے تو اونٹنی کی رفتار تیز کر دی، آپؐ کا طریقہ یہی تھا کہ

---

[۱] یہ اخلاق نبوی تھا، اگر ہمارے یہاں کے یہ متقشف ملا ہوتے تو کیا قیامت برپا نہ کر دیتے! مترجم

جب ان مقامات میں پہنچتے جہاں قوموں پر عذاب نازل ہوا ہے تو تیزی سے نکل جاتے یہ وادی وہی ہے جس میں اصحاب فیل ہلاک کئے گئے تھے۔

رمی الجمار

منیٰ پہنچے تو زوال کے بعد جمرۃُ العقبہ کے پاس تشریف لائے، اسفل وادی میں سواری پر کھڑے ہوئے اور قبلہ رُو ہو کر یکے بعد دیگرے سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے، اب تلبیہ موقوف کر دیا تھا۔ اُسامہ اور بلالؓ ساتھ تھے، ایک اونٹنی کی مہار تھامے تھا اور دوسرا دھوپ سے بچانے کے لئے کپڑا تانے تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مُحرِم کے لئے دھوپ سے بچنا جائز ہے۔

قیام گاہ میں خطبہ

رمی الجمار کے بعد قیام گاہ پر لوٹ آئے اور ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا جس میں یومُ النحر کی حرمت و عظمت اور سرزمینِ مکّہ کی تمام سرزمینوں پر فضیلت بیان کی اور فرمایا جو کوئی کتاب اللہ کے ساتھ تمہاری رہنمائی کرے اس کی اطاعت کرو اور مناسکِ حج اس سے سیکھو۔ مسلمانوں کو وصیت کی کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ اور فرمایا:

"ظالم خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے، لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، اپنی پانچوں نمازیں پڑھا کرو، اپنے رمضان کے روزے رکھو، جو تمہیں حکم دیا جائے اس کی اطاعت کرو، اور ان سب کے عوض اپنے رب کی جنت لے لو۔"

حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ

اسی موقع پر لوگوں سے رخصت ہوئے اور الوداع کہی جس کی مناسبت سے

ں حج کا نام ہی "حجۃ الوداع" پڑ گیا۔

ربان گاہ

پھر قربان گاہ تشریف لے گئے اور عمر شریف کے حساب سے تریسٹھ[۶۳] اونٹ
ست مبارک سے ذبح کئے، کل سو[۱۰۰] اونٹ ہمراہ لائے تھے، باقی کے ذبح کرنے
حضرت علیؓ کو حکم دے دیا اور کہا قربانی کا گوشت اور کھال سب کچھ مسکینوں کو
رات کر دو، قصاب کو اس میں سے بطور اجرت کچھ نہ دینا، اس کی مزدوری ہم اپنے
ں سے دیں گے۔

ائے اور اونٹ کی قربانی

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عام حدیبیہ میں ہم نے ایک
نٹ سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا تھا، اسی طرح ایک گائے میں بھی سات سات
دمی شریک ہوئے تھے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے: حجۃ الوداع میں ایک اونٹ
س آدمیوں کی طرف سے بھی ذبح کیا گیا تھا۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہؐ
نے ازواجِ مطہرات کی طرف سے (جن کی تعداد نو تھی) ایک گائے قربان کی تھی۔[۱]

حجامت

منیٰ میں قربانی سے فارغ ہو کر حجام کو بلایا اور حکم دیا کہ پہلے دائیں طرف
کے اور پھر بائیں طرف کے بال لے لے، صحابہؓ میں سے اکثر نے سر منڈا دیا اور بعض
نے کتروانے پر اکتفا کیا۔

---

[۱] اس سے ثابت ہوا کہ قربانی کے جانور میں اشخاص کی تعداد مقرر کرنا صحیح نہیں۔ ایک جانور بہت
سے آدمیوں کی طرف سے قربانی کیا جا سکتا ہے (مترجم)۔

طواف الافاضہ

ظہر سے پہلے مکہ روانہ ہوئے اور پہنچتے ہی "طواف[1] الافاضہ" کیا، پھر زمزم پر آئے
تو دیکھا لوگ حاجیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ فرمانے لگے "اگر ڈر نہ ہوتا کہ مخلوق تم پر ہجوم
کر دے گی تو میں بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہو کر پانی پلاتا" انہوں نے ڈول آگے بڑھا دیا
اور رات وہیں بسر کی۔

ایامِ تشریق کے بعد کوچ

صبح ہوئی تو زوال کے بعد پھر کنکریاں پھینکنے چلے اور جمرۂ اولیٰ سے شروع کر
تیسرے جمرہ تک ہر ایک پر سات سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے اور جب
پوری ہو جاتیں تو ہاتھ اٹھا کے دعا کرتے، لیکن تیسرے جمرہ پر دعا نہیں کی اور کنکریاں
پھینکنے کے بعد ہی واپس آ گئے۔ یہیں منیٰ میں یوم النحر کے دوسرے دن پھر خطبہ
اسی موقع پر سورۂ "اذا جاء" نازل ہوئی جس سے آپؐ کو یقین ہو گیا کہ بس سفر آخرت
قریب ہے، لوگوں کو بھی اشارۃً اس کی اطلاع دے دی تھی۔ جیسا کہ بیہقیؒ نے روایت
کیا ہے۔ منیٰ میں کل تین دن مقیم رہے یہاں تک کہ جب ایامِ تشریق ختم ہو گئے
رمی الجمار سے بالکل فراغت ہو گئی تو سہ شنبہ کی ظہر کے بعد کوچ کر دیا۔

رخصت و اجازت

ایامِ منیٰ میں حضرت عباسؓ کو اجازت دے دی تھی کہ مکہ ہی میں رات گزاریں
کیونکہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت انہیں کے سپرد تھی۔ نیز شتربانوں سے بھی

---

[1] اس طواف پر حج کے تمام ارکان پورے ہو جاتے ہیں اور حاجی کے لئے وہ سب باتیں جائز
ہو جاتی ہیں جو غیر حاجی کے لئے جائز ہیں۔ (مترجم)

دیا تھا کہ منیٰ کے باہر اپنے اونٹوں کے پاس رات بسر کیا کریں۔

مدینہ کو روانگی

مکہ آئے تو رات کو پچھلے پہر طوافِ الوداع کیا۔ حضرت صفیہؓ نے عرض کیا کہ مجھے ایام شروع ہیں، آپؐ اس سے ذرا پریشان ہوئے اور فرمانے لگے "تو کیا تم ہمیں رُکنے پر مجبور کر دو گی"، لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ طواف الافاضہ پہلے ہی کر چکی ہیں تو مدینہ روانہ ہو گئے۔

مدینہ کے راستہ میں مقام روحا پر ایک قافلہ ملا جس میں سے ایک عورت نے ایک شیر خوار بچے کو دکھا کر عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس کا بھی حج ہو گیا؟ فرمایا "ہاں اس کا بھی حج ہو گیا اور تجھے ثواب ملا"۔

واپسی میں بھی ذوالحلیفہ میں رات گزاری، صبح جب مدینہ نظر آیا تو تین بار تکبیر کہی اور فرمایا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اٰئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔	اللہ واحد کے سوا اور کوئی خدا نہیں، اسی کی حکومت ہے، اُسی کے لئے ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹے آ رہے ہیں توبہ کر رہے ہیں عبادت کر رہے ہیں، سجدہ کر رہے ہیں اور اپنے رب کی حمد کر رہے ہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جتھوں کو تن تنہا شکست دے دی۔

فصل ۱۳

قربانی اور عقیقہ کا بیان

آٹھ قسم کے جانور

قربانی صرف اُن آٹھ قسم کے جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر سورۂ انعام میں موجود ہے، ان کے علاوہ اور جانوروں کی قربانی ثابت نہیں۔ وہ آٹھوں قسمیں قرآن کی ان چار آیتوں میں مذکور ہیں:

(۱) اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْاَنْعَامِ (۵ : ۱)	حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی۔
(۲) وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ۔ (۲۲ : ۲۸)	اور پڑھو اللہ کا نام معلوم دنوں میں چوپائے مویشیوں کے ذبح پر جو اللہ نے تم کو دیئے ہیں۔
(۳) وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا، كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ، ثَمٰنِيَةَ	خدا نے چارپایوں میں بعض بلند قامت بوجھ اٹھانے والے پیدا کئے اور بعض زمین سے لگے ہوئے پست قامت۔ خدا نے جو روزی تمہیں دی ہے

اجٍ، مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ
يْنِ، قُلْ ءَآلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ
نْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
نْثَيَيْنِ، نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ
دِقِيْنَ، وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ
الْبَقَرِ اثْنَيْنِ، قُلْ ءَآلذَّكَرَيْنِ
رَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ
يْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ، اَمْ كُنْتُمْ
هَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا،
نْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى
لّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ
نَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ.

(۶ : ۱۴۳ تا ۱۴۵)

اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ
چلو۔ خدا نے یہ چارپائے نر و مادہ آٹھ قسم کے
پیدا کئے ہیں۔ بھیڑ میں سے دو نر و مادہ اور
بکری میں سے دو نر و مادہ۔ ان سے پوچھو کیا
خدا نے بھیڑ بکری کے دونوں نروں کو حرام کر دیا ہے
یا دو مادینوں کو، یا اس بچہ کو جو دو مادینوں کے
پیٹ میں ہے، اگر تم سچے ہو تو سند پیش کرو۔
اونٹوں میں سے نر و مادہ دو اور گائے کی قسم
میں سے نر و مادہ دو۔ ان سے پوچھو کیا خدا نے
اونٹ گائے کے دونوں نروں کو حرام کر دیا ہے یا
دو مادینوں کو، یا اس بچہ کو جو ان دو مادینوں کے
پیٹ میں ہے۔ تم جانتے ہو جب اللہ نے
تمہیں یہ نصیحت کی کہ اس شخص سے بڑھ کر
کوئی ظالم نہیں جو اللہ پر بغیر علم کے جھوٹ
باندھے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے، بیشک اللہ
ظالموں کو راہ دکھانے کا نہیں۔

(۴) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ
وَاَنْتُمْ حُرُمٌ، وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ

مسلمانو، حالتِ احرام میں شکار کو قتل نہ کرو،
اور جو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا یہ
ہے کہ دو منصفوں کے فیصلہ کے مطابق

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ۔ مقتول شکار کے مثل چوپایہ کعبہ تک ہدی بنائے۔ (۵/۹۵)

ذبیحے کے اقسام

وہ ذبیحے جن سے تقرب الی اللہ اور عبادت مقصود ہوتی ہے، تین ہیں: ہدی، قربانی، عقیقہ۔ آنحضرتؐ نے بھیڑ، اونٹ اور ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ہدی کیا ہے۔ ایک اونٹ اور ایک گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور ہدی کے لئے جانے والے کو اجازت دی ہے کہ اگر اور سواری میسر نہ ہو تو سہولت کے ساتھ اس پر سوار ہو سکتا ہے۔ اُمت کو اجازت دی ہے کہ اپنے ہدی و قربانی میں سے چاہے تو کھائے اور بچا کر بھی رکھ چھوڑے۔

ابو داؤد میں ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے قربانی کی اور فرمایا "ثوبان، اس بکری کا گوشت ٹھیک کر لو" وہ کہتے ہیں میں مکہ سے مدینہ تک راستہ بھر اسی کا گوشت حضورؐ کے سامنے پیش کرتا رہا۔

مسنون قربانی

آپؐ عید کی نماز کے بعد دو مینڈھے قربان کرتے تھے، نماز سے پہلے قربانی کرنے کی اجازت نہیں بلکہ فرمایا "جس نے نماز سے پہلے قربانی کی قربانی نہیں ہوئی"۔ قربانی کے باب میں سنت یہ تھی کہ اچھے اور بے عیب جانور منتخب کرتے اور عیدگاہ میں ذبح کرتے۔ ایک بکری ایک آدمی اور اس کے گھر بھر کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے، عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں میں نے ابی ایوب انصاریؓ سے پوچھا رسول اللہؐ کے زمانہ میں صحابہؓ کس طرح قربانی کرتے تھے؟ فرمایا ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر بھر کی طرف

سے ایک بکری ذبح کرتا تھا جس میں سے خود بھی کھاتا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا۔ (ترمذی)

مسنون عقیقہ

مؤطا کی روایت ہے کہ "صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ، کیا ہم اپنے شیر خوار بچوں کی طرف سے بھی قربانی کر سکتے ہیں؟ فرمایا "ہاں جو ایسا کرنا چاہے اپنے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔" نیز فرمایا: "ہر بچہ کے ذمہ اس کے عقیقہ کی قربانی ہے، لہذا چاہیئے کہ ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کی جائے، اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے،، خود آپ ﷺ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی طرف سے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی تھی۔

حضرت ابورافعؓ کی روایت ہے کہ پیدائش کے بعد آپ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے کان میں اذان دی تھی۔

فصل ۱۴

صدقات کا بیان

فرضیتِ زکوٰۃ

زکوٰۃ ہر مالدار پر فرض ہے، سونے چاندی میں، مال تجارت میں اور چوپائے جانور (اونٹ، گائے بیل، بھیڑ، بکری) میں سالانہ ایک مرتبہ کھیتی اور پھلوں میں تیاری کے وقت۔

تناسب زکوٰۃ

سب چیزوں کی زکوٰۃ برابر نہیں، بلکہ صاحبِ مال کی محنت کی کمی بیشی کے تناسب پر اس کا حساب رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جو دولت بغیر کسی محنت کے بطور دفینہ کے ہاتھ آجائے اس میں زکوٰۃ پانچواں حصّہ ہے، جو کھیتی یا باغ آبپاشی کی محنت کے بغیر تیار ہو اُس میں دسواں حصّہ ہے، لیکن جو ایسی نہ ہو اور آبپاشی کی محتاج ہو اس میں بیسواں حصّہ ہے۔ ایسا مال جس کی ترقی کے لئے لگاتار محنت مشقت کرنا پڑے اس میں چالیسواں حصّہ ہے۔

نصاب زکوٰۃ

ہر مال کا ایک نصاب مقرر کر دیا گیا ہے جس سے کم میں زکوٰۃ نہیں، چنانچہ سونے کا نصاب بیس مثقال (۷½ تولہ) ہے، چاندی کا دو سو درہم (۵۲½ تولہ) غلّہ اور پھل کا پانچ وسق (تقریباً چھ من)، بھیڑ بکری میں چالیس راس، گائے میں تیس، اونٹ میں پانچ۔

مستحقین صدقات

صدقات کا مستحق اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسم کے لوگوں کو قرار دیا ہے: فقیر، محتاج، زکوٰۃ کے محصّل، نو مسلم جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو، غلام (غلامی سے آزاد ہونے کے لئے) قرضدار، مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافر۔

مصرف زکوٰۃ

سنّتِ نبویؐ یہ تھی کہ ہر جگہ کی زکوٰۃ وہیں کے مستحقین پر تقسیم کر دی جاتی، اگر کچھ بچ رہتی تو منگا کر دوسری جگہ بانٹ دیتے۔ جس کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ مستحق ہے اسے خود دے دیتے، اگر کوئی ایسا شخص طلب کرتا جس کا حال معلوم نہ ہوتا تو یہ کہتے ہوئے دے دیتے "مالدار اور کمانے کی صلاحیت رکھنے والے کے لئے زکوٰۃ نہیں ہے"۔

معمول نبویؐ

جب کوئی اپنی زکوٰۃ حاضر کرتا تو اُسے دعا دیتے، کبھی فرماتے: "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِیْهِ وَفِیْ اِبِلِهٖ" (خدایا اسے اور اس کے اونٹوں میں برکت دے) کبھی فرماتے: "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ" (خدایا اس پر تیری صلوٰۃ ہو)۔ زکوٰۃ میں اچھا مال چھانٹ کے نہ لیتے، صرف درمیانی درجہ کی چیزیں لینے کا حکم دیتے تھے۔

ممانعت واجازت

صدقہ دینے والے کو خود اپنا صدقہ خرید نے سے منع کرتے۔ مالدار کے لئے اجازت تھی کہ اس صدقہ سے فائدہ اٹھائے جو غریب کو دیا جائے اور غریب اسے ہدیہ کر دے، چنانچہ بریرہؓ کو لوگوں نے کچھ گوشت صدقہ دیا، اس نے آپؐ کی خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کیا، آپؐ نے اس میں سے تناول کیا اور فرمایا "بریرہؓ کے لئے صدقہ ہے، مگر ہمارے لئے اس کی طرف سے تحفہ ہے" کبھی زکوٰۃ پر مسلمانوں کے کاموں کے لئے قرض لیتے تھے، کبھی خود زکوٰۃ صاحب مال سے پیشگی لے لیتے تھے جیسا کہ حضرت عباسؓ کے ساتھ ہوا جن سے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی لے لی تھی۔

محصلین کا تعین

تحصیلدار صرف ان لوگوں کے ہاں بھیجتے تھے جن کے پاس محسوس دولت ہوتی مثل زراعت، باغات، مویشی وغیرہ۔ نخلستان کے مالکوں کے ہاں اندازہ لگانے والوں کو بھیجتے تھے جو پوری طرح دیکھ بھال کرنے کے بعد اندازہ لگاتے تھے کہ اس باغ میں کتنی کھجور ہو گی، مگر ساتھ ہی انہیں یہ حکم بھی تھا کہ ایک ثلث یا ربع چھوڑ کر اندازہ لگائیں تاکہ آفاتِ سماوی سے جو نقصان ہو وہ تخمینہ میں نہ آئے اور مالکوں پر ظلم نہ ہو، تخمینہ کے بعد پھر مالکوں کی کوئی نگرانی نہ ہوتی تھی، وہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے اور آخر میں آ کر زکوٰۃ پیش کر دیتے تھے۔

رشوت ستانی

خیبر کے یہودیوں سے سالانہ خراج لیا جاتا تھا اور عبداللہ بن رواحہؓ کو ان کے کھیتوں اور باغوں کے معائنہ اور تخمینہ کے لئے بھیجا کرتے تھے، کبھی کبھی یہ لوگ حضرت

عبداللہ بن رواحہؓ کو رشوت دینا چاہتے تو وہ فرماتے "حرام کا لالچ دلاتے ہو! بخدا میں افضل ترین انسان کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں اور تم میرے نزدیک بدترین خلائق اور بندروں اور سوئروں سے بھی ادنیٰ ہو، لیکن اُس انسانِ کامل کی محبّت اور تمہاری عداوت مجھے ظلم بھی نہ کرنے دے گی، جو انصاف کی بات ہوگی وہی کرونگا" اس پر وہ لوگ کہتے "ایسے ہی انصاف سے زمین و آسمان قائم ہیں۔"

وجوب صدقہ فطر

صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے، اپنی طرف سے اور ان لوگوں کی طرف سے جن کی کفالت کرتا ہے۔ اس کی مقدار چھوارے، خشک انگور، پنیر یا جَو سے ایک صاع[1] ہے۔

امام احمدؒ و ابوداؤد کی روایت ہے کہ گیہوں کا ایک صاع دو آدمیوں کا صدقہ ہے۔

وقت ادائے فطری

سنّت نبویؐ یہ تھی کہ نماز عید سے پہلے صدقہ نکالتے تھے، حدیث میں ہے:
"نماز سے پہلے صدقہ دینا بمنزلہ زکوٰۃ مقبول ہے اور نماز کے بعد محض ایک عام خیرات۔"

صحیحین میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ "رسول اللہؐ نے نماز سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا ہے۔" ان دونوں حدیثوں سے مترشح ہوتا ہے کہ نماز کے بعد تک تاخیر جائز نہیں، اس کے خلاف قربانی کا وقت نماز کے بعد قرار دیا گیا ہے، پس جس طرح نماز کے بعد صدقہ فطر کی حیثیت ایک معمولی صدقہ کی ہو جاتی ہے اسی طرح نماز سے پہلے قربانی کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک بکری ہے جو گوشت کھانے

---

[1] صاع کا وزن قریباً ڈھائی سیر ڈھائی چھٹانک ہوتا ہے۔

کے لئے ذبح کی گئی ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ میں صدقۂ فطر صرف مسکینوں پر تقسیم کیا جاتا۔

آپ ﷺ کی خیرات

جود و سخا میں حضور اقدس ﷺ تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے، کبھی یہ نہیں ہوا کہ کسی نے کچھ سوال کیا ہو اور پورا نہ کر دیا ہو، عام اس سے کہ پاس زیادہ ہو یا کم، چیز دے کر اتنی مسرت ہوتی تھی جتنی خود لینے والے کو نہ ہوتی تھی۔

سخاوت کے مختلف طریقے تھے، کسی کو ہبہ کے نام سے دیتے، کسی کو صدقہ کے طور پر، کسی کو ہدیہ کہہ کر، بارہا یہ ہوتا کہ چیز خریدتے اور قیمت زیادہ دے دیتے یا چیز اور قیمت دونوں بخش دیتے، قرض لیتے تو اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر ادا کرتے۔

10000
10000

فصل ۱۵

قرآن پڑھنا اور سُننا

تلاوتِ قرآن

قرآن شریف کی ایک حزب مقرر تھی جسے آپؐ ہمیشہ پڑھتے اور کبھی ناغہ نہ کرتے قرأت میں ترتیل ملحوظ رہتی تھی "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم" سے شروع کرتے تھے۔ قرآن بجز جنابت کے ہر حال میں پڑھتے عام اس سے کہ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، ٹیک لگائے ہوں یا بے وضو ہوں۔ قرآن خوش الحانی اور لَے سے پڑھتے اور فرماتے تھے "قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو، جو قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں" اور فرمایا "خدا نے ایسی کوئی اجازت نہیں دی جیسی خوش آواز نبیؐ کو دی ہے جو قرآن گا کے پڑھتا ہے" (یعنی خدا اس طرح کوئی چیز نہیں سنتا جس طرح خوش آواز نبیؐ کا قرآن سنتا ہے)۔

سماعِ قرآن

دوسروں سے قرآن سننا زیادہ پسند کرتے تھے، ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ کو قرآن سُنانے کا حکم دیا، انہوں نے پڑھا، آپؐ پر رقت طاری ہو گئی یہاں تک کہ آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ ایک رات ابو موسیٰ اشعری کا قرآن سُنا، صبح انہیں اس کی اطلاع دی تو عرض کرنے لگے "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضورؐ سن رہے ہیں تو خوب اچھی طرح پڑھتا"[1]

☼

---

[1] تلاوت قرآن اور تغنّی بالقرآن سے مقصود اس طرح قرآن پڑھنا ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والے کے قلب پر اثر ہو، بہت سے "ترتیل" اور "تغنّی" سے یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ حلق سے قرآن پڑھا جائے یا موسیقی کے اصول اس میں برتے جائیں، ہندوستان میں عربی لہجہ نہ ہونے کی وجہ سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ حرف حلقی کو غیر طبیعی طریقہ سے ادا کرنے اور بتصنع قرآن پڑھنے کو قرأت سمجھتے ہیں جس کے سننے سے کبھی ہنسی آتی ہے کبھی غصہ آتا ہے اور کبھی مسکین "قاری" پر رحم آتا ہے۔ کاش لوگ صحیح طور پر فن تجوید سیکھتے، یا اس طرح توڑ مروڑ کر قرآن پڑھنے کی بجائے سادگی سے پڑھتے۔ سادگی ہر حال میں مستحسن ہے۔ (مترجم)

فصل ۱۶

عیادت کا بیان

آپؐ کا معمول

اصحابؓ میں اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ ایک یہودی لڑکا آپؐ کی خدمت کیا کرتا تھا، بیمار ہو گیا تو عیادت کو تشریف لے گئے، اور دعوتِ اسلام پیش کی، اس نے قبول کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ آپؐ کے چچا ابو طالب مشرک تھے ان کی بھی عیادت کی اور اسلام کی دعوت دی۔

عیادت کا طریقہ

عیادت کا طریقہ یہ تھا کہ مریض کے پاس جاتے اور اُس کے سرہانے کی طرف بیٹھتے، حال پوچھتے، صحت کی دعا کرتے، روایت ہے کہ مریض سے یہ بھی دریافت کرتے کہ کچھ کھانے کی اشتہا ہے؟ اگر کوئی ایسی چیز بتاتا جو مضر نہ ہوتی تو دینے کا حکم دے دیتے۔ جب کسی مریض کی عیادت کرتے تو فرماتے" لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْشَاءَ اللّٰهُ " (اندیشہ نہیں، انشاء اللہ صحت ہے) عیادت کے لئے کوئی خاص دن یا وقت مقرر نہ تھا۔

جب مریض سے مایوس ہو جاتے فرماتے" اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ "

فصل ۱۷

تجہیز و تکفین کا بیان

آپؐ کا معمول

آخر وقت میں بیمار کو خدا اور آخرت یاد دلاتے، وصیت اور توبہ کی ہدایت کرتے اور لوگوں سے فرماتے کہ اس سے کلمۂ شہادت کہلاؤ تاکہ اس کی آخری گفتگو یہی ہو جب موت واقع ہو جاتی تو جاہل اور کافر قوموں کی طرح منہ پیٹنے، کپڑے پھاڑنے اور ڈاڑھیں مار مار کر رونے سے منع کرتے۔

رہا دل کا رنجیدہ ہونا اور اس طرح رونا کہ آواز نہ نکلے تو خود آپؐ سے ثابت ہے، آپؐ پر بھی یہ کیفیت طاری ہوتی تھی اور فرماتے تھے:

تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ إِلَّا مَا يُرْضِي الرَّبَّ"	آنکھ روتی ہے، دل کڑھتا ہے، مگر ہم کہیں گے وہی جس سے پروردگار راضی ہو۔

سنتِ نبویؐ یہ تھی کہ ایسے حادثوں پر بھی خدا کا شکر ادا کرتے، اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتے اور وہی کہتے جس میں اللہ کی خوشنودی ہو۔

کفنانے کا طریقہ

کفنانے کا طریقہ یہ تھا کہ مردہ کی آنکھیں بند کر دیتے اور چہرہ اور جسم چھپا دیتے مردہ کا بوسہ لینا بھی ثابت ہے، مردہ کو خدا کے گھر پہنچانے میں جلدی کرتے، اسے پاک کرتے، خوشبو ملتے، اور سفید کپڑے میں کفناتے، پھر نماز جنازہ پڑھتے۔

شہید اور مُحرم کی تکفین

شہید کو نہ نہلاتے جیسا کہ امام احمدؒ کی روایت میں ہے "کہ شہید کو غسل دینے کی ممانعت فرمائی ہے"۔ البتہ چمڑے اور لوہے کی چیزیں اس سے علیحدہ کرا دیتے، پھر اسی کے کپڑوں میں بغیر نماز پڑھے اُسے سپرد خاک کر دیتے۔ محرم (حج کے لئے احرام باندھے ہوئے آدمی کو) اگر مر جاتا تو اسے پانی اور بیری کی پتّی سے غسل دینے، احرام ہی کے کپڑوں میں کفنانے اور اس کا سر ڈھکنے کا حکم دیتے مگر خوشبو لگانے سے منع فرماتے۔

کفن کا کپڑا

قیمتی کفن دینے سے منع کیا ہے، خود اس وقت کی حالت یہ تھی کہ آپؐ کے صحابہؓ کو کفن بھر کپڑا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا، چنانچہ رسولؐ خدا نے صحابہؓ کو اس حال میں بھی دفن کیا ہے کہ پورا کفن موجود نہ تھا، اگر سر ڈھکتے تو پیر کھل جاتے تھے، ایسے موقعہ کے لئے سنت یہ تھی کہ سر چھپا دیا جاتا اور پیروں پر سبز گھاس ڈال دیتے[1]۔

---

[1] اللہ اللہ! رسولؐ کے صحابیؓ اس طرح دفن ہوں، اور ہمارے ہاں کے امرا اپنے کفن دفن میں اتنا اسراف کریں! لوگ مرنے والوں پر سینکڑوں ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہیں ثواب پہنچ رہا ہے، حالانکہ زندہ فقر و فاقہ کی مصیبت سے مر رہے ہیں اور ہر طرح مردوں سے زیادہ اس مال کے مستحق ہیں مگر ان پر کوئی خرچ نہیں کرتا۔ ہماری قوم کے گھر برباد ہیں مگر مقبرے آباد ہیں، مسجدیں

جنازۂ مسنون

جنازہ کی نماز ہمیشہ مسجد کے باہر پڑھتے تھے الاّیہ کہ کسی وجہ سے مسجد میں پڑھنے پر مجبور ہو جائیں۔ جب کوئی جنازہ حاضر کیا جاتا تو پہلے دریافت کرتے کہ میت مقروض تو نہیں؟ اگر ہوتا تو خود جنازہ میں شریک نہ ہوتے مگر صحابہؓ کو اجازت دے دیتے، یہ اس لئے کہ آپؐ کی نماز درحقیقت مردہ کے لئے شفاعت کا حکم رکھتی تھی، مُردہ بغیر اس کے کہ اس کا قرض ادا ہو جنت میں نہیں جا سکتا، پھر آپؐ اس کی شفاعت کیونکر کر سکتے تھے؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مالی حالت درست کر دی تو آپؐ سب کا قرض ادا کرتے اور سب کے جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے، میت کا قرض اپنے ذمہ لے لیتے، اور اس کا مال ومتاع وارثوں کو دے دیتے تھے۔

طریقۂ نمازِ جنازہ

جب جنازہ کی نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے، حمد وثنائے الٰہی کرتے اور میت کے حق میں دعا مانگتے۔ عموماً چار تکبیریں کہتے تھے لیکن مسلم کی روایت ہے کہ پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کے متعلق روایت موجود ہے چنانچہ ابن عیینہؒ سے روایت ہے کہ صحابہؓ اہل بدر پر پانچ، چھ اور سات تکبیریں کہتے تھے، یہ تمام احادیث

(نوٹ بقیہ صــــ) ویران ہیں، تعلیم گاہیں مفقود ہیں اور جو ہیں سسک رہی ہیں، مگر قبروں پر چاندی سونا پڑا اُلٹ رہا ہے، کاش یہ لوگ اپنی دولت مفید کاموں میں صرف کرتے جس سے خدا بھی خوش ہوتا اور قوم کی حالت بھی سُدھرتی، اگر صرف دس سال کے لئے مسلمان، عرس اور نیاز فاتحہ بند کر دیں، اس کے مصارف قومی کاموں میں دے دیں تو بالکل حالت بدل جائے اور پھر کسی چندہ کی حاجت نہ رہے۔ لیکن یہ دعوت سُنے کون؟ کہیں زندگی ہو تو جواب ملے! (مترجم)

آثار صحیح ہیں اس لئے چار تکبیروں سے زیادہ بھی کہی جا سکتی ہیں، ممانعت کرنے کی کوئی وجہ نہیں خصوصاً جب کہ خود رسول اللہ ؐ اور صحابہؓ نے ایسا کیا ہے۔

جنازہ میں فاتحہ و درود

ابن عباسؓ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی تو پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ باآواز بلند پڑھی اور لوگوں سے کہا "یہ اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ بھی سنّت ہے"!

صحابہؓ کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ نماز جنازہ میں درُود بھی پڑھنا چاہیئے۔

نمازِ جنازہ سے مقصود

نمازِ جنازہ سے مقصود میّت کے لئے دُعا کرنا ہے۔ بعض دعائیں آپ ؐ سے مروی ہیں، مثلاً:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ وَاغْسِلْہُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَاَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ"	خدایا اس کی مغفرت کر، اس پر رحم کر، اسے بچا، معاف کر، اس کا اترنا اچھا کر، اس کا دروازہ کشادہ کر، اسے پانی، برف اور یخ میں غسل دے، جنّت میں داخل کر، قبر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

نیز یہ دعا:

اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَالسُّنَّۃِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ، اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ"	خدایا ہم میں سے تو جسے زندہ رکھے، اسلام اور سنّت پر زندہ رکھ، اور جسے موت دے ایمان پر دے، خدایا اس کے ثواب سے ہمیں محروم نہ کر، اور اس کے بعد ہمیں امتحان میں نہ ڈال۔

نیز یہ دعا:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّھَا وَاَنْتَ خَلَقْتَھَا وَ اَنْتَ ھَدَیْتَھَا لِلْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَھَا وَتَعْلَمُ سِرَّھَا وَعَلَانِیَتَھَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَھَا۔

الٰہی، تو ہی اس کا رب ہے، تو ہی نے اسے پیدا کیا، تو ہی نے اس کی اسلام کی طرف رہنمائی کی، اور اب تو ہی نے اس کی روح قبض کرلی تو اس کا ظاہر باطن جانتا ہے، ہم شفاعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں، اسے بخش دے۔

نماز جنازہ کی قضاء

سنّت یہ تھی کہ اگر جنازہ کی نماز فوت ہو جاتی تو قبر پر جا کر نماز پڑھتے تھے، اس کے لئے کسی خاص وقت کی قید نہ تھی، جب موقعہ مل جاتا نماز پڑھ آتے چنانچہ ایک دن بعد بھی پڑھی ہے، تین دن بعد بھی اور ایک مہینہ بعد بھی۔ مردہ اگر مرد ہوتا تو نماز میں اسی کے سر کے پاس کھڑے ہوتے، اگر عورت تو کمر کے پاس۔ بچہ کی نماز جنازہ بھی پڑھتے اور فرماتے "اپنے بچّوں کی نماز پڑھو کیونکہ تمہارے لئے جنّت میں پیش خیمہ ہوں گے۔" (ابن ماجہ) خودکشی کرنے والے اور مال غنیمت چرانے والے پر نماز نہ پڑھتے تھے۔

جنازہ کے بعد

جب نماز جنازہ پڑھ چکتے تو مقبرہ تک اس کے ساتھ آگے آگے پیدل جاتے حکم دیا ہے کہ سوار میّت کے پیچھے چلیں اور پیدل اس کے قریب میں آگے پیچھے، دائیں بائیں جدھر چاہیں چلیں۔ جنازہ کے جلد جلد لے جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ رہا آجکل لوگوں کا رینگ کر خراماں خراماں قدم اٹھانا تو یہ ایک بدعت ہے جس کا ترک ضروری ہے، حضرت ابوبکرؓ تو ایسے لوگوں کو درّے لگاتے اور فرماتے تھے "ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے

ر جنازے تیز تیز لے جاتے تھے

ر کے متعلق ہدایت

قبر کے متعلق سنت یہ تھی کہ وہ گہری، چوڑی اور برابر ہوتی تھی، قبر کا اونچا بنانا پختہ یا خام اینٹوں اور پتھروں سے تعمیر کرنا سنتِ نبویؐ میں نہ تھا، بلکہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو خاص اس مقصد سے یمن بھیجا تھا کہ جو بت مل جائے توڑ دیں اور جو بلند قبر مل جائے گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ قبر پر چونا لگانے، عمارت بنانے اور کتبہ لگانے سے منع کیا ہے، سنت یہ تھی کہ جس کسی قبر یاد رکھنا ہوتی، اس پر پتھر کی نشانی رکھ دیتے تھے۔

قبر میں رکھنے کا طریقہ

میت کو قبر میں رکھتے تو فرماتے " بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ " طلوع و غروب اور بیچ دوپہر کے اوقات میں دفن کرتے تھے۔ دفن سے فارغ ہوتے تو مع صحابہؓ کے واپس آتے اور میت کے قبر میں ثابت قدم رہنے کے لئے دعا فرماتے۔ آجکل کی طرح قبر کے پاس میت کی تلقین یا قرآن خوانی کے لئے بیٹھنا سنت میں نہ تھا رہی طبرانی کی ابی امامہؓ سے روایت کہ رسول اللہؐ نے میت کی تلقین کا حکم دیا ہے تو اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔

میت کے عزیز و اقارب کی تعزیت فرماتے تھے اس کے لئے نہ تو مجلس کرتے نہ قرآن خوانی کے لئے کہیں جمع ہوتے تھے۔ میت والوں پر لوگوں کے کھانے کا بار نہ ڈالتے بلکہ دوسروں کو حکم دیتے کہ کھانا پکوا کے اُن کے ہاں بھیج دیں۔

فصل ۱۸

زیارتِ قبور کا بیان

مشروع زیارت

جب قبورِ صحابہؓ کی زیارت کو تشریف لے جاتے تو اُن کے حق میں دعا کرتے اور خود افسوس کرتے اور عبرت حاصل کرتے، یہی وہ زیارتِ قبور ہے جو اُمت کے لئے مشروع کی ہے اور اس میں یہ کہنے کا حکم دیا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَ لَکُمُ الْعَافِیَۃَ۔"	اے دیار مومنین ومسلمین کے رہنے والو تم پر سلام ہو، ہم انشاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں، اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت چاہتے ہیں۔

قبروں کی توہین و تعظیم

سنتِ نبویؐ یہ ہے کہ قبروں کی توہین نہ کی جائے، انہیں روندنا، ان پر بیٹھنا یا ان سے ٹیک لگانا ممنوع ہے۔ قبروں کی تعظیم بھی ممنوع ہے، انہیں مسجد بنا

بنا، ان کے پاس یا ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا، عرس کرنا، لوگوں کا ان کے گرد جمع ہونا، روشنی کرنا، یہ سب باتیں ناروا ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔

ہ لیکن آجکل کیا ہو رہا ہے، پوری قبر پرستی جاری ہے، قبروں پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی ہیں، جن میں نقرئی وطلائی دروازے لگائے ہوئے ہیں، سنگ مرمر کا فرش ہے، قیمتی چادریں اور پردے لٹکے ہوئے ہیں، مسلمان ان کے گرد طواف اور رکوع وسجود وقیام میں مصروف ہیں، منتیں مانی جاتی ہیں، دعائیں کی جاتی ہیں، اور خدا سے زیادہ اصحاب قبور پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ جس بات پر دل شق ہوتا ہے وہ بہت سے مدعیانِ علم وتصوف کا طرز عمل ہے، یہ لوگ اپنی ذاتی اغراض ومنفعت کیلئے قبر پرستی کو اور بھی رواج دیتے ہیں، جھوٹی اور موضوع حدیثوں سے اس کا جواز ثابت کرتے ہیں اور طرح طرح کی ضلالتوں اور فریبوں سے کام لے کر عوام کو اسی گمراہی میں باقی رکھنا چاہتے ہیں، اگر کوئی خدا کا بندہ اس بدعت وضلالت پر معترض ہوتا ہے تو اسے "وہابی" "نیچری" "دہریہ" طرح طرح کے نام دیتے اور عوام میں بدنام کرتے ہیں، حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ محض دنیائے دوں پر اپنی آخرت بگاڑ رہے ہیں، اور اسلام کی توہین وتنزل کے خود باعث بن رہے ہیں۔ حال میں ایک واقعہ سننے میں آیا جس سے نہایت عبرت ہوئی، مسلمانوں کی عبرت کے لئے درج کرتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۲۰ء میں جب کہ اکثر ہندو مسلم لیڈر عرس کے موقعہ پر اجمیر گئے تھے تو ان میں سے یو۔ پی کے سب سے بڑے ہندو لیڈر نے عرس کی تمام رسمیں اور مزار کے گرد لوگوں کا طواف وسجود دیکھ کر انتہائی مسرت اور خلوص نیت سے کہا "لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے، لیکن آج یہاں کی حالت دیکھنے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد بالکل ممکن ہے، کیونکہ درحقیقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں واقعی کوئی فرق نہیں، ہم بتوں کے سامنے جھکتے ہیں اور مسلمان قبروں

(نوٹ بقیہ ص ___) کے سامنے ہمارے رام، لچھمن، کرشن اور مہادیو ہیں، اور مسلمانوں کے ...
پھر ہم میں اور مسلمانوں میں فرق ہی کیا رہا، صرف ناموں کا فرق ہے جو حقیقت میں کوئی وقعت نہ
رکھتا!!" یہ اس نیک دل ہندو رہنما کا خیال ہے جو اجمیر کی حالت دیکھ کر اسے پیدا ہوا، مسلمانوں کے
پاس اس کا کیا جواب ہے؟ تعجب ہے کہ انسان، خدا کو حاضر و ناظر، سمیع و بصیر، حی و قدیر اور ا
شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تسلیم کر لینے کے بعد غیر اللہ کی طرف کیوں رجوع کرتا ہے؟ کیا یہ قبریں خد
زیادہ قدرت رکھتی ہیں؟ کیا یہ بزرگ خدا سے سفارش کر سکتے ہیں؟ کیا معاذ اللہ تمہارے ظاہر و با
سے پوری طرح آگاہ نہیں جو اسے ان مرے ہوئے آدمیوں کی یاد دہانی کی ضرورت ہو؟ پھر انسا
عظمت و خودداری کے یہ بالکل منافی ہے کہ انسان پتھر کے بتوں یا اینٹ اور چونے کی قبروں کے
سامنے جھکے جو اپنے اوپر سے ایک مکھی بھی اڑانے کی قدرت نہیں رکھتیں! مسلمان روتے ہیں کہ ت
تباہ حال ہیں، مگر جب تک تم یہ کفر و شرک و وہم پرستی نہ چھوڑو گے اس وقت تک خوشحالی و سرخر
سے دوچار نہ ہو سکو گے۔ اپنی بربادی کی تاریخ پر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ اس کا آغاز اس
وقت سے ہوا جب سے تم میں یہ باتیں آئیں، سینکڑوں برس قبر پرستی کا بھی تجربہ کر چکے ا
دن دونی رات چوگنی بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، کیوں نہ ایک مرتبہ خدا پرستی کا بھی ت
کر لو کہ جس میں ایک مرتبہ (صدر اول میں) کامیاب ہو چکے ہو، اور ایسے کامیاب کہ اب تک
تمہاری افسانہ خواں ہے! (مترجم)

فصل ۱۹

جہاد کا بیان

قسمیں

جہاد کی چار قسمیں ہیں: جہادِ نفس، جہادِ شیطان، جہادِ کفار، جہادِ منافقین۔

جہادِ نفس

جہادِ نفس کے چار درجے ہیں: نفس کو ہدایت و حق کی جستجو پر مجبور کرنا کہ جس کے بغیر نہ دین کی سعادت ممکن ہے نہ دنیا کی۔ پھر علم کے بعد عمل کے لئے نفس پر جبر کرنا۔ علم و عمل کے بعد تعلیم و دعوتِ حق میں مصروف ہونا ورنہ صاحبِ حق ان بدبختوں میں گنا جائے گا۔ جو اللہ کی اتاری ہوئی ہدایت کو چھپاتے ہیں۔ چوتھا اور آخری درجہ یہ ہے کہ دعوت کی راہ میں جو مصائب و آلام پیش آئیں انہیں صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے کیلئے نفس کو آمادہ کرنا۔ جس خوش نصیب نے جہادِ نفس کے یہ چاروں مرحلے کامیابی سے طے کرلئے "ربانی" ہوگیا!

جہادِ شیطان: جہادِ شیطان کے دو درجے ہیں: شیطان ایمان کے اندر شکوک و

شبہات پیدا کیا کرتا ہے، اس معرکہ میں اس سے دست وگریبان ہونا یہ پہلا درجہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ شیطان کی طرف سے جن فاسد ارادوں اور شہوتوں کی تلقین ہوتی ہے، اُن کے ردّ کرنے میں جدوجہد کرنا۔ پہلے درجہ میں کامیابی "یقین" پیدا کرتی ہے اور دوسرے درجہ میں کامرانی اپنے ساتھ "صبر" لاتی ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ۔ (۳۲ : ۲۴)

اور بنا دیئے ہم نے ان میں سے امام جو راہ چلاتے ہمارے حکم سے، کیونکہ انہوں نے صبر و استقامت دکھائی اور یقین کرتے رہے ہماری نشانیوں پر۔

اس سے واضح ہو گیا کہ دین کی امامت وقیادت صرف "صبر" اور "یقین" کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے، صبر، شہوات وارادات فاسدہ کو دفع کرتا ہے اور یقین، شکوک وشبہات سے قلب کو پاک کرتا ہے۔

جہادِ منافقین وکفار

جہادِ منافقین وکفار کے بھی چار درجے ہیں: قلب[۱] سے، زبان[۲] سے، مال[۳] سے، جان[۴] سے۔ حدیث میں ہے: "جو کوئی جہاد کے بغیر یا کم از کم اس کی تمنا کئے بغیر مر جائے اُس کی موت نفاق کے ایک حصہ پر ہوئی"۔ جہاد ہجرت سے مکمل ہوتا ہے اور ہجرت وجہاد دونوں ایمان کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں۔

جہادِ اربعہ کی توفیق

جہاد کی ان تمام قسموں کی توفیق صرف انہیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو رحمتِ الٰہی کے اُمیدوار اور قربِ خداوندی کے لئے بے قرار ہوتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (۲ : ۲۱۸)

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں، وہی اللہ کی رحمت کی امید کرتے ہیں۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔

جہاد کی فرضیت

جہادِ نفس اور جہادِ شیطان فرض عین ہے، کوئی فردِ بشر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ جہادِ کفار و منافقین کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ، اگر ضرورت کے مطابق لوگ اس میں مشغول ہوں تو باقی پر فرض نہیں ہوتا، لیکن اگر یہ صورت نہ ہو تو سب پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

کامل ترین انسان

خدا کے نزدیک کامل ترین انسان وہ ہے جو جہاد کی ان تمام قسموں اور مرتبوں میں کامل اترے، پھر کمال کے بھی درجے ہیں، بعض معمولی ہیں، بعض بلند ہیں، بعض بلندتر ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ جہاد کی ان سب قسموں میں بلندترین درجہ حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپؐ تمام انسانوں سے افضل و اشرف تھے۔ آپؐ بعثت کے وقت سے وفات کے دن تک اللہ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرتے رہے۔

جہاد کا عملی پیکر

چنانچہ جوں ہی آیت "یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَاَنْذِرْ"[1] (۷۴ : ۱-۲) نازل

---

[1] کمبل میں لپٹے ہوئے اٹھ اور ڈرا۔

ہوئی اور تبلیغ رسالت کا فرمانِ خداوندی پہنچا، فی الفور اٹھ کھڑے ہوئے اور دعوتِ حق دینے لگے۔ یہ شروع میں خفیہ تھی، لیکن جب آیت "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" (۱۵: ۹۵) نازل ہوئی تو علانیہ دعوت دینے اور دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں اعلانِ حق کرنے لگے۔

کفار نے جب دیکھا کہ ان کے آبائی دین کی برملا مذمت ہوتی ہے تو غیظ و غضب سے بھر گئے اور رسول اللہؐ اور پیروان اسلام کو سخت سے سخت تکلیفیں دینے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو تسکین دی کہ گھبرانے اور مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں، تمام انبیاء کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے کہ جھٹلائے گئے اور گوناگوں مصائب میں مبتلا کئے گئے:

"مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ" (۴۱: ۴۳) — تمہیں بھی وہی کہا جا رہا ہے جو تم سے پہلے رسولوں کو کہا جا چکا ہے۔

اور فرمایا:

"كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ" (۵۱: ۵۲، ۵۳) — اسی طرح جب ان سے پہلوں کے پاس رسول پہنچا، انہوں نے اسے یا تو ساحر کہا یا مجنون۔ کیا وہ ان کو وصیت کر گئے ہیں؟ بلکہ وہ سرکش قوم ہے۔

نیز مسلمانوں کی دلدہی کے لئے فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ — کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اب تک اگلوں کی سی

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔

(۲ : ۲۱۴)

حالت تمہاری نہیں ہوئی کہ جنہیں مصائب وآلام پہنچے اور بالکل ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی مومنین چیخ اٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ ہاں، اللہ کی نصرت قریب ہے۔

اور فرمایا:

الٓمّٓ ؕ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔

(۲۹ : ۱، ۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بغیر امتحان کے صرف ادّعائے ایمان پر چھوڑ دیئے جائیں گے؟ حالانکہ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کو ہم نے امتحان میں ڈالا، البتہ اللہ سچوں کو جھوٹوں سے معلوم کر کے رہے گا۔

جہاد بالقرآن

رسولِ خدا اور مسلمان راہِ حق میں برابر مصائب جھیلتے اور وعدۂ الٰہی کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی فتح و کامرانی کے لئے پہلے سے ایسا بندوبست کر رکھا تھا جو کسی کے وہم میں نہ تھا۔

مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ عرب کے دو مشہور قبیلے اُوس اور خزرج رہتے تھے۔ باہم نفرت و عداوت تھی۔ یہودی کہا کرتے تھے: "ٹھیر جاؤ، عنقریب ایک نبی پیدا ہونے والا ہے، ہم اُس کی پیروی کریں گے اور اس کے زیرِ علم تمہیں عاد اور ثمود کی طرح بے دردی سے ہلاک کر ڈالیں گے!"

اُوس وخزرج باقی قبائلِ عرب کی طرح سالانہ حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے۔ ایک سال رسول اللہؐ نے انہیں بھی دعوت دی تو وہ چونکے اور آپس میں کہنے لگے، ”ہو نہ ہو یہی وہ نبیؐ ہے جس سے یہودی ہمیں ڈرایا کرتے ہیں، ایسا نہ ہو انہیں خبر ہو جائے ایمان لے آئیں اور ہم پیچھے رہ جائیں“ اس طرح اِن مدنیوں کی خدا نے اسلام کی طرف رہنمائی کی، وہ مسلمان ہوئے اور عہد باندھا کہ ہمیشہ آپؐ کی امداد و اعانت پر کمربستہ رہیں گے۔ چنانچہ تیرہ سال مکہ میں جہاد بالقرآن کرنے کے بعد حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

جہاد بالسّیف

مدینہ پہنچ کر مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم کیا، پھر وہاں کے تینوں یہودی قبیلوں: بنو قینقاع، بنو النضیر، بنو قریظہ سے امن وصلح کا تحریری معاہدہ کیا، مگر انہوں نے عہد شکنی کی، جنگ کی اور اسلام کے مقابلہ میں مشرکین عرب کا ساتھ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ذلیل وخوار ہوئے۔ بنو قینقاع کو تو حضورؐ نے احسان کر کے چھوڑ دیا، بنو نضیر کو کو جلاوطن کیا اور بنو قریظہ تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔

باب ۳

غزواتِ اسلامیہ

فصل ۱

غزوۂ بدر[1] کا بیان

اسبابِ جنگ

رسول اللہؐ کو اطلاع پہنچی کہ ملکِ شام سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں آرہا ہے۔ اس قافلہ میں بے شمار مال دولت تھی اور یہ وہی قافلہ تھا جسے مکہ سے شام جاتے ہوئے مسلمانوں نے روکنا چاہا تھا مگر اتفاقیہ بچ نکلا تھا۔ اب اس کی واپسی کی خبر ملی تو آپؐ نے لوگوں کو چلنے کی دعوت دی اور تین سو سے کچھ زیادہ آدمی لے کر روانہ ہوگئے جو سب کے سب پیدل تھے، سوار کوئی بھی نہ تھا صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ ساتھ تھے جن پر باری باری بیٹھتے تھے۔

جب مقام صفرا میں پہنچے تو دو جاسوس خبر لانے کو بھیجے۔ اُدھر ابوسفیان کو بھی آنحضرتؐ کے ارادے کی خبر پہنچ چکی تھی اور اس نے ضمضم بن الغفاری کے ذریعہ اہل مکہ کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہوں نے جوں ہی یہ سُنا اپنے قافلہ کو بچانے

---

[1] غزوات بالخصوص غزوۂ بدر کی بحث سیرۃ النبیؐ مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی میں ضرور دیکھنی چاہیے (امجم)

کے لئے کمربستہ ہو گئے، سرداروں میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تھا جو فوج میں آکر شامل نہ ہو گیا ہو، صرف ایک ابولہب نہ جا سکا اور اُس نے اپنی جگہ پر دوسرا شخص بھیجدیا صرف یہی نہیں بلکہ گردوپیش کے قبائل عرب کو بھی دعوت دی گئی، بنی عدی کے علاوہ تمام قبائل نے لبیک کہا اور سب جمع ہو کر بڑے کرّوفر کے ساتھ چلے

آنحضرتؐ کو جب قریش کے اس سازوسامان سے چلنے کا حال معلوم ہوا تو صحابہؓ کے سامنے صورت حال پیش کر کے مشورہ طلب کیا۔ مہاجرین نے نہایت دل خوش کُن جواب دیا مگر انصار چپ رہے۔ آپؐ نے پھر پوچھا تو مہاجرین بول اٹھے مگر انصار بدستور خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب پھر سوال کیا تو انصار سمجھ گئے کہ ہم سے جواب چاہتے ہیں، چنانچہ سعد بن معاذؓ کھڑے ہو گئے اور کہا "یارسول اللہ، معلوم ہوتا ہے آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے" اور واقعہ بھی یہی تھا کیونکہ انصار نے صرف مدینہ کے اندر حفاظت و حمایت کا وعدہ کیا تھا اور اب معاملہ مدینہ سے باہر درپیش تھا۔

سعدؓ نے کہا "شاید آپؐ یہ سمجھتے ہیں کہ انصار، مدینہ کے باہر آپؐ کی حمایت و اطاعت ضروری نہیں سمجھتے، لیکن میں انصار کی طرف سے کہتا ہوں کہ آپؐ جہاں چاہے جائیے، جس سے چاہئے ملئے، جس سے چاہئے لڑئے، جتنا چاہتے ہیں دیجئے، جتنا چاہیئے ہم سے لیجئے اور جو چاہیئے ہمیں حکم دیجئے، ہم ہر حال میں تابع فرمان اور آپؐ کے ساتھ ہیں، آپؐ کی رسی سے ہماری رسی کی گرہ بندھ چکی ہے، ہم کسی حال میں بھی الگ نہیں ہو سکتے۔ بخدا اگر ہمیں سمندر میں بھی گھس جانے کا اشارہ کر دیں گے تو بھی ہم ہچکچائینگے نہیں بلکہ سیدھے گھستے چلے جائینگے!"

اسی موقع پر حضرت مقدادؓ نے کیا ہی خوب کہا تھا: "یا رسول اللہ، ہم وہ نہیں ہینگے جو موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (۵ : ۲۴) — جاؤ تم اور تمہارا خدا دشمنوں سے لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم آپؐ کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے لڑیں گے اور بے پروائی سے سرفروشی ریں گے!"

رسول اللہ نے یہ ہمت افزا جواب سُنے تو مسرت سے چہرۂ مبارک روشن ہو گیا ر فرمانے لگے: "مسلمانوں، چلو، تمہارے لئے بشارت ہے، اللہ نے دو میں سے (کاروان شکر قریش) ایک گروہ کے دے دینے کا مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے، میں دشمنوں کی بریدہ لاشیں دیکھ رہا ہوں!"

ابوجہل کا فیصلہ

ادھر مسلمان آگے بڑھ رہے تھے، ادھر ابوسفیان ساحل کی راہ سے ہو کر خطرہ ے بچ نکلا تھا جب اسے پوری طرح اطمینان ہو گیا تو قریش کو (جو بدر کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے) لکھا کہ لوٹ آئیں کیونکہ کارواں بالکل بچ گیا ہے۔

جحفہ میں قریش کو یہ خط مل گیا تھا اور انہوں نے لوٹنے کا ارادہ بھی کر لیا، مگر ابوجہل مانع ہوا اور کہنے لگا بخدا ہم بدر تک تو ضرور ہی جائینگے، وہاں اتریں گے، آرام ریں گے، عربوں کو خوب کھانے کھلائینگے تاکہ ہر طرف ہماری دھاک بیٹھ جائے۔

اخنس بن شریق نے ابوجہل کی تجویز کی سخت مخالفت کی اور واپسی پر بہت زور دیا مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی جس پر وہ ناراض ہو کر مع اپنے قبیلے کے لوٹ گیا۔

بنی ہاشم نے بھی واپسی کے لئے بہت ہاتھ پیر مارے مگر ابو جہل نے ایک نہ سنی اور کہنے لگا واللہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ کے ہرگز نہ جانے پاؤ گے!

رسول اللہؐ کی پیشقدمی

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پیش قدمی کرتے چلے آرہے تھے یہاں تک کہ شام کے وقت بدر کے قریبی کنوئیں پر پہنچ گئے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ کہاں اُترنا بہتر ہوگا؟ خباب بن المنذرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے اس علاقہ کا حال اچھی طرح معلوم ہے اگر اندر چل کر وسط میں اترنا پسند فرمائیں تو وہاں میٹھے پانی کی افراط ہے، ہم ابھی چل کر دشمن سے پہلے پہنچ جائیں گے، پانی پر قبضہ کرلینگے اور قرب وجوار کے کنوئیں توپ دیں گے۔

جستجوئے حالات

قریش بھی پانی پر قبضہ کرنے کی غرض سے تیز تیز چلے آرہے تھے مگر مسلمان پہلے پہنچ گئے اور اچھی جگہوں پر قبضہ کرلیا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر آپؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو حالات کی جستجو کے لئے بھیجا، وہ قریش کے دو غلام گرفتار کرلائے۔ آپؐ نے ان سے دریافت کیا کہ قریش کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا اس ٹیلے کے پیچھے۔ پوچھا کتنے ہیں؟ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ فرمایا "اچھا روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" انہوں نے کہا کسی دن دس اور کسی دن نو۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "تو ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے۔"

تائیدِ غیبی

اس رات مسلمانوں کے کوچ میں ایک بڑی سہولت اس تائید غیبی سے ہوئی

کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھول دیئے تھے۔ مگر دونوں سمتوں میں بارش کی حالت بالکل مختلف تھی، مسلمانوں کی طرف زور کم تھا، چھینٹے پڑ کے رہ گئے جس سے موسم خوشگوار ہوگیا، مجاہدین سے غبارِ سفر دور ہوگیا، دلوں اور جسموں میں تازگی آگئی، ریت بیٹھ کر زمین اس قابل ہوگئی کہ تیزی سے سفر ہوسکے. لیکن کفار کی طرف بارش موسلا دھار تھی جس سے اُن کے کوچ میں سخت دقت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ مسلمان ان سے پہلے ہی پہنچ گئے، جلد جلد حوض بنا کر پانی محفوظ کرلیا اور باقی کنوئیں بند کر دیئے۔

پیشین گوئی

اس موقعہ پر رسولِ خدا کے ٹھہرنے کے لئے سامنے کی پہاڑی پر سائبان بنایا گیا تھا جس میں جانے سے پہلے آپؐ نے میدان میں ایک چکر لگایا اور انگلی کے اشارے سے بتاتے گئے کہ اس جگہ انشاء اللہ قریش کا فلاں سردار قتل ہوگا اور اس جگہ فلاں بعد میں دیکھا گیا تو ہر شخص بتائی ہوئی جگہ پر خاک و خون میں آلودہ پڑا تھا!

رسول اللہ کی دعا کی قبولیت

جب مشرکین کے دستے بھی سامنے آگئے تو اللہ کے رسولؐ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا شروع کی:

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ قُرَیْشٌ جَاءَتْ بِخُیَلٰھَا وَفَخْرِھَا، جَاءَتْ تُحَادُّكَ وَتُكَذِّبُ رَسُوْلَكَ ؕ

خداوندا، یہ قریش اپنے ساز و سامان اور فخر و نخوت کے ساتھ آگئے ہیں، یہ آئے ہیں کہ تجھ سے جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کردیں۔

پھر جوش میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دئے اور اپنے رب کو پکارا:

اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُنْشِدُکَ عَھْدَکَ وَوَعْدَکَ!

خدایا! تونے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے پورا کر، خدایا! میں تجھے تیرے وعدہ و عہد کا واسطہ دیتا ہوں۔

اتنا کہنے پائے تھے کہ پیچھے سے حضرتِ صدیقؓ چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَبْشِرْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُنْجِزَنَّ اللّٰہُ لَکَ مَا وَعَدَکَ۔

یا رسول اللہ، بشارت ہو، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

تمام مسلمانوں نے بھی تضرع وزاری شروع کی، اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے ملائکہ کو حکم ہوا:

اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ۔ (۸ : ۱۲)

میں تمہارے ساتھ ہوں، تو تم ثابت قدم کر دو مسلمانوں کو، میں کافروں کے دل مرعوب کر ڈالونگا۔

اور:

اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ (۸ : ۹)

میں لگاتار آنے والے ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرونگا۔

کیفیّتِ جنگ

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہاڑی پر رات بھر ایک درخت کے تنہ کے سامنے نماز میں مصروف رہے۔ یہ جمعہ کی رات اور ۱۷ رمضان ۲ھ کی تاریخ تھی صبح

ہوئی تو فریقین صف آرا ہوئے، آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی صفوں کو بذاتِ خود قائم کیا اور جنگ شروع ہوگئی۔ اُس وقت آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ پہاڑی پر سائبان میں تھے اور سعد بن معاذ ایک انصاری دستہ کے ساتھ دروازہ پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ جُوں جُوں آتشِ جنگ تیز ہوتی تھی، دُعا میں آپکی زاری بھی بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ عالمِ محوی و بیخبری میں شانوں سے رداءِ مبارک بھی گر پڑی۔ حضرت صدیقؓ نے بڑھ کر اُٹھائی اور عرض کیا "یارسول اللہ آپ کی مناجات ربّ العزت تک پہنچ گئی، وہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا"۔ عین اس وقت آپؐ پر کچھ غنودگی طاری ہوگئی اور حالتِ جنگ میں مسلمانوں کو بھی نیند نے آگھیرا۔ ایک لمحہ کے بعد آپؐ ہوشیار ہو گئے اور جوش سے فرمایا: "ابوبکرؓ بشارت ہو، یہ لو جبرائیلؑ آگئے، غبارِ سفر اب تک ان پر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر لا اتارا، اپنے پیغمبر اور مومنین صادقین کی نُصرت فرمائی، اور کفار کو ان کے قبضہ میں کر دیا کہ قید کریں اور قتل کریں!" کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ جنگ کے نتیجہ نے یہ پیشین گوئی لفظ بلفظ پوری کر دی۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی کفار کو شکست نصیب ہوئی، صرف چودہ ۱۴ مسلمان شہید ہوئے لیکن کفار کے ستر آدمی مقتول اور ستر زخمی ہوئے۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کی فتح

جب جنگ ختم ہوئی اور مشرکین پیٹھ پھیر کے بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی دیکھو ابوجہل نے کیا کیا؟" عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر تلاش کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بے حس پڑا ہے، عفراء کے لڑکوں (مُعاذ و مُعوذ) نے ایسا وار کیا تھا کہ دشمنِ خدا پھر اٹھ نہ سکا۔ عبداللہ کو اس کے ہاتھوں بڑی بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، دیکھتے ہی آگے بڑھے اور داڑھی پکڑ کے کہنے لگے "تو ہی ابوجہل ہے!" اس نے

آنکھیں کھول دیں اور بجلینی سے پوچھنے لگا "فتح کس کی ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا "اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی، اے دشمنِ خدا، کیا تجھے خدا نے رسوا نہیں کر ڈالا؟ اس نے نخوت سے جواب دیا "یہ فخر اس پر جسے اس کی قوم نے قتل کر ڈالا ہے!" عبداللہ نے سر تن سے اتار لیا اور رسول اللہ کی خدمت میں لاکر ڈال دیا، آپؐ نے دیکھتے ہی تین مرتبہ فرمایا:

اَللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔	اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر فرمایا:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔	اللہ اکبر، اس خدا کے لئے تعریف ہے جس کا وعدہ سچا ہے اور جس نے اپنے بندے کو فتح دی اور جس واحد نے (کافروں کے) لشکر کو شکست دی۔

چلو مجھے دکھاؤ کہاں پڑا ہے؟ لاش دیکھ کر بولے "یہ اس امت کا فرعون تھا"

فتح کے اثرات

جنگ کے بعد رسول اللہؐ اور مسلمان، قیدی اور مالِ غنیمت لے کر مظفر و منصور روانہ ہوئے۔ صفرا میں پہنچ کر مالِ غنیمت تقسیم کر دیا اور بڑی شان و شوکت سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ ہر طرف دشمنانِ اسلام مرعوب ہو گئے، مدینہ کے بہت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے جن میں ایک مشہور و معروف منافق عبداللہ بن اُبی بھی تھا جو ظاہر میں مسلمان ہو گیا مگر دل میں ہمیشہ کفر و کفار ہی کے ساتھ رہا۔

فصل ۲

غزوہ اُحد کا بیان

وجہ جنگ

جب سردارانِ قریش ایک ایک کر کے بدر میں موت کے گھاٹ اتر گئے اور سرداری ابوسفیان بن حرب کے حصّہ میں آئی تو اس نے عربوں کو رسول اللہ اور اسلام کے خلاف اکسانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ماہِ شوّال ۳ھ میں تین ہزار جنگجو جمع کر لئے عورتیں بھی ہمراہ لیں کہ ان کے خیال سے کوئی بھاگ نہ سکے، اور بڑے سازوسامان سے مدینہ کا رخ کیا۔

رسول اللہ کی ذاتی رائے

رسول اللہ کو خبر ملی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا، خود آپؐ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر ہی قلعہ بند ہو بیٹھیں، اگر دشمن مورچے توڑ کے اندر گھس آئے تو ایک طرف گلیوں کے موڑ اور راستوں کے سروں پر انہیں کامیابی سے قتل کیا جائے اور دوسری طرف عورتیں چھتوں پر سے سنگباری کریں۔ عبداللہ بن اُبی منافق کی بھی یہی رائے تھی۔

صحابہؓ کی رائے

لیکن بعض وہ صحابہؓ جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے مُصر ہوئے کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے چنانچہ آپؐ اُٹھے اور گھر سے اپنا جنگی لباس پہن کر نکل آئے۔ ایک ہزار کی جمعیت ساتھ لی اور مدینہ میں نماز کی امامت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے سپرد کرکے جمعہ کے دن چل پڑے۔

عبداللہ بن اُبی کی منافقت

راستہ میں عبداللہ ابن اُبی نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنی چاہی اور یہ کہہ کر کہ "میری رائے پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے"، اپنے تین سو ہمراہیوں کو لے کر لوٹ پڑا۔ عبداللہ بن حزامؓ دور تک سمجھاتے اور غیرت دلاتے چلے گئے مگر اُس نے ایک نہ سنی اور مدینہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ ان کے حلیف یہودیوں کو مدد کے لئے بلایا جائے مگر آپؐ نے اس سے قطعی انکار کر دیا۔

مَیدان اور محاذِ جنگ

آپؐ چلتے چلتے اُحد کی گھاٹی پر پہنچ گئے اور پہاڑ کو پشت پر کرکے اتر پڑے۔ لوگوں کو تاکید کر دی کہ حکم ملے بغیر لڑائی شروع نہ کریں۔ سنیچر کا دن ہوا تو جنگ کیلئے تیاری شروع کی۔ مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی۔ دشمن تین ہزار تھے جن میں پیادے بھی تھے اور سواروں کے رسالے بھی۔ مگر ادھر کیا تھا؟ کل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں پچاس تیر انداز تھے، تاہم مقابلہ ضروری تھا۔ سب سے پہلی بات یہ کی کہ تیر اندازوں کی جماعت کو عبداللہ بن جبیرؓ کی زیر قیادت اس درہ پر متعین کر دیا جدھر سے دشمن پسِ پشت حملہ کر سکتا تھا اور بڑی سختی سے حکم دیا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ ہی ہو اپنی جگہ

سے نہ ہلنا۔ آپؐ نے اس دن دو زرہیں پہنیں۔ جھنڈا مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں دیا۔

نوجوانانِ اسلام کا اشتیاق

نوجوانوں کو سامنے بلا کر دیکھا اور بہت کم سنوں کو لوٹا دیا جن میں عبداللہ بن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ، زید بن ثابتؓ، اُسید بن ظہیرؓ، براء بن عازبؓ، زید بن ارقمؓ، عرابہ بن اوسؓ، اور عمرو بن حزامؓ تھے۔ بعض جو ذرا بڑے تھے شرکت کے لئے بہت ضد کرنے لگے تو اجازت دے دی، ان میں سمرہ بن جندبؓ اور رافع بن خدیج تھے جن کی عمر کل پندرہ سال تھی۔

قریش کا محاذ جنگ

قریش نے بھی جنگ کے لئے صف آرائی کی، ان کے میمنہ پر خالد بن الولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھے۔

رسول اللہ نے اس دن اپنی تلوار ابو دجانہؓ بن سماک بن حرشہ کو دے دی جو عرب کے ایک مشہور بہادر تھے اور جنگ کے موقعوں پر اکڑتے پھرتے تھے جب طرفین کی صفیں درست ہو گئیں تو جنگ برپا ہوئی۔

آغاز جنگ

دن کے اوّل حصّہ میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا بلکہ دشمنوں کو شکست دیدی اور بھگا کر عورتوں کے پاس پہنچا دیا۔

مسلمانوں کی لغزش

تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار نے میدان چھوڑ دیا اور مسلمان مالِ غنیمت

لوٹ رہے ہیں، تو صبر نہ کر سکے اور حکم رسولؐ کے خلاف جگہ چھوڑ کر لوٹ میں شریک ہو گئے، ان کے سردار نے لاکھ لاکھ روکا مگر طمع نے ایک نہ سُننے دی اور وہ تقریباً خالی ہو گیا۔

حکم عدولی کا نتیجہ

ادھر مشرکین نے دیکھا کہ موقع اچھا ہے چنانچہ ان کے سواروں کا دستہ درہ سے نکل کر پیچھے سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ اب ایک قیامت برپا ہو گئی، دوست دشمن کی تمیز اٹھ گئی۔ ۷۰ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا، اکثر مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے، صرف تھوڑے سے ثابت قدم رہے۔

رسول اللہؐ کفار کے نرغہ میں

کفار بڑھتے بڑھتے رسول اللہؐ تک پہنچ گئے، چہرہ مبارک زخمی کیا، داہنی طرف نیچے کا دانت شہید کیا، سر خُود چُور چُور کر دیا اور اتنے پتھر برسائے کہ آپؐ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر ہاتھ کے سہارے سے اٹھایا اور حضرت طلحہؓ نے سینہ سے لگایا۔ چہرہ پر زرہ کی دو کڑیاں اس قدر پیوست ہو گئی تھیں کہ حضرت عبیدہؓ نے دانت سے پکڑ کر کھینچنا چاہیں تو دو دانت ٹوٹ گئے۔ خون بہت جاری تھا (ابو سعید الخذری کے والد) مالک بن سنانؓ نے رخسار پر منہ لگا کے خون چوسا۔ مصعب ابن عمیرؓ علمبردار آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے تو جھنڈا حضرت علیؓ کو دیا۔ مشرکین کا زور برابر بڑھتا جا رہا تھا اور اپنے اُس ارادہ کے پورا کرنے پر تلے ہوئے تھے، جسے خدا پورا کرنا نہ چاہتا تھا۔

حضرت طلحہؓ کی بہادری: تقریباً دس مسلمان یکے بعد دیگرے رسول اللہ کی

مدافعت کرتے ہوئے قربان ہو گئے، مگر دشمنوں کا نرغہ کم نہ ہوا، آخر حضرت طلحہؓ نے شیروں کی ہیبت وسطوت سے حملہ کیا اور ان کے غول کو پیچھے ہٹا دیا۔ اس وقت عجیب حالت تھی، کفار کے تیر بارش بنکر برس رہے تھے، ابوریحانہؓ رسول اللہ پر سپر بنے ہوئے تھے اور اپنی پیٹھ پر تیر لے رہے تھے۔ یہ حالت تھی کہ کفار کی طرف سے نعرہ بلند ہوا "کہ محمدؐ قتل ہوئے!!" یہ سُننا تھا کہ مسلمانوں میں ہلچل پڑ گئی اور اکثر بھاگ نکلے۔

حضرت انسؓ کی جوانمردی

انس بن نضرؓ نے مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھی جو ہاتھ پیر ڈالے مایوس بیٹھی تھی۔ پوچھا کس سوچ میں ہو؟ بولے "رسول اللہ تو شہید ہو گئے!" انہوں نے کہا "پھر رسولؐ کے بعد تم جی کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور اسی راہ میں تم بھی جان دیدو جس میں اللہ کے رسولؐ نے اپنی جان دی ہے۔" یہ کہہ کر آگے بڑھے تو سعد بن معاذؓ نظر آئے ان سے کہا "اے سعد! اُحد کی طرف سے مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے!" اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ بعد میں دیکھا گیا تو تیر، تلوار اور نیزہ کے ستر زخم جسم پر تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی اس دن سخت زخمی ہوئے تھے، ان کے تقریباً بیس زخم آئے تھے۔

مسلمانوں کو بشارت

جب ذرا کفار کا ہنگامہ کم ہوا تو رسولؐ اللہ مسلمانوں کی طرف تشریف لائے، تمام جسم اور چہرہ زرہ میں چھپا ہوا تھا، صرف آنکھیں چمک رہی تھیں، سب سے پہلے کعب بن مالکؓ نے پہچانا اور فرطِ جوش سے چلا اٹھے: "مسلمانو، بشارت ہو یہ رسولؐ موجود ہیں!" آپؐ نے فوراً اشارہ سے چپ رہنے کو کہا۔ بچے بچائے مسلمانوں کو لیکر

اس گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے جس میں پڑاؤ تھا۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ عمرؓ علی
حارث بن الصمۃ الانصاری وغیرہم صحابہؓ ساتھ تھے۔ جب پہاڑ میں چلے گئے تو ابی بن
خلف اپنے اس گھوڑے کو دوڑاتا آیا جسے مکہ میں یہ کہہ کر باندھا تھا کہ "اسی پر سے مح
کو قتل کر دونگا" لیکن جونہی قریب پہنچا رسول اللہ نے حارث بن الصمۃؓ کے ہاتھ
حربہ لے کر وار کیا۔ اس کی گردن زخمی ہو گئی اور وہ افتاں وخیزاں بھاگا۔ اسے یقی
ہو گیا تھا کہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے گا چنانچہ یہی ہوا اور راستہ ہی میں موت نے
ہمیشہ کے لئے سُلا دیا۔

رسول اللہ کی حالت

رسول اللہؐ اس قدر خستہ تھے کہ ایک چٹان پر چڑھنے لگے تو چڑھ نہ سکے
آخر طلحہؓ بیٹھ گئے اور ان پر پاؤں رکھ کر چڑھے۔ یہیں نماز کا وقت آگیا تو بیٹھ کر
باجماعت نماز ادا کی۔

فریقین کی عورتوں کی جوانمردی

اس دن مشرک اور مسلمان دونوں طرف کی عورتوں نے جوانمردی کے خوب
خوب جوہر دکھائے۔ مشرکوں کا علمبردار قتل ہو گیا تو عمرہ بنت علقمہ نے بڑھ کر جھن
اپنے کاندھے پر اٹھا لیا۔ ادھر ام عمارۃؓ نے سخت جنگ کی عرب کے مشہور پہلوا
عمرو بن قماۃ پر تلوار سے کئی حملے کئے مگر کافر دو زرہیں پہنے تھا اس لئے کچھ اثر نہ ہوا او
انتہائی قساوت سے اُلٹے انہیں زخمی کر گیا۔

ابوسفیان کی پکار

جنگ ختم ہو گئی تو ابوسفیان نے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کے پکارا "کیا یہا

محمدؐ ہیں؟" کسی نے جواب نہ دیا۔ وہ پھر چلاّیا "ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) ہیں؟" سب خاموش رہے۔ تیسری بار چلاّیا "عمر بن الخطاب ہیں؟" کوئی نہ بولا جب ادھر سے کوئی آواز نہ آئی تو مشرکین سے پکار کر کہنے لگا "واللہ تم نے ان سب کو ختم کر دیا!"

حضرت عمرؓ کا جواب

اب حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور چلاّ اٹھے "او دشمنِ خدا، ہم سب زندہ ہیں!" ابوسفیان نے کہا "اُعْلُ هُبَل!" (ہبل کی جے!) آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے کہا جواب کیوں نہیں دیتے؟ کہنے لگے کیا کہیں؟ فرمایا کہو "اَللّٰهُ اَعْلٰی وَ اَجَلّ" (اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے) ابوسفیان نے کہا "لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَكُمْ" (ہمارا حامی عزیٰ (بت) ہے، تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں!) آنحضرتؐ نے تلقین کی کہ کہو "اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَكُمْ!" (خدا ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں!) ابوسفیان نے کہا: "آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ برابر کی ہے" حضرت عمرؓ نے کہا "برابر کیسے؟ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں!"

رسولؐ اللہ کے زخم

صحیحین میں ہے کہ ابی حازمؓ سے رسولؐ اللہ کے زخموں کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہنے لگے "واللہ مجھے یہاں تک معلوم ہے کہ زخم کس نے دھوئے تھے، کس نے پانی ترا یا تھا اور کون سی دوا استعمال کی گئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ زخم دھوتی تھیں اور علیؓ پانی ڈالتے تھے، جب اس پر بھی خون نہ رکا تو حضرت زہراؓ نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم پر رکھ دیا تب کہیں جا کے خون رکا۔"

آپؐ کا دانت شہید ہونا اور سر پھٹنا: صحیح بخاری میں ہے کہ جب

دانت شہید ہوا اور سر پھٹا تو آپؐ خون ہاتھ سے سونتے جاتے اور فرماتے تھے:
"وہ لوگ کیسے فلاح پائینگے جنہوں نے اپنے نبیؐ کا سر پھوڑا اور دانت توڑا حالانکہ وہ انہیں صرف بلا رہا تھا!" یہ بات بارگاہِ خداوندی میں ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ. (۳ : ۱۲۷)

تمہیں اس معاملہ میں کچھ دخل نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا سزا دے، بیشک وہ ظالم ہیں۔

حضرت انسؓ اور حذیفہ کی پامردی

اس قیامت خیز جنگ میں جب کہ عام طور پر مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تھے، انس ابن النضر ثابت قدم رہے تھے، وہ بار بار حملہ کرتے اور کہتے تھے: "خداوندا، اِن لوگوں (مسلمانوں) کی طرف سے تجھ سے معذرت چاہتا ہوں اور اُن لوگوں (کفار) کی حرکتوں سے اظہار برأت کرتا ہوں"۔ حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمان نادانستگی اور بدحواسی میں ان کے باپ کو قتل کئے ڈالتے ہیں، یہ لاکھ لاکھ چلائے "لوگو، میرے باپ ہیں، میرے باپ!" مگر کون سنتا تھا، مسلمانوں ہی کی تلواروں نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے باپ کو پارہ پارہ کر ڈالا مگر انہوں نے اُف تک نہ کی، صرف یہ کہا "يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ" (خدا تمہیں معاف کرے) پھر جب رسولؐ اللہ نے خون بہا ادا کرنے کا ارادہ کیا تو عرض کرنے لگے: "میں خون بہا مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں" اس واقعہ نے حضرت حذیفہؓ کو رسولؐ اللہ کی نظروں میں اور بھی زیادہ محبوب کر دیا تھا۔

سعد بن ربیعؓ کی شہادت

زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ اُحد کے دن آنحضرتؐ نے مجھے سعدؓ بن الربیع کی تلاش میں بھیجا اور کہا "اگر مل جائیں تو سلام کے بعد کہنا رسول اللہ نے مزاج پوچھا ہے" زیدؓ کہتے ہیں میں نے ایک ایک کر کے تمام لاشیں دیکھ ڈالیں یہاں تک کہ وہ زخموں میں چُور نظر آئے، لبوں پر دم تھا، نیزہ، تیر اور تلوار کے کوئی ستر زخم جسم پر تھے میں نے کہا رسول اللہ نے سلام کہا ہے اور مزاج پوچھا ہے۔ سنتے ہی آنکھیں کھول دیں اور بڑی بیتابی سے بولے "رسول اللہ پر سلام! زید، تو رسول اللہؐ سے کہیو کہ سعد، جنّت کی بُو سُونگھ رہا ہے، اور میرے قبیلہ سے کہیو کہ اگر تمہارے جیتے جی دشمن، رسولِ خداؐ تک پہنچ گئے تو کل خدا کے ہاں کوئی عذر بھی کام نہ آئے گا!" یہ کہا اور رُوح پرواز کر گئی۔

ایک انصاری کی جاں نثاری

ایک انصاری خون میں لوٹ رہا تھا، دوسرے انصاری کا ادھر سے گزر ہوا تو یہ زخمی سے کہنے لگا "اے شخص کیا تُو نے بھی سُن لیا کہ محمدؐ قتل ہو گئے؟" وہ مومنِ صادق بولا "اگر محمدؐ قتل ہو گئے تو کیا ہوا، تبلیغ حق تو کر گئے، تجھے بھی چاہیئے کہ اپنے دین پر سے فدا ہو جا" اس پر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ	محمدؐ صرف ایک رسول ہی تو ہیں کہ جن سے پہلے بہت
قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ	رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل
انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ	ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی
عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ،	الٹے پاؤں لوٹ جائیگا وہ خدا کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا

وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (۱۴۴:۳) گا، اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دیگا۔

شکست کی وجہ و فلاسفی

جنگِ اُحد ایک بڑے معرکہ کی جنگ تھی، مسلمانوں کی شکست بلا وجہ نہ تھی، اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں اس میں پوشیدہ تھیں۔ مثلاً مسلمانوں کو (جن کی تاریخ اب شروع ہو رہی تھی) عملاً بتا دینا مقصود تھا کہ جنگ میں سپہ سالار کی اطاعت، فوج پر فرض ہے اور نافرمانی کا نتیجہ بجز ہلاکت کے اور کچھ نہیں۔ (فرمایا):

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ (۱۵۱:۳)

اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب کہ تم اس کے حکم سے انہیں بھگا رہے تھے، یہاں تک کہ جب نامردی کی تم نے اور پھوٹ ڈالی اور حسب منشا نتیجہ دیکھنے کے بعد بھی تم نے نافرمانی کی۔ تم میں بعض دنیا کو چاہتے ہیں اور بعض آخرت کو، پھر پھیر دیا تمہیں اُن سے تاکہ آزمائش کرے تمہاری، اور البتہ یہ خطا معاف کر دی تمہاری۔

نتیجۂ شکست

چنانچہ اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں مسلمان بہت ہوشیار رہنے اور ان تمام باتوں سے بچنے لگے جو شکست کا موجب ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ سنّتِ الٰہی ہمیشہ سے یہی ہے کہ اگرچہ فتح آخر میں حق و اہلِ حق ہی کو ہوتی ہے لیکن درمیان میں شکست و فتح طرفین کو ہوتی رہتی ہے کیونکہ اگر ہمیشہ کامیابی حق ہی کو ہوتی رہے تو پھر مومن و کافر

صادق و کاذب کے درمیان تمیز اٹھ جائے، ہر شخص بے سوچے سمجھے اور ایمان لائے زمرۂ مومنین میں داخل ہو جائے، حالانکہ حکمتِ الٰہی یہی ہے کہ اہلِ حق و اہلِ باطل میں امتیاز قائم رہے۔

مسلمان کا مطمحِ نظر

پھر اللہ تعالیٰ کو یہ بھی بتا دینا تھا کہ رسولؐ کی عمر محدود ہے، وہ ہمیشہ رہنے کو نہیں آیا، لیکن حق اٹل ہے کبھی فنا ہونے کا نہیں، مسلمان اگر حق پرست ہیں تو ان کی نظر اشخاص کی موت و حیات پر نہیں بلکہ حق اور ادائے فرض پر رہنی چاہیئے چنانچہ مسلمانوں کو سخت زجر و توبیخ کی کہ میدانِ جنگ میں رسولؐ کی شہادت سُن کے کر اتنے بدحواس کیوں ہو گئے کہ گویا حق بھی مر گیا ہے اور وہ خدا ہی نہیں رہا جس نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ حق بھیجا تھا۔ (فرمایا)

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ، قَدْ خَلَتْ	محمدؐ صرف ایک رسول ہی تو ہیں کہ جن سے
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ	پہلے بہت رسولؐ گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر
انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ، وَمَنْ	جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں لوٹ جاؤگے
يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ	اور جو کوئی الٹے پاؤں لوٹ جائیگا وہ خدا کو کچھ
شَيْئًا ، وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۔	نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب
(۳ : ۱۴۳)	شکر گزاروں کو بدلہ دے گا۔

اللہ والوں کی سرفروشی

اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے انبیاء اور اُن کے ساتھ بیشمار اہلِ حق قتل ہو چکے ہیں مگر اس سے

مومنین صادقین نہ تو گھبرائے نہ مایوس ہوئے بلکہ اور زیادہ عزم و ہمت سے راہ مولیٰ میں سرفروشی کرنے لگے۔ فرمایا:

وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا، وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ۔ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔" (۳: ۱۴۵ تا ۱۴۷)	بہت نبی گزرے کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، خدا کی راہ میں انہیں جو نقصان پہنچا اس سے نہ سست ہوئے، نہ کمزور پڑے، نہ ہمت ہار بیٹھے، خدا ثابت قدموں کو پسند فرماتا ہے۔ انہوں نے اس حال میں یہی کہا، پروردگار! ہماری خطاؤں کو معاف کردے، ہمیں ثابت قدم کر اور کافروں پر فتحیاب کر۔ خدا نے اس پر انہیں دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ دیا۔ اللہ اچھوں کو پسند کرتا ہے۔

قرآن میں اس جنگ کے متعلق ساٹھ آیتیں سورۂ آل عمران کے آخر میں موجود ہیں، اور "وَإِذْ غَدَوْتَ" سے شروع ہوتی ہیں۔

فصل ۳

غزوۃ المریسیع کا بیان

اسبابِ جنگ

یہ غزوہ ماہ شعبان ۵ھ میں واقع ہوا، وجہ یہ ہوئی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اپنے قبیلہ اور قرب وجوار کے عربوں کا ایک جم غفیر لے کر رسول اللہ سے جنگ کرنے نکلا۔

فیصلہ جنگ

مدینہ خبر پہنچی تو آپ بھی مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جب مریسیع نام کے مقام پر پہنچے تو حارث کی فوج خود بخود منتشر ہو گئی، مگر آپ نے حملہ کیا اور قیدی حاصل کیے۔ جن میں خود حارث مذکور کی بیٹی جویریہؓ بھی تھیں جو ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی تھیں۔ آنحضرتؐ نے اُن کی طرف سے روپیہ ادا کر کے آزاد کر دیا اور پھر عقد بھی کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بنی مصطلق کے قیدی جو اب مشرف باسلام ہو چکے تھے یہ کہہ کر آزاد کر دیئے کہ "رسول اللہؐ کے سُسرالی عزیز ہیں"۔

فصل ۴

واقعۂ افک

حقیقت

غزوۃ المریسیع سے "اِفک" کا مشہور واقعہ بھی تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ حضرت عائشہؓ اس سفر میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھیں، واپسی میں جب کہ لشکر ایک جگہ پڑاؤ ڈالے تھا وہ استنجا کے لئے میدان گئیں، لوٹیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار، جو اپنی بہن سے عاریۃً لائی تھیں، گم ہے۔ فوراً تلاش میں واپس ہوئیں۔ اسی اثنا میں لشکر نے کوچ کر دیا، جو لوگ ان کا کجاوہ اونٹ پر باندھا کرتے تھے انہوں نے جلدی میں کجاوہ اٹھا کے باندھ دیا اور سمجھے وہ اندر ہیں۔ یہ اس وقت کم سنی کی وجہ سے بہت ہلکی پھلکی تھیں اس لئے کجاوہ اٹھاتے ہوئے انہیں کچھ محسوس نہ ہوا۔

صفوان بن المعطل لشکر کے پیچھے پیچھے چلتے تھے کہ گری پڑی چیزیں اٹھا لیں، اُن کی نظر جب یہاں حضرت عائشہؓ پر پڑی تو اِنّا لِلّٰہِ کہہ کر سکتہ میں آ گئے

وہ انہیں پہچانتے تھے کیونکہ پردہ شروع ہونے سے پہلے بارہا دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے کچھ کہا سُنا نہیں، ادب سے اونٹ قریب لا کے بٹھا دیا وہ سوار ہو گئیں اور خود مُہار تھامے پیدل روانہ ہوئے یہاں تک کہ لشکر سے آملے۔ لوگوں نے یہ بات دیکھی تو اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تاویلیں کرنے لگے، ابن اُبی کو معلوم ہوا تو فوراً تہمت لگا دی اور شہرت دینے لگا۔

لوگوں کی چہ میگوئیاں

مدینہ پہنچے تو ان افترا پردازوں نے ہر طرف شور مچانا شروع کیا۔ آنحضرتؐ اوّل اوّل بالکل خاموش رہے پھر صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے اشارۃً طلاق کی صلاح دی لیکن حضرت اُسامہؓ وغیرہ نے اس کی مخالفت کی۔ دراصل دونوں کا نقطہ نظر مختلف تھا، حضرت علی اس طرف گئے کہ حالتِ شبہ کو بہرحال ختم کر دینا مناسب ہے تاکہ رسول اللہؐ کو لوگوں کی چہ میگوئیوں سے چھٹکارا ملے۔ اسامہؓ نے معاملہ کا دوسرا رخ دیکھا۔ انہیں معلوم تھا کہ آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ اور اُن کے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ازحد محبت ہے، اور ان کی جدائی نہایت شاق گزرے گی۔ پھر انہیں کامل یقین تھا کہ اُم المومنین (حضرت عائشہؓ) کی عصمت و عفت ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہے، رسولؐ کا ساتھ غیر پارسا سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلئے اُن کی زبان سے وہی نکلا جو اور تمام اکابر صحابہؓ قصہ افک سُن کر پکار اٹھے تھے:

سُبۡحَانَکَ ھٰذَا بُھۡتَانٌ عَظِیۡمٌ۔ — یہ کھلی ہوئی تہمت ہے۔

حضرت عائشہؓ کی برأت

اس واقعہ کے بعد کامل ایک ماہ تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا، مگر جب آئی تو

حضرت عائشہؓ کی برأت کے ساتھ آئی۔ آنحضرتؐ نے جب برأت کی آیات پڑھیں تو حضرت صدیقؓ مسرت سے اچھل پڑے اور صاحبزادی سے کہنے لگے: "اٹھو رسول اللہؐ کا شکریہ ادا کرو"۔ اس موقعہ پر حضرت عائشہؓ کی خودداری و جرأت قابل ذکر ہے انہوں نے جواب دیا: "بخدا میں" ان کا "ہرگز شکریہ ادا نہ کرونگی، میں صرف اپنے اللہ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری برأت نازل فرمائی!" یہ جواب ان کی پاک باطنی، بلند ہمتی اور ثابت قدمی کی بہترین مثال ہے۔

تہمت لگانے والوں کو سزا

جب وحی کے ذریعہ برأت ثابت ہو گئی تو آنحضرتؐ نے تہمت لگانے والے لوگوں کے ۸۰-۸۰ درے لگوائے کیونکہ تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔

فصل ۵

غزوۂ خندق

اسبابِ جنگ

شوال ۵ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ یہودیوں نے جب اُحد میں مشرکین کی کامیابی اور مسلمانوں کی شکست دیکھی اور سنا کہ ابوسفیان سال آئندہ پھر حملہ کرنے والا ہے، تو انکی بھی ہمتیں بلند ہوگئیں اور اُن کے سردار قریش کے پاس گئے، انہیں حملہ کے لئے اکسایا گیا اور اپنی امداد و اعانت کا یقین دلایا۔ یہودیوں کے وعدوں سے قریش کو اور زیادہ جرأت ہوئی اور وہ ان کی صلاح مشورہ سے جنگ کی تیاریاں کرنے اور قبائل عرب کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے لگے۔ تھوڑی ہی مدت میں ایک لشکرِ جرار فراہم ہوگیا جس میں دس ہزار جانباز مختلف قبائلِ عرب اور یہودیوں کے شریک تھے۔ سپہ سالاری، ابوسفیان کو دی گئی، اور اس فوج گراں نے سیلاب بلا بن کر مدینہ کی سمت حرکت شروع کی۔

مسلمانوں کا محاذِ جنگ

آنحضرتؐ کو اطلاع پہنچی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا، سلمان فارسیؓ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی۔ آپؐ نے یہ رائے پسند کی اور خندق کھُدنے لگی جس میں علاوہ صحابہ کرامؓ کے خود رسول اللہؐ بھی شریک تھے۔ اس سے فراغت حاصل کر کے تین ہزار مجاہدوں کی جمعیت لے کر شہر سے نکلے اور خندق پر پڑاؤ ڈال دیا۔

ایک یہودی قبیلہ کی عہد شکنی

عین اسی وقت معلوم ہوا کہ بنی قریظہ (یہودی قبیلے) نے معاہدہ توڑ دیا اور قریش سے مل گئے ہیں۔ آپؐ نے سعدؓ بن عبادہ اور چند دیگر صحابہؓ کو تحقیقِ حال کے لئے بھیجا۔ یہ گئے تو دیکھا کہ حالت بالکل بدلی ہوئی ہے، کل تک کے دوست آج جانی دشمن اور خون کے پیاسے ہو رہے ہیں یہودیوں نے صحابہؓ اور خود رسول اللہؐ کی شان میں سخت گستاخی کے کلمات کہے اور علانیہ دشمنی کا اظہار کیا۔ سعد بن معاذؓ وغیرہ سب کچھ دیکھ کے واپس آئے اور آنحضرتؐ کو اطلاع دی۔ اس کا اثر مسلمانوں پر بہت برا ہوا، بہت سے لوگ بددل ہو گئے منافقین کا نفاق کھُل گیا، اور بنی حارثہ کے بعض مسلمانوں نے یہ حیلہ تراش کے واپسی کی اجازت چاہی کہ ہمارے گھر بے پناہ پڑے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا، محض لڑائی سے جی چُرانے کی بات تھی۔

محاصرۂ مدینہ

اسی دوران میں مشرکین کا لشکر بھی آ پہنچا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ نے طوالت اختیار کی اور مسلمانوں کی تکلیف بڑھ گئی تو آنحضرتؐ نے ارادہ کیا کہ قبیلۂ غطفان کو مدینہ کے نخلستانوں کی ثلث فصل دے کر مشرکوں سے علیحدہ کر دیں تاکہ دشمنوں کا زور ٹوٹ جائے۔ چنانچہ ابتدائی گفتگو بھی شروع کر دی تھی لیکن جب انصار کے سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے مخالفت کی۔ وہ کہنے لگے: "یا رسول اللہ، اگر آپؐ کو خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو ہمارے سر جھکے ہوئے ہیں اور ہم ہر حال میں راضی ہیں لیکن اگر یہ ہماری تکلیف کے خیال سے ہے تو ہمیں منظور نہیں جب ہم مشرک اور بتوں کے پجاری تھے اس وقت بھی انہیں کبھی مدینہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی، پھر اب جب کہ اللہ نے ہمیں مشرف باسلام کیا اور آپؐ کے ذریعہ ہماری پشت پناہی کی ہے تو ہم کیسے ان کے سامنے جھک جائیں اور اپنی دولت اُن کے حوالہ کر دیں؟ بخدا ہمارے پاس اُن کے دینے کو تلوار کے سوا اور کچھ نہیں!" آنحضرتؐ کو یہ گفتگو نہایت پسند آئی اور فرمایا "یہ محض تمہاری مصلحت کے خیال سے تھا، کیونکہ میں نے دیکھا تمام عرب تمہارے برخلاف جتھا باندھ کے امنڈ آیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی دستگیری

پورے ایک مہینہ تک محاصرہ اپنی پوری شدت سے جاری رہا، آخر اللہ تعالیٰ نے اس نازک گھڑی میں دستگیری کی اور دشمنوں کی شکست کا سامان غیب سے کر دیا۔ ہوا یہ کہ اسی قبیلۂ غطفان کے ایک شخص نعیم ابن مسعود کا دل خود بخود نورِ اسلام سے جگمگا اٹھا۔ وہ خفیۃً رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا "میں اسلام لا چکا ہوں، حکم دیجیے تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔" آپؐ نے فرمایا "تم ایک فرد واحد

ہو اور تنہا کیا کر سکتے ہو، ہاں اگر ممکن ہو تو دشمنوں میں پھوٹ ڈال دو، کیونکہ جنگ حیلہ تدبیر کا نام ہے۔

نعیمؓ کی پالیسی

نعیمؓ فوراً واپس ہوئے، اُن کے اسلام کی کسی کو بھی خبر نہ تھی، پہلے بنی قریظہ کے پاس گئے، اُن کے ساتھ قدیم سے دوستانہ تعلقات چلے آ رہے تھے، کہنے لگے "دیکھو اب تم محمدؐ سے لڑائی مول لے چکے ہو، قریش کا کیا ہے، موقعہ پائیں گے تو فائدہ اٹھائیں گے، ورنہ تمہیں محمدؐ کے رحم اور انتقام کے حوالہ کر کے اپنے ملک چل دیں گے۔" وہ کہنے لگے "پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" بولے "اس وقت تک قریش کی طرف سے لڑائی نہ کرو، جب تک بطور ضمانت کے وہ اپنے کچھ آدمی تمہارے پاس نہ بھیج دیں۔" فریب خوردہ یہودی کہنے لگے "واقعی اچھی صلاح ہے!" اِدھر یہ کیا اُدھر قریش کے پاس پہنچے اور کہنے لگے "تم میرے خلوص اور دوستی پر اعتماد رکھتے ہو؟" وہ کہنے لگے "ہاں بلاشک" نعیمؓ نے کہا "تو سنو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہودی محمدؐ سے عہد شکنی کر کے اب پچھتا رہے ہیں، انہوں نے پیام وسلام شروع کر دیا ہے۔ باہم یہ بات قرار پا گئی ہے کہ یہودی تمہارے چند سردار ضمانت کے بہانہ مانگ کر محمدؐ کے حوالہ کر دیں، اور پھر ان کے شریک ہو کر تم سے جنگ کریں، لہٰذا میری دوستانہ صلاح ہے کہ اگر ضمانت طلب کریں تو ہرگز نہ دینا۔" اس کے بعد اپنے قبیلہ میں پہنچے اور بعینہٖ یہی گفتگو وہاں بھی کی۔

دشمنوں کے لشکر میں پھوٹ

اب دشمنانِ اسلام کے دلوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی اور ہر ایک دوسرے

کو آزمانا چاہتا تھا چنانچہ ایک دن قریش نے یہودیوں سے کہلا بھیجا "ہم یہاں پردیس میں پڑے ہیں اور بہت کچھ مال و متاع ضائع کر چکے ہیں، لہٰذا تیار ہو جاؤ سب مل کر محمدؐ پر حملہ کر دیں۔" یہودیوں نے سنا تو نعیم کی بات یاد آگئی، کہلا بھیجا: "آج سبت (سنیچر) کا دن ہے اور تم جانتے ہو کہ ہم سبت (سنیچر) میں کچھ نہیں کرتے، علاوہ ازیں جب تک ہمیں ضمانت نہ دو گے ہم نہیں لڑیں گے۔" قریش نے یہ جواب سنا تو آپس میں کہنے لگے، بخدا نعیم نے ٹھیک کہا تھا" اور یہودیوں سے کہلا بھیجا "واللہ ہم تمہارے پاس اپنا ایک آدمی بھی نہ بھیجیں گے یہاں تک کہ ہمارے ساتھ مل کر محمد سے لڑو۔" اس جواب سے قریظہ کو نعیم کے قول کی اور زیادہ تصدیق ہو گئی اور اس طرح دشمنوں کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔

تائیدِ غیبی اور فتح

دوسری طرف یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی کا ایک ہولناک طوفان بھیج دیا جس نے کفار کو سخت بدحواس کر ڈالا اور وہ بڑی ابتری کے ساتھ فرار ہو گئے۔ اس طرح بلا کسی بڑے کُشت و خون کے دشمنانِ اسلام رسوا و خوار ہو کر شکست یاب ہوئے اور مسلمانوں کا دبدبہ ہر طرف قائم ہو گیا۔

یہود کو عہد شکنی کی سزا

کفار کی ناکام واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں واپس آئے اور ہتھیار کھولنے لگے، عین اسی وقت حکمِ خداوندی پہنچا کہ بنی قریظہ کو

ان کی عہد شکنی کی سزا دو چنانچہ فوراً منادی کرادی کہ ہر فرمانبردار مسلمان نماز عصر سے پہلے پہلے بنی قریظہ کی سرزمین میں پہنچ جائے، اور خود بھی فوراً روانہ ہوگئے. یہودیوں نے بھی مقابلہ کیا، لیکن بالآخر مقہور و مغلوب ہوئے، جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا، قتل ہوئے، باقی قید کی ذلت میں پڑے، حتیٰ کہ کوئی نام لینے والا نہ رہا۔ سورۂ احزاب میں ان دونوں لڑائیوں کا حال مذکور ہے۔

فصل ۶

غزوۂ حدیبیہ

تفصیلِ حالات

یہ غزوہ ذی القعدہ ۶ھ میں واقع ہوا تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو مسلمانوں کو ہمراہ لے کر عُمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔ ایک ایک جاسوس پہلے سے بھیج دیا تھا کہ قریش کی نقل و حرکت سے آگاہ کرتا رہے۔ مقام عُسفان میں پہنچے تو مخبر نے خبر دی کہ قریش نے اپنی تیاریاں مکمل کرلی ہیں، آپؐ سے لڑیں گے اور کعبہ کے قریب جانے نہ دیں گے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت صدیقؓ کی رائے یہ تھی کہ اپنی طرف سے کوئی چھیڑ نہ کی جائے لیکن اگر کوئی راستہ روکے تو پھر جنگ کی جائے۔ آنحضرتؐ نے بھی یہ رائے پسند کی اور آگے بڑھے۔

راستہ میں معلوم ہوا کہ قریش نے خالد بن الولید کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے، لیکن مسلمان راستہ سے کٹ کر پرے پرے نکلے چلے گئے یہاں تک کہ جب مقام غمیم میں پہنچے

توخالد نے اچانک گھوڑوں کی گرد دیکھی، جھٹ گھوڑا ڈالے مکہ پہنچے اور قریش کو خبر
دی، جس سے انہیں سخت تشویش ہوئی۔ لیکن قبل اس کے کہ اِدھر سے کوئی
کارروائی عمل میں آتی آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو مقام حدیبیہ سے یہ پیغام دے کر
مکہ بھیجا کہ "ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے، صرف عمرہ مقصود ہے، اِس لیے
ہمیں نہ روکو۔"

قریش کی بے اعتنائی اور مسلمانوں کا اضطراب:

قریش نے یہ پیغام بے پروائی سے سنا اور حضرت عثمانؓ سے کہنے لگے
جو کچھ تم نے کہا ہم نے سُن لیا، بس اب رہنے دو۔" ادھر بعض مسلمانوں کو بڑا قلق
تھا کہ حضرت عثمانؓ تو مکہ میں داخل ہو گئے اور انہوں نے ضرور طواف کیا ہوگا
لیکن آنحضرتؐ نے سُنا تو یہی فرمایا "میرے خیال میں تو عثمانؓ نے ہرگز طواف نہ
کیا ہوگا، ہم محصور ہیں وہ بھلا طواف کریں گے؟" اور واقعہ بھی یہی تھا، حضرت
عثمانؓ نے آکر خود ہی بیان کیا کہ قریش نے بہت اصرار کیا کہ طواف کرلو، مگر
میں نے منظور نہ کیا۔

صلح میں جنگ

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو بڑھتے بڑھتے جھگڑے کی صورت پیدا
ہوگئی، فریقین نے ایک دوسرے پر پتھر اور تیر برسائے۔ اسی دوران میں آنحضرتؐ
کو خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر ڈالے گئے، اس بات سے مسلمانوں میں سخت
غصہ پیدا ہوگیا، اور سب نے درخت کے نیچے رسول اللہؐ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ لڑیں
گے اور کسی حال میں نہ بھاگیں گے۔

شرائطِ صلح

لیکن حضرت عثمانؓ جلد مکّہ سے صحیح سالم واپس آ گئے جس سے جوشں ٹھنڈا ہوا اور صلح کی گفتگو از سرِنو شروع ہوئی۔ شرطیں طے ہو چکیں تو آپؐ نے کاتب کو بلا کر فرمایا: لکھو "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"۔ سہیل بن عمرو، قریش کا نمائندہ تھا، رحمٰن کے لفظ پر فوراً معترض ہوا: کہنے لگا ہم نہیں جانتے رحمٰن کون ہے؟ "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" لکھا جائے جو ہمارا دستور ہے" اس پر مسلمان بگڑ گئے اور ضد کرنے لگے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" لکھا جائے گا۔ مگر آپؐ کے پیشِ نظر تو صلح تھی، فرمانے لگے "مضائقہ نہیں بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" ہی لکھ دو۔ پھر آگے کی عبارت بتائی: هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (اس پر محمدؐ رسول اللہ نے سمجھوتہ کیا ہے) سہیل نے فوراً اعتراض کیا: "اگر ہم یہی جانتے کہ آپؐ رسول اللہ ہیں تو پھر جھگڑا ہی کیوں کرتے؟" لہٰذا محمدؐ بن عبداللہ لکھئے" اس پر مسلمان اور بھی زیادہ برہم ہوئے مگر آپؐ نے فرمایا "گو تم جھٹلاؤ مگر میں رسول اللہ ہی ہوں، اچھا محمدؐ بن عبداللہ لکھ دو" پھر لکھنا چاہا "باہم یہ طے ہوا کہ قریش ہمارا راستہ چھوڑ دیں تاکہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کر سکیں" سہیل نے اس پر بھی اعتراض کیا: "بخدا ایسا نہیں ہو سکتا سارا عرب کہے گا ہم دباؤ سے ڈر گئے، البتہ آئندہ سال تم آ سکتے ہو" پھر حسب ذیل شرطوں پر عہد نامہ لکھا گیا:

(۱) دس سال تک جنگ وجدل موقوف رہے اور کوئی کسی کو نہ ستائے۔

(۲) مسلمان اس سال واپس جائیں، آئندہ سال آ سکتے ہیں مگر اس طرح کہ نیزے اور تیر نہ لائیں، صرف تلواروں کی اجازت ہے اور وہ بھی نیاموں کے اندر بند ہوں

(۳) مکہ میں صرف تین دن قیام رہے گا، اس کے بعد فوراً واپسی ہوگی۔

(۴) اس دس سال کی مدت میں جو مسلمان قریش کے پاس آجائیگا وہ اُسے واپس نہ کریں گے، لیکن قریش کا جو آدمی مسلمانوں کے پاس چلا جائیگا وہ اُسے واپس کر دیں گے۔

مسلمانوں کی برہمی

اس آخری شرط نے مسلمانوں کو نہایت برہم کر دیا اور وہ آنحضرت سے کہنے لگے: "یارسول اللہ، کیا یہ شرط بھی ہم منظور کریں گے؟" آپؐ نے جواب دیا "ہمارا جو آدمی اُن کے پاس چلا جائیگا خدا کی اُس پر پھٹکار ہوگی، اور اُن کا جو آدمی ہمارے پاس آجائے گا اور ہم حوالہ کر دیں گے، خدا اُس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔"[1]

تکمیلِ معاہدہ کے بعد حکمِ نبوی

معاہدہ مکمل ہوگیا تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اٹھو، قربانی کرو اور سر منڈواؤ۔ آپؐ نے مکرّر سہ مکرّر یہ حکم دیا، مگر مسلمان اس قدر برہم تھے کہ ایک دو کے سوا کسی نے بھی تعمیل نہ کی۔ آپؐ کو اس سے نہایت صدمہ ہوا اور افسردگی کے ساتھ اندر چلے گئے۔ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ نے یہ حالت دیکھی تو وجہ دریافت کی، آپؐ نے بیان کیا کہ مسلمانوں نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی۔ وہ عرض کرنے لگیں "اگر آپؐ چاہتے

---

[1] صلح حدیبیہ کا صلح نامہ مسلمانانِ ہند کے لئے ایک بہترین سیاسی رہنمائی ہے، ہمیں ہندوستان آزاد کرانا ہے، ہندوستان کی آزادی سے ہمارے بہترین قومی و اسلامی فوائد وابستہ ہیں، بلکہ اسلام اور اسلام کی سیاسی نجات اسی پر موقوف ہے، ہم ہندوستان کو آزاد نہیں کرا سکتے جب تک ابنائے وطن سے کامل صلح نہ کریں، جس طرح بھی ممکن ہو ہمیں یہ صلح حاصل کرنی ہے شرطوں کی سختی نرمی کا خیال نہ

ہیں کہ لوگ تعمیل کریں تو کسی سے کچھ نہ کہیئے، خاموشی سے اٹھئے، قربانی کیجئے اور حلاق کو بلاکر سر منڈا دیجئے، سب فوراً پیروی کریں گے،" آپؐ نے اس دانشمندانہ مشورہ پر عمل کیا، لوگوں نے دیکھا تو مستعدی سے قربانیاں کرنے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔

مہاجر عورتوں کے متعلق حکم

یہیں مومن عورتیں حاضر ہوئیں اور قرآن میں اُن کے متعلق نازل ہوا:

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا جَآءَ کُمُ	اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن
الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ	عورتیں ہجرت کر کے آئیں، اُن کا امتحان کرو.
اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ	اللہ تعالٰی کو ان کے ایمان کا حال خوب معلوم ہے،
مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْکُفَّارِ	اگر تم انہیں ایمان دار سمجھو، تو پھر انہیں کافروں
لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ یَحِلُّوْنَ	کی طرف نہ لوٹاؤ۔ نہ ایمان دار عورتیں کافروں
لَهُنَّ الخ (۶۰ : ۱۰)	کے لئے حلال ہیں اور نہ کافران کے لئے
	حلال ہیں۔

اسی موقعہ پر قبیلہ خزاعہ آنحضرتؐ کی جماعت میں داخل ہوا اور قبیلہ بکر قریش حمایت میں صلح حدیبیہ کا ذکر سورۂ فتح میں موجود ہے۔

(نوٹ بقیہ ص——) چاہیئے۔ بیشمار سیاسی، اجتماعی، جغرافی اور مذہبی اسباب ایسے موجود ہیں جو ہماری اس صلح کو صلح حدیبیہ کی طرح "فتح مبین" کا پیش خیمہ بنا دیں گے۔ کاش مسلمانوں کو عقل آئے اور اسلام کے نادان دوست بننے کے بجائے دانا دوست بن جائیں۔ ہم اپنی جہالت سے اس وقت صرف ہندوستان ہی کو برباد نہیں کر رہے بلکہ اسلام کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ (مترجم)

فصل ۷

غزوۂ خیبر

اللہ کے وعدے کی تصدیق

حدیبیہ سے واپسی کے دس دن بعد جنگِ خیبر واقع ہوئی جس میں کامل فتح اور مالِ غنیمت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ ہی میں کر لیا تھا۔ سورہ فتح میں ہے؛

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ۔
(۴۸ : ۲۰)

اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت سی ایسی غنیمتوں کا وعدہ دیا ہے جو تم حاصل کروگے، اس لئے اللہ تعالیٰ جلد وہ غنیمتیں تم کو ملا دے اور دوسرے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دے (بغیر لڑائی کے حاصل ہوں)

یہودیوں کے ساتھ معاہدہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ لڑتے لڑتے بالآخر یہودی پست ہو گئے اور اس بات پر صلح کرنی پڑی کہ جلا وطن ہو جائیں اور ہتھیاروں کے علاوہ جتنا

مال ومتاع اپنی باربرداریوں پر لے جاسکتے ہیں لے جائیں۔ لیکن جب جلاوطنی کا وقت آیا تو عرض کرنے لگے: "آپؐ ہمیں رہنے دیں، ہم اس زمین سے خوب واقف ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی اصلاح ودرستگی اور حفاظت کرتے رہیں گے!" خود آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے پاس اس وقت کھیتی باڑی کے لئے آدمی نہ تھے آپؐ نے یہودیوں کی درخواست منظور کر لی اور جلاوطنی عارضی طور پر ملتوی کر کے آدھی بٹائی پر انہیں زمینیں دے دیں۔ معاہدہ میں کوئی میعاد مقرر نہ تھی بلکہ آنحضرتؐ کی خوشی پر موقوف تھا جب تک چاہیں رکھیں۔

حضرت صفیہؓ کا اسلام

اسی غزوہ میں صفیہ بنت حیی بن اخطب قید ہو کر آئیں اور اسلام لے آئیں، آپؐ نے انہیں اپنے لئے منتخب کر لیا اور آزاد کر کے زوجیت میں لے آئے، نقد مہر ادا نہیں کیا بلکہ آزادی کو مہر قرار دے دیا۔

ایک یہودن کا آنحضرتؐ کو زہر کھلانا

اسی جنگ میں ایک یہودی عورت زینب الحارث (زوجۂ سلام بن مشکم) نے زہر ملا کر بھنی ہوئی بکری تحفۃً پیش کی جسے آپؐ نے اور بعض صحابہؓ نے تناول کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ کھانے والوں میں جب بشرؓ بن البراء کا انتقال ہو گیا تو آپؐ نے عورت کے قتل کا حکم دے دیا۔ خود آپؐ اگرچہ تین سال اور زندہ رہے لیکن وفات زہر ہی کے اثر سے ہوئی جیسا کہ مرض الموت میں فرمایا: "خیبر میں جو لقمہ کھایا تھا اس سے ہمیشہ تکلیف ہوتی رہی لیکن آج دماغ کی رگ ٹوٹ رہی ہے۔"

تمام یہودی قبیلوں کا مطیع ہونا

خیبر سے فراغت حاصل کر کے وادیِ قریٰ کی طرف متوجہ ہوئے جہاں یہودیوں کا ایک قبیلہ رہتا تھا، اس مقام کو بھی بزورِ شمشیر فتح کر لیا اور باشندوں کے ساتھ اہلِ خیبر کا سا سلوک کیا یہی حشر اہلِ فدک کا بھی ہوا۔ تیما کے یہودیوں کو یہ حالات معلوم ہوئے تو خائف ہو گئے اور صلح کی درخواست بھیجی جو منظور ہوئی اور اہلِ خیبر کی شرطوں پر ان سے بھی معاملہ کر لیا۔ یہ تمام یہودی قبیلے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک رہے، جنہوں نے خیبر اور فدک کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا مگر تیما اور وادیِ قریٰ والوں کو رہنے دیا کیونکہ یہ دونوں علاقے حدودِ شام میں داخل تھے اور خیبر و فدک سرزمین مقدسِ حجاز میں کہ جس کا غیر مسلموں سے پاک کرنا ضروری تھا۔

*

فصل ۸

غزوۂ فتحِ مکّہ کا بیان

اسبابِ جنگ

۱۰ رمضان ۸ھ میں مکّہ فتح ہوا۔ واقعہ یوں ہے کہ قریش کے حلیف بنی بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خُزاعہ پر بلا سبب حملہ کر دیا۔ قریش نے اپنے اتحادیوں کی ہتھیاروں سے مدد کی اور خود بھی چھپ کر رات کو اُن کی طرف سے لڑے اور اس طرح حدیبیہ کا معاہدۂ صلح توڑ دیا۔ بنی خُزاعہ کا ایک شیخ بدل بن ورقار فریاد لے کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فوراً تیاری شروع کر دی اور جلد سے جلد اس طرح روانہ ہو گئے کہ قریش کو خبر تک نہ ہو اور اچانک گھر جائیں۔

حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی لغزش

اِس موقع پر ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ سے سخت لغزش ہوئی۔ جب سب لوگ تیاریوں میں مصروف تھے تو انہوں نے یہ کیا کہ ایک عورت کے ہاتھ قریش کو خط بھیجا جس میں مِن وعَن سب باتیں بیان کر دیں اور صاف لکھ دیا کہ

آنحضرتؐ تم پر یلغار کئے آرہے ہیں۔ مگر مشیتِ ایزدی یہی تھی کہ قریش بے خبری ہی میں اپنے کئے کی سزا بھگتیں، چنانچہ یہ عورت مسلمان مخبروں کے ہاتھ گرفتار ہو گئی اور حاطب کا راز فاش ہو گیا۔

لغزش کی وجہ

آنحضرتؐ نے حاطبؓ کو بلا کر سبب دریافت کیا، یہ مومنِ صادق تھے، سچائی سے کہنے لگے: "یا رسول اللہ، میرے معاملہ میں جلدی نہ کیجئے، خدا گواہ ہے کہ میں اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر صدقِ دل سے ایمان لایا ہوں، نہ مُرتد ہوا ہوں نہ کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے۔ اصل یہ ہے کہ میں خود تو قریشی ہوں نہیں، یونہی قبیلۂ قریش کے ساتھ رہنے لگا ہوں، میرے اہل و عیال سب کے سب ان کے رحم پر ہیں، قریش میں میری کوئی ایسی رشتہ داری بھی نہیں جو ان کی حفاظت کی ضامن ہو، برخلاف آپؐ کے اور اصحابؓ کے جن کے قرابت دار وہاں موجود ہیں اور اُن کے اہل و عیال کی حفاظت و حمایت کرتے ہیں، یہی سوچ کر میں نے چاہا کہ اگر رشتہ داری نہیں تو کم از کم قریش پر ایک ایسا احسان کر دوں جس کے صلہ میں وہ میرے خاندان کا کچھ خیال کریں" آنحضرتؐ نے یہ جواب قبول کر لیا اور حاطبؓ کی خطا معاف کر دی۔

مجاہدینِ اسلام کا لشکرِ جرّار

جب تیاریاں ہر طرح مکمل ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت عباسؓ جو مع و اہل و عیال ہجرت کئے چلے آرہے تھے ملے اور لشکر میں شامل ہو گئے۔ جب فوجِ اسلام مَرّ الظّہران نامی مقام پر پہنچی تو آپؐ نے رات کو آگ جلانے کا حکم دیا اور بیک وقت دس ہزار آدمیوں

نے آگ جلادی جس سے قرب وجوار کے تمام علاقے روشن ہو گئے قریش کو اب تک کچھ خبر نہ تھی، انہیں ڈر تو تھا مگر یہ وہم وگمان بھی نہ گزرا تھا کہ مسلمان اس تیزی سے سر پر آپہنچیں گے!

حضرت عباسؓ کی خواہش

حضرت عباسؓ کو تشویش تھی اور وہ چاہتے تھے کہ قریش کو اطلاع کرا دیں تاکہ امان حاصل کرلیں اور مکّہ خونریزی سے بچ جائے۔ چنانچہ اسی ارادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خچر پر سوار ہو کر نکلے اور اِدھر اُدھر کسی مکّہ جانے والے کی تلاش کرنے لگے۔

حضرت عباسؓ کا بیان

حضرت عباسؓ خود روایت کرتے ہیں کہ: "میں اس جستجو میں پھر رہا تھا کہ اندھیرے میں ابوسفیان کی آواز سنائی دی جو بدیل بن ورقا سے باتیں کر رہا تھا۔ ابوسفیان نے تعجب سے کہا "بدیل، واللہ میں نے آج تک اتنی آگ اور ایسا بڑا پڑاؤ کبھی نہیں دیکھا" بدیل (جو درپردہ مسلمانوں سے ملے ہوئے تھے) نے کہا "یہ قبیلہ خزاعہ کی آگ اور انہیں کا پڑاؤ ہے۔" ابوسفیان نے تردید کی "نہیں، اتنی بڑی آگ اور ایسا پڑاؤ کسی طرح بھی خُزاعہ کا نہیں ہوسکتا، خزاعہ کی تعداد بھلا اتنی کہاں؟" حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں نے آواز پہچان کر پکارا: "ابوحنظلہ!" (ابوسفیان کی دوسری کنیت ہے) اُس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بڑے اضطراب سے پوچھنے لگا "یہ کیا معاملہ ہے؟" میں نے کہا "یہ رسول اللہؐ ہیں اور ان کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے، بخدا اگر تمہیں پا جائیں گے مسلمان گردن مارے نہ چھوڑیں گے!" وہ بولا "پھر اب کیا تدبیر ہے؟" میں نے کہا "خاموشی سے میرے پیچھے خچر پر آجاؤ، رسول اللہؐ کی خدمت میں چل کر تمہارے لئے

امان حاصل کئے لیتا ہوں" ابوسفیان نے اسے منظور کیا اور خدمتِ نبویؐ میں پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا۔

ابوسفیانؓ کا امتیاز

حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ سے یہ بھی عرض کیا کہ ابوسفیان ایک فخار آدمی ہے، اسے کوئی امتیاز عطا کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: "جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا اس کے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں چلا جائے گا، اس کے لئے امان ہے۔"

ابوسفیانؓ اور اہالیانِ مکہ

مشرف باسلام ہو کر ابوسفیانؓ مکہ گئے اور قریش کو باآوازِ بلند پکارا "یہ دیکھو! محمدؐ لشکرِ جرار لئے آپہنچے تم ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے، جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے امان ہے!" پہلے تو قریش سخت متحیر و مضطرب ہوئے پھر ابوسفیانؓ پر ناراض ہو کر کہنے لگے: "خدا تجھے غارت کرے، تیرا گھر کتنے آدمیوں کو پناہ دے گا!" پھر سب کے سب مسجد اور اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے۔

مجاہدینِ اسلام کا مکہ میں داخلہ

اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کے ساتھ بالائی مکہ سے شہر میں داخل ہوئے اور حضرت خالدؓ کو اس فرمان کے ساتھ نشیبی مکہ سے بھیجا کہ اگر کوئی قریشی تعرض کرے تو بے تکلف قتل کر کے صفا پر میرے پاس پہنچ جانا۔

حماس بن قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ کے داخلہ سے پہلے ہتھیار مہیا

کر رہا تھا، اُس کی بیوی نے پوچھا یہ تیاریاں کس کے لئے ہیں؟" کہنے لگا" محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کے لئے" وہ کہنے لگی" واللہ تمہارے یہ ہتھیار محمدؐ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے!" اس پر وہ فخر سے بولا" خدا کی قسم میں ان میں سے ایک دو کو پکڑ کر تیری غلامی میں رکھوں گا" پھر یہ شعر پڑھا:

ان یقبلوا الیوم فمالی علۃ ہٰذا سلاح کامل واٰلۃ

(ترجمہ اگر آج وہ آجائیں تو میرے لئے کوئی مجبوری نہیں ہے، یہ پورے ہتھیار اور مکمل سازوسامان موجود ہے)

اس کے بعد ہی خالدؓ کی آمد آمد سنی اور مزاحمت کرنے کیلئے یہ بھی نکلا، معمولی چھیڑ چھاڑ ہوئی جس میں دو مسلمان اور بارہ مشرک قتل ہوئے، پھر کفار کے قدم اکھڑ گئے اور بھگوڑوں کے ساتھ حماس بھی بھاگا، ہانپتا کانپتا گھر پہنچا اور بیوی سے کہنے لگا جلد دروازہ بند کر کے مجھے بچاؤ! وہ کہنے لگی" اور وہ تمہارا فخر کیا ہوا؟"

طوافِ کعبہ اور بُت شکنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داخلہ کے بعد کعبہ کا رخ کیا، مہاجرین وانصار آگے پیچھے دائیں بائیں چل رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہوگئے۔ حضورؐ ناقہ پر سوار حجر اسود کی طرف بڑھے، اسے چھوا اور سواری پر سے ہی طواف شروع کیا۔ کعبہ کے اوپر اور اس کے گرد تین سو ساٹھ بُت رکھے تھے، آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی جس سے ایک ایک کو مار کر زمین پر گراتے اور فرماتے جاتے تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (۱۷ : ۸۱)

حق آگیا اور باطل (جھوٹ) نکل بھاگا، باطل ہی ہمیشہ شکست اٹھانے والا ہے۔

اور

جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيْدُ!" (۳۴ : ۴۹) حق آگیا اور باطل بالکل بے بس ہو گیا۔

عجیب منظر تھا، عرب کے یہ خدا یکے بعد دیگرے منہ کے بل زمین پر گر رہے تھے، ان کے پرستار دیکھتے تھے مگر دم مارنے کا یارانہ تھا! اُس دن اسلام کے خدا رب السموٰات والارض کا بول بالا ہوا اور اُس کا گھر ہمیشہ کے لئے معبودانِ باطل سے پاک ہو کر توحید کا مرکز بن گیا!!

طواف کے بعد عثمان بن طلحہ کو بلایا جس کے پاس خانہ کعبہ کی کنجی رہتی تھی کنجی طلب کی اور اُس پر سے تصویریں مٹا دیں ان میں علاوہ اوروں کے حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی تصویریں بھی تھیں۔

دخولِ کعبہ اور قریش سے خطاب

پھر نماز پڑھی، کعبہ کے اندر داخل ہوئے، تکبیر کہی اور لوٹ کر دروازہ پر کھڑے ہوئے تو دیکھا قریش کی بھیڑ صفیں باندھے کھڑی ہے۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے حسبِ ذیل کلمات کہے:

"ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جتھوں کو تن تنہا توڑ ڈالا۔ ہاں ہر طرح کا فخر، ہر طرح کی حق تلفی اور ہر قسم کے خون سب میرے ان قدموں کے نیچے ہیں[1] د

[1] یعنی جاہلیت کے زمانہ کی یہ تمام باتیں جن سے جھگڑا پیدا ہوتا تھا سب موقوف اور جو ہو چکیں سب معاف ہیں۔

کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانا اس سے مستثنیٰ ہے۔ اے قریش، خدا نے
تم سے جاہلیت کا غرور اور باپ دادا پر گھمنڈ دور کر دیا، تمام انسان آدمؑ کی اولاد
ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے (پھر آیت پڑھی)

یَآیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ	اے لوگو، ہم نے تمہیں نر مادہ سے پیدا
اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ	کیا اور قومیں اور قبیلے بنا دیا تاکہ باہم پہچانو
لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ	خدا کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ
اَتْقٰکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (۴۹/۱۳)	پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ علیم و خبیر ہے۔

پھر فرمایا "قریش! تمہارے خیال میں تم سے میں کیا سلوک کروں گا؟" سب
پکار اٹھے: "اچھا سلوک، آپ شریف برادر اور شریف برادر زادے ہیں!" فرمایا
میں اس وقت تم سے وہی کہونگا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا
یعنی: "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (۱۲ : ۹۲) (آج تم پر کچھ بھی الزام و ملامت
نہیں) جاؤ تم سب آزاد ہو!"

تولیتِ کعبہ

اس کے بعد صحن مسجد میں جلوہ افروز ہو گئے۔ حضرت علیؓ ہاتھ میں خانہ کعبہ
کی کنجی لے کر کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: "یا رسول اللہ، حاجیوں کے پانی
پلانے کی خدمت کے ساتھ کعبہ کی تولیت کا شرف ہمیں بخش دیجیے"، آپؐ نے
کوئی جواب نہ دیا اور عثمان بن طلحہ کو پکارا، وہ آئے تو ان کی طرف کنجی بڑھاتے ہوئے
فرمایا "لو یہ کنجی لو، آج نیکی اور ایفاء عہد کا دن ہے۔"

نمازِ شکر: پھر اُمّ ہانی بنت ابی طالب (اپنی چچیری بہن) کے گھر تشریف لے

گئے، غسل کیا اور وہیں آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ وقت ضحیٰ کا تھا، اسی لئے بعض لوگوں نے غلطی سے خیال کرلیا ہے کہ یہ صلوٰۃ ضحیٰ تھی، حالانکہ نمازِ شکر تھی جو اس فتحِ مبین کے شکرانہ میں ادا کی گئی تھی۔ اس کی دلیل خود اُم ہانی کی حدیث میں موجود ہے کہ "اس دن سے پہلے اور پیچھے کبھی میں نے آپؐ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا" علاوہ ازیں امراءِ اسلام اور خلفاء ہمیشہ فتوحات کے موقعوں پر اسی طرح نمازِ شکر ادا کیا کرتے تھے۔

فصل ۹

غزوہ حُنَین

وجہ جنگ

اِس عظیم الشّان جنگ کا باعث یہ ہوا کہ جب قبیلۂ ہوازن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور فتح مکہ کی خبر پہنچی تو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو عبداللہ الاسلمی کو جاسوسی کیلئے بھیجا، انہوں نے آکر تمام حالات بیان کئے اور آپؐ کو یقین ہو گیا کہ اگر پیشقدمی کر کے دشمن کو روکا نہ جائے گا تو وہ خود مکہ پر آکے حملہ کر دیگا۔ چنانچہ اس فیصلہ کن جنگ کے لئے خود بھی تیاری کی۔

جنگ کی تیاری

صفوان بن اُمیہ مکہ کا ایک بڑا رئیس تھا اور اپنے پاس بہت ہتھیار رکھتا تھا۔ آپؐ نے اسے بُلا کر فرمایا "اپنے ہتھیار ہمیں دیدو کہ دشمن سے مقابلہ کریں" اس نے کہا "محمدؐ! کیا میرے ہتھیار غصب کرنا چاہتے ہو؟" فرمایا "نہیں بلکہ عاریتہً

چاہتا ہوں" چنانچہ اُس نے سو زرہیں اور اتنے ہی ہتھیار دیدیئے۔

جرار لشکر کی یلغار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ شروع کیا، دس ہزار مہاجرین اور انصار جو فتح مکہ میں ساتھ تھے اور دو ہزار مکہ کے باشندے ہمراہ چلے۔ عتاب بن اسید کو مکہ کی امارت سپرد کی اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ یہ لشکرِ گراں یلغاریں مارتا روانہ ہوا۔

بے خبری میں دشمن کا حملہ

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ: جب ہم وادیٔ حُنین کے سامنے پہنچے تو ایک ڈھلوان وادی کو تیزی سے طے کرنے لگے، رات ختم ہو چکی تھی مگر تاریکی ہنوز پھیلی ہوئی تھی، دشمن ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا اور جھاڑیوں، موڑوں اور پُرپیچ راستوں میں جابجا ہماری تاک میں چھپا بیٹھا تھا۔ ہم بالکل بے خبر چلے جا رہے تھے کہ اچانک خطرہ ظاہر ہوا اور ہم ہر طرف سے بری طرح گھر گئے، دشمن نے بڑی سختی سے حملہ کیا اور مطلقاً مہلت نہ لینے دی۔

مسلمانوں کی بدحواسی اور شکست

اس ناگہانی مصیبت نے مسلمانوں کو بدحواس کر دیا اور وہ بڑی ابتری سے بھاگنے لگے رسول اللہؐ دائیں طرف ہٹ کے کھڑے ہو گئے اور پکارنے لگے: لوگو! کہاں؟ کہاں؟ ادھر آؤ، میں رسول اللہؐ ہوں! میں محمدؐ بن عبداللہ ہوں! لیکن لوگ بڑی بدحواسی سے بھاگ رہے تھے، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ آپؐ کے ساتھ صرف چند مہاجرین اور آپؐ کے اہل بیت باقی رہ گئے تھے۔

گنواروں کا بے تکا کلام

مکہ کے اجڈ گنواروں نے جو لشکر میں ساتھ تھے مسلمانوں کی شکست دیکھی تو دل کا بُغض نکالنے لگے۔ ابوسفیان نے کہا "اب یہ بھگوڑے سمندر سے ادھر نہیں رُکنے کے!" کلدہ نے کہا "لو آج سارا جادو ٹوٹ گیا!"

مسلمانوں کی جمعیّت اور فتح

حضرت عباسؓ کی روایت ہے: "میں یومِ حُنین میں رسول اللہؐ کے ساتھ تھا اور آپؐ کے خچّر کی باگیں تھامے کھڑا تھا۔ آپؐ نے جب مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو چلّائے: "لوگو! کہاں؟ کہاں؟" مگر کون سنتا تھا۔ میں ایک نہایت فربہ اور بلند آواز آدمی تھا، مجھ سے فرمانے لگے: "عباس، انصاریوں کو ذرا آواز دو" میں چلّایا "اے قومِ انصار!" لوگ سنتے ہی "لبیک لبیک!!" کہتے دوڑے اور رسول اللہؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر جنگ شروع ہوئی اور خاتمہ مسلمانوں کی فتح اور کفّار کی شکست پر ہوا۔"

مالِ غنیمت اور تقسیم

فتح کے بعد آپؐ نے مالِ غنیمت اور قیدی جمع کرنے اور مقام جعرانہ میں لے جانے کا حکم دیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ چھ ہزار قیدی ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بھیڑ بکری اور ۴ ہزار اوقیہ چاندی ملی ہے۔ آپؐ نے قیدیوں کے ساتھ بڑی رعایت کی، دو ڈھائی ہفتہ انہیں تقسیم نہ کیا کہ شاید ان کے اعزا مسلمان ہو کر حاضر ہوں اور لے جائیں۔ انتظار کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم شروع کی، سب سے پہلے مؤلفۃ القلوب کا حصّہ لگایا، ابوسفیان کو ۴۰ اوقیہ چاندی اور سَو اونٹ دیئے، وہ کہنے لگے،

اور میرے بیٹے یزید کے لئے؟" آپؐ نے انہیں مزید ۴۰ اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دیدئے۔ انہوں نے پھر کہا "معاویہ کے لئے؟" آپؐ نے معاویہ کے نام سے بھی اتنا ہی حصہ دے دیا۔ مؤلفۃ القلوب سے فراغت حاصل کر کے باقی مالِ غنیمت عام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں پڑیں۔ سواروں کو سہ گنا زیادہ دیا۔

انصار کا انتشارِ قلب اور برہمی

ابو سعید الخدریؓ کی روایت ہے کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی فیاضی سے قریش اور دیگر قبائل کو مالِ غنیمت دیا اور انصاریوں کو کچھ زیادہ نہ ملا تو انہیں اس سے سخت رنج ہوا اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے بعضوں نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ "رسول اللہ اپنی قوم سے مل گئے ہیں!" سعد بن عبادہ انصاریؓ نے سنا تو خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر خبر دی۔ فرمایا "انصار کو جمع کرو"

آنحضرتؐ کا زبردست خطبہ

پھر آنحضرتؐ اُن میں تشریف لے گئے اور خطبہ دیا:

"انصار! یہ کیا گفتگو ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟ وہ کیا شکایت ہے جو تمہیں مجھ سے پیدا ہوئی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اور خدا نے مجھے بھیج کر تمہاری ہدایت کی؟ کیا تم مفلس نہیں تھے اور خدا نے میرے ذریعہ تمہیں مالا مال کر دیا؟ کیا تم میں پھوٹ نہیں پڑی ہوئی تھی اور خدا نے میرے ہاتھوں تمہارے دل جوڑ دیے؟" آپؐ خاموش ہوئے تو سب بیک زبان بول اٹھے "اللہ اور اس کے رسولؐ کے احسانات ہم پر بہت ہیں!" آپؐ نے پھر فرمایا "انصار! تم میرے

سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟" کہنے لگے! یارسول اللہؐ! کیا جواب دیں، آپؐ کے ہم پر بے شمار احسان ہیں۔" فرمایا: بخدا! اگر تم چاہتے تو جواب دے سکتے تھے جو بالکل صحیح ہوتا اور جس کی حرف بحرف میں تصدیق کرتا۔ تم کہہ سکتے تھے: تجھے سب نے جھٹلا دیا تھا، تو ہمارے پاس آیا اور ہم نے تیری تصدیق کی! تیرا کوئی ناصر و مددگار نہ تھا، ہم نے مدد کی! لوگوں نے تجھے نکال دیا تھا، ہم نے پناہ دی! تُو محتاج تھا، ہم نے دستگیری کی! اے انصار! تم صرف اتنی سی بات پر رنجیدہ ہو گئے کہ میں نے دنیائے دوں دے کر کچھ لوگوں کے قلوب کی تالیف کی تاکہ وہ اسلام قبول کریں اور تمہیں تمہارے اسلام پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا؟ انصار! کیا تم اس سے خوش نہ ہو گے کہ اَور لوگ بھیڑ بکری اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اپنے گھر رسول اللہ کو لے کر لوٹو؟ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے جو کچھ تم لے کر لوٹو گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جسے لے کر وہ لوٹیں گے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں کا ایک شخص ہوتا۔ اگر سب لوگ ایک راستہ سے جائیں اور انصار دوسرے سے تو میرا راستہ وہی ہوگا جو انصار کا ہے۔ انصار مغز ہیں اور تمام لوگ چھلکا۔ خداوندا! انصار پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر!!

انصار کی تسکینِ قلب

اس پُر اثر خطبہ سے آنکھیں اشکبار اور داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور انصاری چلائے: "ہم رسول اللہؐ کو حصہ میں پا کر بہت خوش ہیں!"

فصل ۱۰

غزوۂ تبوک

بناءِ جنگ

رجب ۹ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ رومیوں نے ملک شام میں فوجیں جمع کی ہیں ہرقل شاہِ روم نے سال بھر کی رسد دے کر ایک لشکر تیار کیا ہے، حدودِ عرب کے عربی قبیلے لخم وجذام و عاملہ وغسان ان کے ساتھ ہو گئے ہیں اور مقدمۃ الجیش یلغار کر کے بلقار تک پہنچ گیا ہے۔ یہ زمانہ سخت تنگی اور قحط کا تھا آنحضرتؐ نے مالداروں کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے تعمیل کی، حضرت عثمانؓ نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔

رسول اللہؐ کا دستور

آنحضرتؐ کا دستور تھا کہ جنگ کے موقعوں پر کبھی ظاہر نہ کرتے کہ کدھر کا قص

ہے، لیکن تبوک کے موقعہ پر صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ رومیوں سے جنگ درپیش ہے، کیونکہ مسافت دراز تھی اور زمانہ قحط کا تھا۔

مُنافقین کی حیلہ سازی

جد بن قیس سے فرمایا: "اے جد، کیا اس سال رومیوں سے نبرد آزمائی کے لئے چلو گے؟" اس نے حیلہ سازی کی: "یارسول اللہ، کیا آپ مجھے آزمائش سے معاف نہ رکھیں گے؟ سب لوگ جانتے ہیں کہ مجھے عورتوں سے نہایت رغبت ہے، میں ڈرتا ہوں کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر بے اختیار نہ ہو جاؤں!" آپؐ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا "خیر نہ جاؤ" اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ (۹ : ۴۹)	ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں مجھے رہ جانے کی اجازت دے دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالئے۔

منافقوں نے ہمتیں پست کرنا شروع کیں اور کہنے لگے اس گرمی میں نہ جاؤ، اس پر یہ آیت اتری:

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ (۹ : ۸۱)	یہ کہتے ہیں گرمی میں کوچ نہ کرو، اے پیغمبر کہہ دو کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ سخت گرم ہے، کاش ان میں عقل ہوتی۔

اس موقع پر اشعریوں نے ابو موسیٰؓ کو بھیجا کہ آنحضرتؐ سے سواریاں مانگیں، آپؐ اس وقت ناراض تھے، غصہ سے قسم کھا کر فرمانے لگے: "واللہ میں تمہیں ہرگز سواری نہ دوں گا اور پھر میرے پاس سواری ہے بھی نہیں" اس کے بعد ہی کچھ اونٹ آگئے

آپؐ کا غصہ فرو ہوگیا اور انہیں واپس بلا کر اونٹ مرحمت کر دیئے۔ ساتھ ہی فرمایا:
"میں نے تمہیں سواری نہیں دی، لیکن وہ خدا ہے جس نے یہ اونٹ بھیج دیئے ہیں۔ میں جب قسم کھاؤں گا اور پھر دیکھوں گا کہ اس کے خلاف عمل کرنا بہتر ہے تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دوں گا۔"

علیہؓ کی دعائے مقبول

اسی موقع پر ایک رات علیہ بن زیدؓ نے نماز پڑھی اور رو رو کر دعا کی: "خداوندا تو نے جہاد کا حکم دیا ہے لیکن مجھے اتنا نہیں دیا کہ تیرے رسولؐ کا ساتھ دے سکوں اور نہ اپنے رسولؐ کو اتنا دیا ہے کہ مجھے ساتھ لے جا سکے، خداوندا! اگر میں جہاد کے ناقابل ہوں تو میں ہر وہ تکلیف تیری راہ میں معاف کرتا ہوں جو کسی مسلمان کے ہاتھ سے مجھے پہنچی ہے، جان کی ہو یا مال کی یا آبرو کی!" اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا "علیہ تیری یہ دعا بطور زکوٰۃ مقبول لکھ لی گئی!"

خاتمۂ جنگ، صلح اور جزیہ پر

جب تبوک پہنچے تو ایلہ کا سردار حاضر ہوا، صلح کی درخواست پیش کی اور جزیہ ادا کیا، آپؐ نے اسے ایک تحریر لکھ دی جس کا مضمون یہ تھا: "یہ تحریر یحنہ بن رُوبہ اور اُس کی قوم اہلِ ایلہ کے لئے خدا اور خدا کے رسول محمدؐ کی طرف سے امان ہے، اہلِ ایلہ اور ان کے ساتھی شامیوں، یمنیوں اور اہل بحرین کے لئے خشکی اور تری میں پناہ ہے، اُن کی کشتیاں اور ان کے قافلے اللہ اور محمدؐ نبی کی پناہ میں ہیں۔ اگر ان کا کوئی آدمی خلافِ معاہدہ کوئی کام کریگا تو اس کا مال اس کی جان کو نہ بچا سکے گا بلکہ وہ کس و ناکس کے لئے مباح ہو گی۔ ان کے لئے جائز نہیں کہ خشکی و تری میں کوئی را

یا جگہ کام میں آنے سے روکیں۔"

عظیم الشان خطبہ

آنحضرتؐ نے تبوک میں ایک عظیم الشان خطبہ بھی دیا تھا جو حسب ذیل ہے:

أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ	اما بعد، سب سے زیادہ سچی بات، کتاب اللہ
اللّٰهِ، وَأَوْثَقُ الْعُرَى كَلِمَةُ التَّقْوَى	ہے۔ سب سے بڑا سہارا، تقویٰ ہے۔ سب سے
وَخَيْرُ الْمِلَلِ مِلَّةُ إِبْرَاهِيمَ، وَخَيْرُ	اچھی ملت، ملتِ ابراہیمیؑ ہے۔ سب سے بہتر سنت
السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ وَأَشْرَفُ الْحَدِيثِ	سنتِ محمدیؐ ہے۔ سب سے اچھی بات، ذکر الٰہی
ذِكْرُ اللّٰهِ وَأَحْسَنُ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْآنُ	ہے۔ سب سے عمدہ داستان، قرآن ہے۔ سب
وَخَيْرُ الْأُمُورِ عَوَازِمُهَا وَشَرُّ الْأُمُورِ	سے اچھے کام، عزیمت کے کام ہیں۔ سب سے
مُحْدَثَاتُهَا، وَأَحْسَنُ الْهُدَى هَدْيُ	برے کام، بدعت کے کام ہیں۔ سب سے بہتر راستہ
الْأَنْبِيَاءِ، وَأَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ	انبیاء کا راستہ ہے۔ سب سے زیادہ معزز موت،
الشُّهَدَاءِ وَأَعْمَى الْعَمَى الضَّلَالَةُ بَعْدَ	شہادت کی موت ہے۔ بدترین کور بصری ہدایت
الْهُدَى، وَخَيْرُ الْأَعْمَالِ مَا نَفَعَ	کے بعد گمراہی ہے۔ سب سے اچھا کام وہ ہے
وَخَيْرُ الْهُدَى مَا اتُّبِعَ، وَشَرُّ	جو نفع پہنچائے۔ سب سے اچھی راہ وہ ہے جس
الْعَمَى عَمَى الْقَلْبِ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ	کی پیروی کی جائے۔ بدترین تاریکی دل کی تاریکی
مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَمَا قَلَّ وَكَفَى خَيْرٌ	ہے۔ دینے والا ہاتھ، لینے والے سے بہتر ہے۔
مِمَّا كَثُرَ وَأَلْهَى، وَشَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِينَ	جو چیز کم مگر ضرورت بھر کی ہو، اس سے کہیں
يَحْضُرُ الْمَوْتُ، وَشَرُّ النَّدَامَةِ يَوْمَ	بہتر ہے جو زیادہ ہو مگر غفلت میں ڈالے۔ بدترین
الْقِيَامَةِ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَا يَأْتِي	توبہ موت کے وقت کی توبہ ہے۔ بدترین ندامت

الْجُمُعَةَ اِلَّا دُبُرًا، وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يَذْكُرُ
اللّٰهَ اِلَّا هَجْرًا،
وَمِنْ اَعْظَمِ الْخَطَايَا اللِّسَانُ الْكَذَّابُ
وَخَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ، وَخَيْرُ الزَّادِ
التَّقْوٰى، وَرَاْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ
عَزَّ وَجَلَّ وَخَيْرُ مَا وُقِرَ فِي الْقُلُوْبِ
الْيَقِيْنُ، وَالْاِرْتِيَابُ مِنَ الْكُفْرِ وَ
النِّيَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَالْغُلُوْلُ
حَرُّ جَهَنَّمَ، وَالْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ وَشَرُّ
الْمَاْكَلِ مَالُ الْيَتِيْمِ وَالسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ
بِغَيْرِهٖ، وَمِلَاكُ الْعَمَلِ خَوَاتِمُهٗ، وَشَرُّ
الرُّؤْيَا الْكِذْبُ وَسِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ
وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ، وَاَكْلُ لَحْمِهٖ مِنْ مَعْصِيَةِ
اللّٰهِ، وَحُرْمَةُ مَالِهٖ كَحُرْمَةِ دَمِهٖ، وَمَنْ
يَّعْفُ يَعْفُ اللّٰهُ عَنْهُ، وَمَنْ يَّكْظِمِ الْغَيْظَ
يَاْجُرْهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ
يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ يُعَذِّبْهُ
ثُمَّ اَسْتَغْفِرُ ثَلَاثًا۔

قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ بہت لوگ
ہیں جو پیٹھ پھیر کر جمعہ کا استقبال کرتے ہیں۔ بہت
لوگ ہیں جو خدا کو کبھی یاد نہیں کرتے۔ سب سے
بڑی خطا، جھوٹی زبان ہے۔ سب سے بڑی دولت
دل کی دولت ہے۔ سب سے بہتر توشہ، تقویٰ
ہے۔ سب سے بڑی دانائی، مخافت و خشیت
الٰہی ہے۔ دل میں راسخ ہونے والی سب سے
اچھی چیز، یقین ہے۔ شک، کفر کی ایک شاخ ہے۔
میت پر نوحہ، جاہلیت کی خصلت ہے۔ مسلمانوں
کے مال میں خیانت، جہنم کی گرمی ہے۔ شراب،
گناہ کا سرچشمہ ہے۔ بدترین ذریعۂ معاش، یتیم
کے مال کا کھانا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو
دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ عمل کا مدار
اس کے خاتمہ پر ہے۔ بدترین خواب، جھوٹا خواب
ہے۔ مسلمان کو گالی دینا، فسق ہے۔ مسلمان
کا قتل کفر ہے۔ غیبت کر کے مسلمان کا گوشت
کھانا، معصیت ہے۔ مسلمان کے مال کی حرمت
اس کی جان کی حرمت کے برابر ہے۔ جو معاف
کرتا ہے، خدا اسے معاف کرے گا۔ جو غصہ

پیتا ہے، خدا سے اجر پائے گا۔ جو نافرمانی کرتا ہے، خدا اُسے عذاب میں ڈالے گا۔" اس کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ کہا (اور خطبہ ختم کر دیا)۔

ابو عامر کی سازش

تبوک سے واپسی پر بعض منافقوں نے سازش کی کہ راستہ میں رسول اللہ کو گھاٹی میں کہیں گرا دیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اُن کے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپؐ دوسرے راستہ سے نکل گئے۔ اسی واقعہ کی طرف آیت "وَھَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا" (۹:۷۴) میں اشارہ کیا ہے۔ اس سازش کا سرغنہ ابو عامر تھا جسے راہب بھی کہتے تھے۔ مسجدِ ضرار بھی اسی کے اشارہ سے بنی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ابو عامر نے منافقوں سے کہا "اپنے لئے الگ مسجد بناؤ اور جہاں تک آدمی اور ہتھیار ہو سکیں، جمع کرو، میں قیصرِ روم کے پاس جا کر ایک لشکرِ عظیم لاؤں گا اور محمدؐ کو مع ان کے اصحابؓ کے نکال باہر کر دوں گا!" چنانچہ جب مسجد تیار ہو گئی تو یہ منافق خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے کہ ہم مسجد بنا چکے، چل کر اس میں نماز پڑھ دیجئے تاکہ موجبِ برکت ہو۔ اس پر آیت نازل ہوئی:

لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا، لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ"	اس میں کبھی بھی نماز نہ پڑھو، جو مسجد اوّل دن سے تقویٰ پر مبنی ہے (یعنی مسجدِ قبا) وہ زیادہ مستحق ہے کہ اُس میں نماز پڑھو۔
(۹ : ۱۰۸)	

مسجدِ ضرار کے انہدام کی وجہ

مسجدِ ضرار والوں نے یہی درخواست اس وقت بھی کی تھی جب آپؐ تبوک کے لئے تیاریاں کر رہے تھے، چنانچہ کہا تھا "یارسولؐ اللہ، ہم نے بیماروں، حاجتمندوں اور ضرورت کے وقتوں کے لئے ایک مسجد بنانے کا ارادہ کیا ہے، کیا ہی اچھا ہو اگر آپؐ دو رکعت پڑھ کر اُسے متبرک کر دیں" اس وقت آپؐ نے جواب دیا تھا کہ "سفر درپیش ہے، پابرکاب ہو رہا ہوں، عدیم الفرصت ہوں، واپس آؤں تو یاد دلانا، انشاء اللہ تمہاری مسجد میں نماز پڑھوں گا" لیکن واپسی میں مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی وحی نے اس مسجد کی حقیقت کھول دی اور آپؐ نے مالک بن الدخشم اور معن بن عدی العجلانی کو بھیجا کہ "اس مسجد کو جا کر ڈھا ڈالو اور جلا دو!" انہوں نے ایسا ہی کیا اور مسجد والے ادھر اُدھر چل دیئے۔ قرآن میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ

(۹ : ۱۰۷)

اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کے لئے مسلمانوں میں اور تائید میں اس کی جو اللہ اور اُس کے رسولؐ سے پہلے ہی لڑ رہا ہے، اگرچہ اب وہ قسم کھائیں گے کہ ہماری غرض اس سے بھلائی کی ہی تھی، لیکن خدا شہادت دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

مدینہ میں استقبال

تبوک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظفر و منصور واپس لوٹے تھے،

سفر لمبا تھا، خطرے بے شمار تھے، چنانچہ جب مدینہ کے قریب پہنچے اور شہر میں خوشخبری پہنچی تو لوگوں کی مسرت بے اندازہ تھی، ہر قسم کے آدمی، مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، لڑکے لڑکیاں سب استقبال کے لئے باہر نکل آئے۔ مدینہ کی لڑکیوں نے ان اشعار کے شور میں رسولؐ اللہ کا استقبال کیا:

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا   مادعا للہ داعِ

(ترجمہ، بدر نے ثنیات الوداع سے ہم پر طلوع کیا! ہمیشہ کے لئے اللہ کا شکر ہم پر واجب ہوگیا!)

غلط فہمی کا ازالہ

ان اشعار کے بارے میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے، ان کی روایتوں میں ہے کہ یہ شعر اس وقت گائے گئے تھے جب آپؐ ہجرت کرکے مکّہ سے مدینہ پہنچے ہیں، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ مقام "ثنیات الوداع" ملک شام کی طرف ہے نہ کہ مکّہ سے مدینہ کے راستہ پر۔

مدینہ میں آپؐ کا داخلہ ماہ رمضان میں ہوا، سب سے پہلے مسجد تشریف لائے، اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے بیٹھ گئے، جو لوگ اس مہم میں ساتھ نہیں گئے تھے آ آکر معذرت کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ آپؐ نے سب کے عذر قبول کر لئے، کسی کو بھی اسلام سے خارج نہ کیا، لوگوں کے عذر کو لے لیا اور دلوں کا معاملہ علاّم الغیوب کے حوالہ

کر دیا[1]۔ ان لوگوں کی تعداد کچھ اوپر اسی تھی۔

[1] کتب سیرت و حدیث میں کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ رسول اللہ صلی اللہ
وسلم نے کسی مدعیٔ اسلام کو اُس کے اعمال و خیالات کی بنا پر دائرۂ اسلام سے خا
کر دیا ہو اور کفر کی مُہر اس کی پیشانی پر لگا دی ہو جیسا کہ آج کل ہمارے نام نہاد علما
کا شیوہ ہے۔ کاش ان کو عقل آتی اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرتے۔ شریعت کا عا
اصول ہے کہ جو شخص اسلام کا مدعی ہے، کوئی اسے ملت سے خارج نہیں
سکتا، یہاں تک کہ وہ خود اس دروازہ سے نکل جائے جس سے اللہ
دین میں داخل ہوا تھا۔ (مترجم)

فصل ۱۱

وفودِ عرب

آمد کی وجہ

فتح مکہ اور جنگِ حنین نے تمام عرب پر اسلام کی دھاک بٹھا دی تھی، اب عرب کے باہر تبوک کے دھاوے نے اور بھی دبدبہ بڑھا دیا اور تمام اطرافِ عرب سے وفد آنے شروع ہو گئے تاکہ مشرف باسلام ہوں اور امان حاصل کریں۔

وفدِ بنی تمیم

ابن اسحاقؒ کی روایت ہے کہ جب بنی تمیم کا وفد آیا تو سیدھا مسجد میں گھس گیا اور چلانا شروع کیا: "محمدؐ! محمدؐ! باہر آؤ" آنحضرتؐ کو اس شور و غل سے اذیت ہوئی جس پر آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ (۴۹: ۴)	جو لوگ تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے وقوف ہیں۔

بنی تمیم کے وفد میں ان کا قومی شاعر "زبرقان" بھی تھا، وہ کھڑا ہو گیا اور

اپنے قبیلہ کے مفاخر سنانے لگا، اس کا ایک شعر ہے:

نحن الملوك فلا حیٌّ یعادلنا

منا الملوك وفینا تنصب البیع

ترجمہ: ہم بادشاہ ہیں، کوئی ذی روح (یا قبیلہ) ہماری برابری نہیں کرسکتا۔

ہم میں بادشاہ ہوتے ہیں اور ہمارے ہی اندر عبادت خانے قائم ہوتے ہیں۔

زبرقان کا قصیدہ ختم ہوا تو شاعر اسلام حضرت حسانؓ کو جوش آگیا، انہوں نے ایک نہایت مؤثر اور بلیغ قصیدہ پڑھا جس کے چند شعر یہ ہیں:

ان الذوائب من فهر واخوتهم

قد بینوا سنة للناس تتبع

ترجمہ: فہر (قریش) کے سرداروں اور ان کے بھائیوں نے دنیا کے لئے ایک ایسی راہ کھول دی ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے۔"

یرضی بهم كل من كانت سریرته

تقوی الاله وكل الخیر یصطنع

ترجمہ: انہیں ہر وہ شخص پسند کرتا ہے جس کے باطن میں خدا کا خوف ہے اور جو ہر طرح کی نیکی کے کام کرتا ہے۔"

قوم اذا حاربوا ضروا عدوهم

اوحاولوا النفع فی اشیاعهم نفعوا

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب لڑتے ہیں تو دشمن کو نیچا دکھاتے ہیں۔ اور دوستوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو بے کھٹکے نفع پہنچاتے ہیں۔"

سجیۃ تلک فیھم غیر محدثۃ
ان الخلائق فاعلم شرھا البدع

ترجمہ: یہ ان کی ایک ایسی خصلت ہے جو جبلی ہے بناوٹ نہیں۔
بدترین خصلت وہ ہے جو بناوٹ سے ہو"۔

بنی تمیم کا قبولِ اسلام

حضرت حسان" کا قصیدہ ختم ہوا تو رئیسِ وفد اقرع بن حابس اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "یقیناً یہ شخص (یعنی آنحضرت ؐ) بااقبال ہے، اس کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ گویا اور اس کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ بلیغ ہے!" یہ لوگ اسلام لے آئے، رسول اللہ ؐ نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، اور ان کے تمام قیدی جو ایک لڑائی میں پکڑے آئے تھے چھوڑ دیئے!

وفد عبدالقیس

صحیحین میں ہے کہ جب قبیلہ "عبدالقیس" کا وفد حاضر ہوا تو رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا "تم کون لوگ ہو؟" عرض کیا "ہم قوم ربیعہ سے ہیں" فرمایا: "خوش آمدید، تمہارے لئے نہ رسوائی ہے نہ ندامت!" عرض کرنے لگے: "یارسول اللہ ؐ، ہمارے اور آپ ؐ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں، ہم صرف موسم حج ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں، آپ ؐ ہمیں ایک مختتم بات بتا دیجئے کہ اس پر عمل کریں، لوگوں کو اس کی تعلیم دیں، اور جنت سے شاد کام ہو جائیں" فرمایا۔ "چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ واحد پر ایمان لاؤ۔ جانتے ہو "ایمان" کیا ہے؟ شہادت دو کہ بجز اللہ

سے کوئی معبود نہیں، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور مالِ غنیمت میں سے خُمس (پانچواں حصّہ) بیت المال میں داخل کیا کرو۔ چار چیزوں سے منع کرتا ہوں: . . . . ." (آپؐ نے انہیں چار قسم کے برتنوں میں کھجور بھگونے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ برتن عموماً شراب کے لئے استعمال کئے جاتے تھے

وفد بنی حنیفہ

ابواسحاق کی روایت ہے کہ بنی حنیفہ کا وفد حاضر ہوا اور اسلام لایا، مسیلمہ کذاب بھی اس میں موجود تھا، لیکن واپسی پر وہ مُرتد ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے ساتھ اپنی نبوت کا اعلان کرنے لگا۔ اس نے قرآن کے مقابلہ میں مسجع عبارتیں بھی بنائیں، چنانچہ ایک عبارت یہ تھی:

لَقَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَى الْحُبْلٰى، اَخْرَجَ مِنْهُ نَسْمَةً تَسْعٰى مِنْ بَيْنِ صِفَاقٍ وَحَشٰى	خدا نے حاملہ پر احسان کیا، اس سے ذی روح کو نکالا جو چلتا ہے، ما بین صفاق (جسم کی اندرونی جلد) اور معدہ کے۔

نماز معاف کر دی، شراب اور زنا کی اجازت دے دی۔ بنی حنیفہ کے بہت سے سادہ لوح اس کے دھوکہ میں آ گئے اور گمراہ ہوئے۔ اس نے رسول اللہؐ کی خدمت میں ایک خط بھی لکھا تھا کہ:

مِنْ مُسَيْلِمَةَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلُ اللّٰهِ، اَمَّا بعد، فَاِنِّیْ اَشْرَكْتُ فِی الْاَمْرِ مَعَكَ، وَاِنَّ لَنَا نِصْفُ الْاَمْرِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفُ الْاَمْرِ وَلَيْسَ قُرَيْشٌ قَوْمًا يَعْدِلُوْنَ۔	مسیلمہ رسول اللہ سے محمدؐ رسول اللہ کی طرف۔ اما بعد، میں تمہارا ساجھی بنا دیا گیا ہوں، آدھی بادشاہت ہمارے لئے ہے اور آدھی قریش کے لئے، لیکن قریش

کے لئے لیکن قریش انصاف کرنے والے

لوگ نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب تحریر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، اَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔"	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف، سلام اس پر جو ہدایت پر چلے، اما بعد، زمین، اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں جسے چاہے اس کا وارث بنادے، نتیجہ پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

وفدِ نجران

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک وفد حاضر ہوا، عصر کے بعد مسجد نبویؐ میں داخل ہوا اور اپنی نماز پڑھنا چاہی، لوگ منع کرنے اٹھے، مگر آنحضرتؐ نے لوگوں کو روکا اور وفد کو مسجد میں عبادت کی اجازت دے دی۔[1]

مسجد میں مناظرہ

یہیں مسجد نبویؐ میں مدینہ کے یہودی احبار اور نجرانی رہبان میں مناظرہ بھی ہوگیا۔ یہودی حبر نے کہا: "ابراہیم (علیہ السلام) یہودی تھے" عیسائی راہب نے

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ غیر مسلم مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں اپنی عبادت بھی کرسکتے ہیں۔ صدر اوّل میں مساجد ہی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی انجمنوں کا مرکز تھیں اور تمام قومی و ملکی معاملات انہیں میں انجام پاتے تھے۔

کہا: "بلکہ عیسائی تھے" اس پر آیت نازل ہوئی:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنجِيلُ إِلَّا مِن بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۶۵) هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (۶۵) مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۶۶) إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ (۳: ۶۴ تا ۶۷)

اے اہلِ کتاب ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ توراۃ اور انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ تم وہ ہو کہ ایسی باتوں میں جھگڑا کر چکے ہو جن کا تمہیں کچھ علم تھا، مگر جن باتوں کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں اُن میں کیوں جھگڑتے ہو، اللہ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ سب سے پھرے ہوئے اللہ کے فرمانبردار تھے اور اور مشرک بھی نہ تھے۔ ابراہیمؑ سے خصوصیت کے بڑے حق دار تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکی پیروی کی اور یہ پیغمبر اور مومنین، اللہ مومنوں کا مددگار ہے۔

یہودی و عیسائی راہبوں کا سوال

یہ سُن کر ایک یہودی بول اٹھا "اے محمدؐ! کیا تم ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہو کہ تمہاری اسی طرح پرستش کریں جس طرح عیسائی عیسٰیؑ ابن مریمؑ کی کرتے ہیں؟" عیسائی راہب نے بھی یہی سوال کیا۔

رسول اللہؐ کا جواب

رسول اللہؐ نے جواب دیا: "معاذ اللہ! بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کروں یا کسی کو ایسا کرنے کا حکم دوں۔ خدا نے مجھے نہ اس لئے بھیجا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے۔" اس پر قرآن نازل ہوا:

مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ، وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

(۳ : ۷۸، ۷۹)

کسی انسان کو یہ شایاں نہیں کہ خدا اس کو کتاب اور پیغمبری عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو، بلکہ وہ یہی کہے گا کہ خدا پرست بنو اس لئے کہ تم دوسروں کو کتاب الٰہی پڑھاتے رہے ہو اور اسلئے کہ تم خود بھی پڑھتے رہے ہو، اور وہ تم سے کبھی نہیں کہے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا مانو، بھلا اسلام لا چکنے کے بعد وہ تمہیں کفر کرنے کا حکم دے گا؟

مسیحؑ کے بارے میں آپؐ سے مناظرہ

اس کے بعد عیسائیوں نے آنحضرتؐ کو مناظرہ کی دعوت دی اور کہا "ہم عیسائی ہیں اور ہماری قوم بھی عیسائی ہے۔ ہم مسیح (علیہ السلام) کے بارے میں آپؐ کی رائے سُننے کے مشتاق ہیں تاکہ لوگوں کو اس سے مطلع کریں" آپؐ نے جواب دیا "آج میں کچھ نہیں کہہ سکتا کل جو کچھ مجھے بتادیا جائیگا اس سے مطلع کر دوں گا" چنانچہ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ، خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا

خدا کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدم کی سی ہے کہ جسے خدا نے مٹی سے پیدا کیا اور کہا کہ ہو جا اور وہ ہوگیا، اے پیغمبر، یہ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ پس اس علم کے بعد اگر کوئی تجھ سے حجت کرے تو کہہ دے کہ اچھا آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم

وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔ (۳ : ۵۸ تا ۶۰)

اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی بیبیوں کو بلائیں اور تم اپنی بیبیوں کو، اور خود اپنے تئیں بلائیں اور تم اپنے تئیں پھر سب مل کر گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت طلب کریں۔

آنحضرتؐ کا مباہلہ

صبح آپؐ نے انہیں ارشادِ خداوندی سنایا اور اقرار چاہا۔ انہوں نے انکار کیا تو دوسرے دن صبح آپؐ حضرت حسنؓ و حسینؓ کو گود میں لئے ان کی طرف روانہ ہوئے حضرت فاطمہؓ پیچھے پیچھے چل رہی تھیں اور ان سے مباہلہ کے لئے کہا۔ مگر انہیں جرأت[1] نہ ہوئی۔ بالآخر وہ صلح اور امان کے طالب ہوئے اور آپؐ نے اہلِ نجران کو تحریری امان دے دی۔

---

[1] مناظرہ کے باب میں اسوۂ نبویؐ یہ تھا، وہاں بحث و مباحثہ نہ تھا، دُور از کار۔ یونانی منطق کی کج بحثیاں نہ ہوتی تھیں، سیدھی سادھی بول چال تھی، دعویٰ تھا، دعوے پر بیّن دلیل تھی، اگر مخاطب نے اعراض کیا تو معاملہ خدا کے سپرد کر دیا اور کہہ دیا حق یہ ہے، نہیں مانتے تو خدا تمہاری ہدایت کرے گا یا عذاب نازل کرے گا۔ کاش ہمارے علماء بھی اسی راہ پر چلتے اور روز روز کے مناظروں اور مباحثوں سے پرہیز کرتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مناظرہ نے کبھی کسی کی ہدایت نہیں کی، بلکہ ہمیشہ طرفین کی گمراہی کا باعث ہوا، مناظرہ درحقیقت عداوت کا سرچشمہ ہے، اسلام مناظروں سے نہیں پھیلا۔ اگر علماء کو اشاعتِ اسلام منظور ہے تو لفاظیوں سے نکل کر اپنے اخلاق درست کریں اور دنیا کے سامنے خُلقِ اسلامی کا نمونہ بن کر آئیں، لیکن موجودہ حالات میں اس کی اُمید کم نظر آتی ہے، حبِّ جاہ، طمع اور ریاکاری کا ہم پر اس قدر غلبہ ہے کہ ہم خاموشی کا پسند نہیں کرتے۔ اللھم اہد قومی فانہم لا یعلمون! (مترجم)

خاموشی کر

باب ۴

مقدّمات وتعزیرات

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو ایک الزام پر قید کیا تھا۔

فصل ۱

قصاص

عورت کے بدلہ مرد کا قتل

صحیحین میں ہے ایک یہودی نے ایک عورت کا سر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر توڑ ڈالا، آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح توڑا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت کے بدلہ مرد قتل کیا جائیگا۔

سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کی سزا

احمدؒ ونسائی وغیرہ میں حضرت براءؓ کی روایت ہے کہ میری ملاقات اپنے ماموں ابوبردہؓ سے ہوئی، وہ جھنڈا اٹھائے جارہے تھے۔ دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس شخص کو قتل کر ڈالوں اور اس کے مال ومتاع پر قبضہ کرلوں جس نے اپنی سوتیلی ماں سے

نکاح کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے "محرمات سے جو زنا کرے اسے قتل کر ڈالو"

دانت توڑنے کی سزا

صحیحین میں ہے کہ نضر کی بیٹی اور ربیع کی بہن نے ایک لڑکی کے طمانچہ مارا اور اس کا دانت ٹوٹ گیا، رسول اللہ تک معاملہ پہنچا، آپ نے قصاص کا حکم دیا۔ ام ربیعؓ (مجرمہ کی ماں) نے عرض کی: "یا رسول اللہ، کیا آپ اس پر بھی قصاص جاری کریں گے؟ واللہ یہ نہیں ہو سکتا!" آپ نے فرمایا "سبحان اللہ، ام ربیع، اللہ کا حکم قصاص ہے!" کہنے لگیں: "نہیں واللہ، آپ اس پر ہرگز قصاص جاری نہیں کریں گے" اسی اثناء میں باہم صلح ہو گئی اور لڑکی والوں نے دیت قبول کر لی۔ اس پر آپ نے فرمایا "اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کی قسم وہ اپنے مقابلہ میں بھی پوری کرتا ہے"

مدافعت میں نقصان

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ دانت سے کاٹ کھایا، اس نے ہاتھ کھینچا تو کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ تک شکایت پہنچی، فرمایا "مست اونٹ کی طرح اپنے بھائی کو کاٹ کھاتے ہو، جا تیرے لئے کچھ بھی دیت نہیں" اس سے ثابت ہوا کہ مدافعت کرتے ہوئے ظالم کا کچھ بھی نقصان ہو جائے، مظلوم اس کا ذمہ دار نہیں۔

بغیر اجازت کسی کے گھر جھانکنا

صحیحین میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: "اگر بغیر اجازت کوئی تمہیں جھانکے اور تم اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو، تو تم پر کوئی الزام نہیں" دوسری روایت میں ہے:

"اگر کوئی کسی کے گھر میں جھانکے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس پر نہ دیت ہے نہ قصاص۔"

صحیحین میں ہے کہ "ایک شخص آنحضرتؐ کے حجرہ میں جھانکنے لگا، آپؐ چھری کا پھل لے کر اٹھے اور اسے مارنے کے لئے موقع ڈھونڈنے لگے۔"

حاملہ کا ارتکابِ قتل

ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرتؐ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ قتلِ عمد کی مرتکب ہو تو اس وقت تک قتل نہ کی جائے جب تک بچہ جَن نہ لے اور بچہ کی کفالت نہ ہو جائے۔

باپ بیٹے کے عوض

احمدؒ و نسائیؒ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فیصلہ کیا کہ بیٹے کے عوض باپ قتل نہ کیا جائے۔

فصل ۲

زنا کی سزا کا بیان

اقبال و انکارِ جُرم

سنن میں سہل بن سعدؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا اور عورت کا نام بتایا۔ آپؐ نے عورت کو طلب کیا، اس نے انکار کیا، آپؐ نے عورت کو چھوڑ دیا اور مرد کے دُرّے لگائے۔ اس سے دو مسئلے صاف ہو گئے، ایک یہ کہ اگر عورت جھٹلا دے تو مرد پر حد جاری کر دی جائے گی، دوسرے یہ کہ صرف زنا کی حد جاری ہو گی، قذف[1] کی نہ ہو گی۔

لونڈی غلاموں پر حد کا اجراء

اگر لونڈی زنا کرے تو دُرّے لگانے کا حکم دیا ہے۔ مسلم میں ہے: "اگر کسی کی لونڈی زنا کرے تو چاہیئے کہ دُرّے لگائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "لوگو، اپنی لونڈی غلاموں پر حد جاری کرو، عام اس سے کہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کیونکہ رسولؐ اللہ کی لونڈی نے زنا کیا تھا اور آپؐ نے مجھے اس کے دُرّے لگانے کا حکم دیا تھا۔

[1] یعنی سنگسار نہ کیا جائیگا۔

فصل ۳

شرابی کی سزا

سزا مقرر نہیں

آنحضرتؐ نے شراب پینے والے کو چھڑیوں اور جوتوں سے مارنے کا حکم دیا ہے۔ نیز گن کر چالیس درّے بھی لگائے ہیں جس کی پیروی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی کی ہے۔ مصنّف عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہؐ نے شاربِ خمر کو اسّی درّے لگائے تھے۔ لیکن ابن عباسؓ کا قول ہے کہ شراب پینے والے کی کوئی مقرر سزا شریعت نے نہیں بتائی۔

شرابی کا قتل

احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ چوتھی یا پانچویں مرتبہ میں شرابی کو آپؐ نے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ احادیثِ قتل کے راویوں میں ایک عبداللہ بن عمرؓ بھی ہیں جو فرماتے ہیں: "چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو میرے پاس لاؤ، میں خود تمہاری طرف سے اسے قتل کر دوں گا۔"

فصل ۴

متفرق اعمال

قیدی

آنحضرتؐ نے بعض قیدیوں کو قتل کیا، بعض کو احسان کر کے چھوڑ دیا، بعض سے فدیہ قبول کرلیا، بعض کو مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں دے دیا، بعض کو غلام بنایا، لیکن کسی بالغ قیدی کا غلام بنانا ثابت نہیں۔

مالِ غنیمت

بیت المال میں داخل ہونے والے مال کی تین قسمیں ہیں: "زکوٰۃ، غنیمت فییٔ[1]"، زکوٰۃ کا مصرف "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ (۹: ۶۰) والی آیت میں بتایا گیا ہے۔ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہے۔ قرآن میں ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ سمجھ لو کہ مالِ غنیمت جو تمہیں ملے اس میں

---

[1] فییٔ، اس مالِ غنیمت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہو۔

فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ" (۸ : ۴۱) سے پانچواں حصّہ اللہ کا ہے۔

رہے باقی چار حصّے تو غنیمت حاصل کرنے والوں کا حق ہے: سوار کے تین حصّے اور پیدل کا ایک حصّہ۔ سلب[1]، قاتل کا حق ہے۔

دشمن سے وفاءِ عہد

مسیلمہ کذاب کے قاصد آئے اور کہنے لگے "ہم مسیلمہ کو اللہ کا رسول سمجھتے ہیں" فرمایا "اگر قاصد قتل نہ کئے جاتے ہوتے تو میں تمہیں قتل کر ڈالتا" احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کی پابندی کرتے ہوئے آپؐ نے ابوجندل کو قریش کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن جب عورتیں آئیں تو اُن کے دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ایک عورت سبیعہ الاسلمیہ مسلمان ہو کر آگئی، اُس کا شوہر واپس لینے آیا۔

اس پر قرآن میں آیت نازل ہوئی:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَ کُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُھَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِھِنَّ، فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ لَا ھُنَّ حِلٌّ لَّھُمْ وَلَا ھُمْ یَحِلُّوْنَ لَھُنَّ وَاٰتُوْھُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا الخ (۶۰ : ۱۰)

مسلمانو، جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آجائیں تو تم ان کے ایمان کی جانچ کر و(یوں تو) اللہ انکے ایمان کو بہتر جانتا ہے، پس اگر تم اُن کو مومن سمجھو تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، کیونکہ یہ عورتیں نہ اُن کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ اِن کے لئے حلال ہیں، اور جو کچھ کافروں نے ان پر خرچ کیا ہے، وہ ان کو ادا کر دو الخ

رسول اللہ نے اس سے قسم لی کہ صرف اسلام کی وجہ سے اس نے گھر چھوڑا

---

[1] سلب' وہ مال و ہتھیار ہیں جو مقتول کے پاس سے حالت قتل میں ملیں۔

ہے، خاندان میں کوئی براکام نہیں کیا ہے اور نہ اپنے شوہر سے عداوت رکھتی ہے، اُس نے قسم کھائی، آپؐ نے شوہر کواس کا مہر واپس کردیا اور عورت واپس نہ جانے دی۔

امان

صحیح حدیث میں ہے: "مسلمانوں کے خون برابر کے ہیں، اوران کا ادنیٰ ترین فرد بھی امان دے سکتا ہے۔"

آپؐ کی چچیری بہن ام ہانی نے دو آدمیوں کو پناہ دی اور آپؐ نے قبول کرلی، اسی طرح اپنی صاحبزادی حضرت زینب کی پناہ ان کے شوہر ابوالعاص بن الربیع کے حق میں منظور کرلی اور فرمایا "ایک ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے۔"

جزیہ

نجران اور ایلہ کے باشندوں سے جزیہ لیا جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھے۔ اہل دومۃ الجندل سے جزیہ لیا جن میں اکثر عرب تھے۔ نیز مجوسیوں اور یمن کے یہودیوں سے جزیہ قبول کیا۔

سفارش

بریرہ سے اس کے شوہر کے حق میں سفارش کی کہ اس کے عقد میں پھر آجائے۔ اس نے عرض کی: "یہ آپؐ کا حکم ہے؟" فرمایا "نہیں، صرف سفارش کرتا ہوں" کہنے لگی "تو مجھے منظور نہیں!" اس جواب سے آپؐ ذرا بھی ناراض یا رنجیدہ نہیں ہوئے۔

صدقہ خریدنا اور کھانا

حضرت عمرؓ کو منع فرمایا کہ اپنا صدقہ خریدیں اگرچہ ایک ہی درہم میں ملتا ہو۔ لیکن

آپؐ نے اس گوشت میں سے تناول کیا جو بریرہ کو بطور صدقہ کے ملا تھا اور جسے اس نے ہدیۃً آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ فرمایا: "یہ بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے اس کی طرف سے ہدیہ ہے۔"

بیوع

صحیحین میں ہے: "اللہ اور اس کے رسولؐ نے شراب، مردہ جانور، سوٗر اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ تین قسم کی چیزوں میں تجارت حرام ہے: ایسے تمام عرق جو عقل برباد کرتے ہیں۔ ایسے تمام کھانے جو مزاج بگاڑتے ہیں۔ ایسی تمام اشیاء جو دین میں فساد ڈالتی ہیں۔

باب ۵

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکام

فصل ۱

نکاح کے احکام

خطبہ

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نکاح اور دوسرے اہم موقعوں کے لئے آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو ذیل کا خطبہ سکھایا تھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَ
نَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ
اَنْفُسِنَا وَسَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِ
اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا
ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔

ہر قسم کی ستائش خدا کے لئے ہے، ہم اس
کی ستائش کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگ
ہیں اور اسی سے پناہ چاہتے ہیں اپنے نفو
کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے
جسے ہدایت سے محروم کردے اسے
راہ راست دکھانے والا کوئی نہیں۔ بیز

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ	شہادت دیتا ہوں کہ بجز خدا کے کوئی معبود
تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔	نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے
يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ	اور رسول ہیں۔ مومنو! خدا سے ایسا ڈرو جیسا
وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ	حق ہے، اور اسی حال میں مرو کہ تم مسلمان ہو"
مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً وَّاتَّقُوا	لوگو! ہم نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا اور
اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ	اسی سے اس کا جوڑ پیدا کیا پھر ان دونوں سے
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔ يَا اَيُّهَا	بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، اس خدا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا	سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو آپس میں اور
سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ	ڈرو قرابت کے معاملہ میں، اللہ بلاشک تم پر
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ	نگہبان ہے۔" مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا	ٹھیک بات کہو، تاکہ تمہارے لئے تمہارے
عَظِيْمًا۔	عمل درست کر دے، تمہارے گناہ تمہیں
	معاف کر دے، جو کوئی اللہ اور اس کے رسول
	کی اطاعت کرتا ہے بلاشک عظیم الشان کامیابی
	حاصل کرتا ہے۔

شعبہؒ کہتے ہیں میں نے ابو اسحاقؒ سے پوچھا کیا یہ خطبہ صرف نکاح کیلئے ہے؟ کہا بلکہ سب کاموں کے لئے۔

تلقین دعا

حدیث میں ہے: جب تمہیں کوئی عورت، خادم یا سواری ملے تو اس کو

پیشانی سے پکڑلو، بسم اللہ کہو، خدا سے برکت چاہو اور دعا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا جُبِلَتْ عَلَیْہِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا جُبِلَتْ عَلَیْہِ۔

خدایا، میں اس خیر کا طالب ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے اور اس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے۔

شادی کی مبارکباد

جب کسی کی شادی ہوتی تو آپؐ اسے اس طرح مبارکباد دیتے:

بَارَكَ اللّٰہُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَیْكَ وَجَمَعَ بَیْنَكُمَا فِیْ خَیْرٍ۔

خدا تجھے خوشحال کرے، برکت دے اور تم دونوں کو بخیر و خوبی اکٹھا رکھے۔

بیوی سے صحبت کرنے کے وقت دعا

حدیث میں ہے: جب اپنی بیوی کے پاس جانے لگو، بسم اللہ کہو اور یہ دعا پڑھا کرو:

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔

الٰہی، ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو کچھ تو نے ہمارے نصیب میں لکھا ہے (یعنی اولاد) اسے شیطان سے محفوظ رکھ۔

تو اگر اس اجتماع سے بچہ پیدا ہونا مقدر ہوا ہے، شیطان اسے ہرگز نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

نکاح کی ترغیب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو تاہل و تزوّج کی (شادی کرکے

زندگی اختیار کرنے کی رغبت دلائی ہے: "نکاح کرو کیونکہ تمہاری کثرت سے میں قوموں پر فخر کرونگا" اور فرمایا: "میں خود نکاح کرتا ہوں، جو کوئی میری سنّت سے منہ موڑے، میری جماعت سے نہیں" اور فرمایا: "نوجوانو! جو تم میں نکاح کرسکتا ہے، نکاح کرے، کیونکہ نکاح، نظر اور نفس دونوں کو محفوظ رکھتا ہے، اور جسے اس کی مقدرت نہ ہو، چاہیئے کہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ اس کے لئے روک ہے" اور فرمایا "دنیا سراسر عیش ہے اور دنیا کا سب سے بڑا عیش صالح بیوی ہے"

حدیث میں ہے کہ آپؐ سے سوال کیا گیا: سب سے بہتر عورت کون ہے؟ فرمایا: "وہ جو اپنے شوہر کی نظر میں بھلی ہو، اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہو اور اپنے مال و نفس میں اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرتی ہو"

صحیحین میں ہے: عورت سے شادی یا تو اس کے مال کی وجہ سے کی جاتی ہے، یا عزت کی وجہ سے، یا دین کی وجہ سے، تم دیندار بیوی پاکر بازی لے جاؤ"

آپؐ کا دستور تھا کہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دیتے اور بانجھ عورتوں کو ناپسند کرتے تھے۔

عورت کی اجازت

صحیحین میں ہے کہ خنسا بنت جذام کا نکاح اُس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف کر دیا تھا، وہ بالغ اور کتخدا تھی، اس نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپؐ نے نکاح باطل کر دیا۔

سنن میں ہے کہ ایک دوشیزہ کی شادی باپ نے خلاف مرضی کر دی، وہ حاضر ہوئی تو آپؐ نے اختیار دے دیا کہ نکاح چاہے رکھے، یا رد کر دے۔

صحیح حدیث میں ہے: "ناکتخدا کا نکاح بغیر اُس کی اجازت کے نہ کیا جائے، اس کی اجازت خاموشی ہے" علاً فیصلہ بھی اسی طرح کیا کہ ناکتخدا کی اجازت اُس کی خاموشی قرار دی اور کتخدا کی اجازت، زبان سے اقرار۔

حدیث میں ہے: یتیم لڑکی کا عقد بغیر اس کی اجازت نہ کیا جائے، اگر چپ ہو جائے تو یہ اس کی اجازت ہے، اگر انکار کرے تو مجبور نہ کی جائے۔

اذنِ ولی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "جو کوئی عورت بغیر اپنے ولی کی اجازت کے خود نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے، اگر شوہر سے مقاربت ہو گئی تو مہر کی مستحق ہو گی، اگر آپس میں جھگڑا ہو تو جس کا کوئی ولی نہیں حاکم اس کا ولی ہے" (ترمذی)

صحیح حدیثوں میں ہے: "ولی کے بغیر نکاح نہیں" اور فرمایا: "عورت، عورت کا نکاح نہ کرے، اور نہ خود عورت اپنا نکاح کرے، کیونکہ زانیہ اپنا نکاح آپ کیا کرتی ہے!"

مہر کی تعیین

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو ۱۲-۱ اوقیہ مہر دیا تھا۔

حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ میرے علم میں آنحضرتؐ نے ۱۲- اوقیہ[۱] سے زائد مہر نہ اپنی ازواج کو دیا اور نہ اپنی لڑکیوں کو دلایا۔

---

[۱] آدھ سیر سے کچھ کم۔

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص شادی کی فکر میں تھا، آپؐ نے فرمایا: "کچھ لاؤ اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو" لیکن جب اس سے اتنا بھی میسر نہ ہوا تو فرمایا: "اچھا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟" اس نے کہا ہاں، فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں، چنانچہ انہی سورتوں کے یاد کرا دینے کو مہر قرار دے کر اس کا نکاح کر دیا۔

مسند امام احمدؒ میں ہے کہ فرمایا "سب سے زیادہ برکت اس نکاح میں ہوتی ہے جس میں سب سے کم زیر باری[1] ہو"۔

ایک شخص نے بغیر مہر مقرر کئے نکاح کر لیا اور خلوت سے پہلے مرگیا آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت کو اس کی ہمعصر عورتوں کے برابر مہر دیا جائے، میراث دی جائے اور وہ خود چار مہینے دس دن عدت بیٹھے۔

ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے ایک شخص سے دریافت کیا: "کیا تم پسند کرو گے اگر تمہاری شادی فلاں عورت سے کر دوں؟" اس نے کہا ہاں۔ پھر عورت سے پوچھا: کیا تو پسند کریگی کہ تجھے فلاں شخص سے بیاہ دوں؟ اس نے بھی رضامندی ظاہر کی، چنانچہ دونوں کا عقد کر دیا، دونوں میں خلوت بھی ہوئی مگر کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا تھا۔ لیکن جب آپؐ کا وصال ہونے لگا تو آپؐ نے خیبر کے حصّوں میں سے ایک حصّہ عورت کو مہر کے عوض دے دیا۔

---

[1] ہندوستان میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا رواج بہت عام ہے، لوگ لاکھوں روپیہ کا مہر باندھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لینا دینا تو ہے نہیں پھر زیادہ مہر سے گھبرائیں کیوں؟ یہ طریقہ نکاح کو فاسد کر ڈالنے والا ہے، اگر یہ نہ کہا جائے تو اسے سخت مکروہ تو ضرور بنا دیتا ہے، اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی شادیوں میں برکت نہیں ہوتی۔ (مترجم)

حاملہ سے نکاح

کتبِ سنن میں بصرہ بن اکثم رضی کی روایت ہے کہ میں نے ایک ناکتخدا سے نکاح کیا، خلوت پر معلوم ہوا کہ حاملہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فیصلہ کیا کہ چونکہ خلوت ہو چکی ہے، اس لئے اس کا مہر ادا کر دو، پھر دونوں کو جدا کر دیا اور ولادت کے بعد عورت کے دُرّے لگائے۔

مشروط نکاح

صحیحین میں ہے کہ فرمایا: "جو شرطیں سب سے زیادہ پوری کرنے کی ہیں، وہ، وہ شرطیں ہیں جن پر تم اپنے لئے عورتوں کو جائز کرتے ہو"

صحیح حدیث ہے: "عورت کو نہیں چاہیئے کہ اپنی بہن کی طلاق طلب کر کے خود اس کی جگہ چلی جائے، کیونکہ اس کے لئے وہ ہے جو اس کی قسمت میں تھا"

صحیحین میں ہے کہ: "عورت نکاح میں اپنی بہن[1] کی طلاق بطور شرط نہ رکھے" مسند امام احمدؒ میں ہے: یہ حلال نہیں کہ ایک عورت کی طلاق دوسری کے نکاح کی شرط ہو"

شغار

صحیح مسلم میں ہے: "اسلام میں شغار نہیں" شغار یہ ہے کہ بلا مہر کے دو شخص ایک دوسرے کو اپنی اپنی لڑکیاں بیاہ دیں۔ ابوہریرہ رضی کی روایت ہے کہ شغار یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے سے کہیں کہ اپنی لڑکی مجھے دو اور میں اپنی تمہیں

[1] یہاں بہن سے مراد حقیقی بہن نہیں، کیونکہ ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن کا عقد ہوہی نہیں سکتا، بلکہ بہن کے لفظ سے مراد، ہر عورت ہے جیسا کہ آگے کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے (مت

دیتا ہوں، اپنی بہن مجھے دو اور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں۔"

تحلیل[1]

ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہٗ دونوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت علی کی روایت ہے کہ فرمایا: "کیا میں تمہیں مانگے ہوئے بکرے کا حال نہ بتاؤں؟" صحابہؓ نے عرض کی "ضرور یا رسول اللہ" فرمایا: "مانگا ہوا بکرا مُحَلِّل ہے، اللہ کی لعنت ہو مُحَلِّل اور مُحَلَّل لہٗ دونوں پر۔"

---

[1] "تحلیل" یہ ہے کہ مطلقہ عورت سے اس لئے نکاح کیا جائے کہ وہ پھر اپنے قدیم شوہر کے لئے جائز ہو جائے۔ حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے، قرآن میں ہے "...حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" یعنی طلاق دینے والے کے لئے اس کی مطلقہ پھر جائز نہیں یہاں تک کہ دوسرے مرد کے نکاح میں جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ جب کبھی یہ دوسرا مرد طلاق دیدے تو پھر شوہر کے لئے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگا۔ مگر علماء سُوء نے یہ حیلہ نکالا کہ رات بھر کے لئے مطلقہ کا نکاح دوسرے مرد سے کر دیتے ہیں اور وہ صبح طلاق دے دیتا ہے جس کے بعد وہ پہلے خاوند کی پھر بیوی بن جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ دوسرا عقد محض لفظی ہوتا ہے اور خلوت کی نوبت ہی نہیں آتی ظاہر ہے یہ تلاعب بالدین کی بدترین صورت ہے۔ مصر میں اس کا بہت رواج ہے، خود بہت سے علماء ایسا کرتے ہیں، تحلیل کی باقاعدہ "ایجنسیاں" بنی ہوئی ہیں جن میں جامع ازہر کے بہت سے طلباء یہ پیشہ کرتے ہیں! ہندوستان میں بھی کم وبیش اس کا رواج موجود ہے، معلوم ہوا ہے بنگال کے ایک مشہور سن رسیدہ پیر نے اسی نیت سے اپنے ایک مرید کی مطلقہ سے نکاح کر لیا تھا، پھر جب دیکھا کہ وہ عورت خوبصورت ہے تو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ غریب مرید سر پیٹ کر رہ گیا۔ "مُحَلِّل" اسے کہتے ہیں جو تحلیل کرتا ہے اور "مُحَلَّل لہٗ" وہ ہے

نکاح مُحْرِم

صحیح مسلم میں ہے: "حالتِ احرام میں مُحْرِم نہ اپنا نکاح کرے نہ دوسروں کا کرائے۔"

چار عورتوں سے زائد

ترمذی میں ہے کہ غیلان اسلام لایا تو اس کے پاس دس بیویاں تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چار رکھ کر باقی سب کو علیحدہ کر دو۔"

فیروز دیلمی اسلام لایا تو اس کے تصرف میں دو بہنیں تھیں، فرمایا" دونوں میں سے جسے چاہو رکھ لو۔"

آپؐ نے نکاح میں عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی، خالہ اور لڑکی کے جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

زوجین میں سے اگر کوئی اسلام لے آئے

سنتِ نبویؐ سے ثابت نہیں کہ اگر زوجین میں سے ایک پہلے اسلام قبول کرے اور دوسرا بعد میں تو نکاح کی تجدید کی جائے، یہ نہ آپؐ سے ثابت ہے اور نہ صحابہؓ سے، بلکہ آپؐ کا عمل اس کے خلاف تحقیق ثابت ہے۔ جیسا کہ آپؐ کی صاحبزادی زینب (علیہا السلام) کے واقعہ میں ہوا جو شروع بعثت میں اسلام لے آئیں تھیں، اور جن کے شوہر پورے ۱۸ سال بعد مشرف باسلام ہوئے۔ مگر آپؐ نے بلا تجدیدِ نکاح حضرت زینبؓ کو ان کے حوالہ کر دیا۔ بعض

(نوٹ بقیہ صـــ) اور "مُحَلَّل لہٗ" وہ ہے جس کے واسطے تحلیل کی جائے، یعنی مطلِّق اور مطلّقہ۔ (مترجم)

راویوں نے اس باب میں بھی ٹھوکر کھائی ہے اور کہہ دیا ہے کہ دونوں کے اسلام کے مابین چھ سال کی مدت تھی، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے، البتہ چھ سال کی مدت دونوں کی ہجرت کے مابین تھی۔

بیویوں کے درمیان دنوں کی تقسیم

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ سنتِ نبویؐ یہ ہے کہ نکاح کے بعد شوہر کو ناکتخدا کے پاس مسلسل سات دن رہنا چاہیئے اور کتخدا کے پاس تین دن، اس کے بعد اپنی بیویوں کے مابین دنوں کی تقسیم شروع کر دے۔

نکاح میں کفوؑ کی شرط

ترمذی کی روایت ہے: "جب تمہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس کا دین اور اخلاق پسند کرتے ہو تو چاہیئے اس سے نکاح کر دو، ایسا نہ کرو گے تو دنیا میں بڑا فتنہ و فساد پھیلے گا"۔

بنی بیاضہ سے فرمایا تھا: "ابو ہند سے شادی بیاہ کا رشتہ جوڑو" حالانکہ وہ فصد کھولنے کا پیشہ کرتے تھے۔

آپؐ نے اپنی پھوپھیری بہن حضرت زینب بنت جحش کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیا تھا جو آپؐ کے غلام تھے۔ اسی طرح فاطمہ بنت قیس الفہریہ کا نکاح اسامہ بن زید سے کر دیا تھا جو آپؐ کے غلام زادہ تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ عبدالرحمٰن بن عوف قرشی کی بہن حضرت بلالؓ کو بیاہ دی تھی جو ایک زرخرید حبشی غلام تھے۔

اگر عورت یا مرد میں عیب ہو؟

مسند احمدؒ میں ہے کہ آپؐ نے ایک غفاری عورت سے عقد کیا، جب

خلوت میں گئے تو اس کے پہلو میں سفیدی نظر آئی، فوراً علیحدہ ہو گئے اور مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لیا۔ موطا میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے: "جو کوئی ترغیب دلا کر کسی کا نکاح ایسی عورت سے کرا دے جو مجنون ہو یا جذام یا برص کی بیماری میں مبتلا ہو تو خلوت ہو جانے کی صورت میں عورت کو مہر مل جائیگا اور مہر کی یہ رقم ترغیب دینے والے سے وصول کی جائیگی۔"

سنن ابو داؤد میں ہے: عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی اُم رکانہ کو طلاق دے دی اور قبیلۂ مزینہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ عورت نے آنحضرتؐ کی خدمت میں شکایت کی: "یا رسول اللہ، اس کا میرے ساتھ تعلق ایسا ہے جیسے یہ بال! (اور اپنے سر کی ایک لٹ لے کر دکھائی) لہذا آپؐ میرے اور اس کے درمیان جدائی کرا دیجئے۔" آپؐ نے ابو رکانہ سے فرمایا "طلاق دے دو۔"

ابن سیرینؒ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو تحصیلداری پر بھیجا، اس نے ایک عورت سے عقد کیا، اس شخص کے اولاد نہ ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے کہا، کیا تم نے عورت سے اپنا حال بتا دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا اسے بتا دو اور اختیار دو کہ رہے یا الگ ہو جائے۔

زن و شوہر کے مابین کام کی تقسیم

ابن حبیبؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے مابین کام کاج کی تقسیم اس طرح کی تھی کہ حضرت فاطمہؓ گھر کے اندر کا سب کام کریں اور حضرت علیؓ گھر کے باہر کا۔ حضرت اسماء

بنت ابی بکر الصدیقؓ کی روایت ہے کہ: "میں حضرت زبیرؓ (اپنے شوہر) کے گھر کا سب کام کیا کرتی تھی، اُن کے پاس ایک گھوڑا بھی تھا، میں اسے ملتی ولتی اور چارہ پانی دیا کرتی تھی۔ گھر میں ڈول سیتی تھی، پانی پلاتی تھی، اور تین فرسخ پر ان کے نخلستان سے کھجور کا بوجھ سر پر رکھ کر لایا کرتی تھی۔"

فصل ۲

طلاق کا بیان

طلاق الغضبان

حدیث میں ہے: "غصہ میں طلاق نہیں ہوتی" اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری اُمّت کو اس کے دل کے خیالات میں معاف کیا ہے یہاں تک کہ منہ پر لائے یا عمل کرے۔"

اور فرمایا: "عمل کا اعتبار نیّت سے ہوتا ہے۔" اور فرمایا: "خدا نے میری اُمّت کے لئے اُس کی بھول چوک اور غلطی معاف کردی ہے نیز جو کام اس سے جبراً کرایا جائے۔"

حالتِ حیض میں طلاق

صحیحین میں ہے کہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دیدی۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر رسول اللہؐ کی خدمت میں کیا، فرمایا: "کہو رجوع کرلیں،

یہاں تک کہ پاک ہو، پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو، اس کے بعد چاہیں رکھیں یا خلوت سے پہلے طلاق دے دیں، یہی وہ میعاد ہے جو خدا نے طلاق کے لئے مقرر کی ہے۔"

مسند احمدؒ اور ابو داؤدؒ و نسائی میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: "جب پاک ہو جائے خواہ طلاق دے دینا یا رکھ لینا۔"

طلاق کے طریقے

طلاق کے چار طریقے ہیں: دو حلال ہیں اور دو حرام: حلال طریقے یہ ہیں کہ: "حالتِ طہر میں بغیر خلوت کے طلاق دے یا حمل کے اچھی طرح ظاہر ہونے کے بعد دے۔" حرام حالت یہ ہیں کہ: حالتِ حیض میں طلاق دے یا حالتِ طہر میں خلوت کے بعد۔" یہ حکم ان عورتوں کے متعلق ہے جو تصرف میں آچکی ہوں، لیکن جن کے ساتھ سرے سے خلوت ہی نہیں ہوئی، انہیں حالت حیض و طہر ہر حال میں طلاق دی جاسکتی ہے۔ قرآن میں ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً (۲: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے عورتوں کو طلاق دیدو۔

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا۔

مومنو! جب عورتوں سے نکاح کرو اور اگر انہیں ہاتھ لگائے بغیر چھوڑ دو تو تمہیں حق نہیں کہ ان کو عدت بٹھاؤ اور گنتی پوری

(۳۳ : ۴۹) کرو۔ (یعنی ان پر کوئی عدت نہیں)

بیک دفعہ تین طلاق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نہایت ناراض ہوئے اور فرمایا: "میں ابھی تمہارے درمیان زندہ موجود ہوں اور لوگ کتاب اللہ سے کھیل کرنے لگے!"

حضرت عمرؓ کا تعزیری حکم

مسلم کی روایت ہے: عہد نبویؐ، خلافت صدیقی اور دو سال آغاز خلافت عمرؓ میں طلاق ایک ایک کر کے ہوتی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے لوگوں کی حالت دیکھ کر کہا: انہوں نے اس معاملہ میں بڑی بے باکی اختیار کر رکھی ہے حالانکہ اس میں غور و فکر کا حکم دیا گیا تھا۔ ہم ایسی طلاق کو نافذ کئے دیتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب عمرؓ نے لوگوں کو دیکھا کہ بیک دفعہ تین طلاقیں دینے میں بہت پیش قدمی کرنے لگے ہیں تو اس قسم کی طلاق کو نافذ کر دیا۔

ایک وقت میں صرف ایک طلاق: مسند احمد میں ہے: "رکانہ

ہے حضرت عمرؓ نے یہ حکم تعزیراً کیا تھا جس کا انہیں حق ہے۔ تعزیری احکام ہمیشہ موقت ہوتے ہیں اور ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد قانون اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ تعجب ہے اصحاب فقہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم لے کر بیٹھ گئے ہیں اور اب تک اسے نافذ کرتے ہیں حالانکہ اب اس کی ضرورت نہیں خصوصاً ہندوستان میں۔ علماء کا فرض ہے کہ طلاق جیسے اہم معاملہ میں کتاب اللہ کو قائم کریں۔ اکثر ہوتا ہے کہ غصہ میں لوگوں کے منہ سے تین طلاقیں نکل جاتی ہیں جس کے بعد سخت شرمندہ ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ دونوں ناطق ہیں کہ اس قسم کی

بن عبدالعزیز یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالیں، پھر بہت پشیمان ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، فرمایا "تو نے کس طرح طلاق دی ہے؟" کہا تین طلاقیں۔ فرمایا "ایک ہی مجلس میں؟" کہا ہاں، فرمایا "تجھے ایک وقت میں صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا جی چاہے رجوع کرلے، انہوں نے رجوع کرلیا۔

ایک اور تین طلاق کا واضح فرق

غور کرو حضورؐ نے فرمایا "صرف ایک مرتبہ طلاق دینے کا اختیار اس لئے کہ جو چیز یکے بعد دیگرے کرنے کی ہے اسے بیک دفعہ کر دینے کا اختیار نہیں۔

مثلاً لعان میں اگر کوئی ایک دفعہ اس طرح کہہ دے کہ میں چار مرتبہ خدا کو حاضر کرکے کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں، تو اس کا یہ کہنا صرف ایک مرتبہ شمار ہوگا، چار مرتبہ نہ ہوگا۔

یا مثلاً رسول اللہؐ نے ہر نماز کے بعد ۳۳-۳۳ مرتبہ سبحان اللہ وغیرہ کہنے کو فرمایا ہے، اگر کوئی اس طرح کہے کہ میں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہتا ہوں تو کیا اس کا شمار ۳۳ مرتبہ ہو جائیگا۔ ظاہر ہے کہ نہیں۔

اسی طرح جب طلاق کے لئے یہ حکم ہے کہ تین زمانوں میں ایک ایک کرکے دی جائے تو بیک دفعہ تین طلاقیں دے دینا، تین پر محمول نہ کیا جائے گا،

(نوٹ بقیہ صــــ) طلاق طلاق بائن نہیں سکتی، لیکن ہمارے علماء فوراً زن وشوہر کو جدا کر دیتے ہیں اور اپنی تقلید کے لئے سینکڑوں گھروں کی خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ اگر علماء نہیں تو عام مسلمان کو چاہیئے کہ کتاب اللہ پر عمل کریں اور حکم شرعی معلوم ہو جانے کے بعد مولویوں کے مقلدانہ فتوے کی پرواہ نہ کریں۔ (مترجم)

بلکہ اس کا حکم ایک طلاق کا ہوگا۔

رسول اللہ کا فیصلہ

عمرو بن شعیبؒ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر مومن عورت دعویٰ کرے کہ شوہر نے طلاق دے دی، پھر ایک شاہد عادل پیش کرے تو شوہر سے قسم لینا چاہیئے اگر قسم کھالے کہ طلاق نہیں دی تو عورت کا دعویٰ باطل ہو جائیگا لیکن اگر قسم نہ کھائے تو اُس کا یہ انکار دوسرے گواہ کے قائم مقام ہو جائے گا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

ظہار[1]

کتب حدیث میں ہے کہ اوس بن صامتؓ نے اپنی بیوی خولہ بنت مالک سے ظہار کیا۔ خولہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بڑی دلیری سے گفتگو کی۔ کہنے لگیں: "یا رسول اللہ! اوس نے مجھ سے اس وقت رشتہ جوڑا جب میں جوان اور خوبصورت تھی، اور ہر شخص میری طرف میلان رکھتا تھا۔ لیکن اب جب کہ بوڑھی ہوگئی اور پیٹ اولاد سے خالی ہو گیا تو مجھے اپنی ماں کی جگہ بتاتا ہے۔" آنحضرتؐ نے سب قصہ سُن کر فرمایا: "تمہارے معاملہ میں میرے پاس کوئی حکم نہیں ہے۔" اس پر وہ مایوس ہو کر کہنے لگیں "خداوندا! اب تجھ سے میرا شکوہ ہے!" روایت ہے کہ خولہ نے یہ بھی کہا تھا کہ "میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر باپ کے پاس رہیں گے تو خراب ہوں گے، میرے پاس رہیں گے تو بھوکے مریں گے۔"

حضرت عائشہؓ یہ واقعہ بیان کرتی ہیں: "ستائش ہے اس خدا کیلئے جو سب کی صدائیں سنتا ہے، خولہ بنت ثعلبہ، رسول اللہ کے پاس اپنے خاوند کی شکایت

---

[1] ظہار یہ ہے کہ شوہر عورت سے کہے تو میری ماں کی جگہ ہے۔

لے کر آئی، میں گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھی تھی اور کچھ کچھ باتیں سُن رہی تھی، اسی کے بارے میں آیت نازل ہوئی:

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ۔ (۵۸ : ۱)	خدا نے اس عورت کی گفتگو سن لی جو اے پیغمبر تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کرتی اور خدا سے شکایت کرتی تھی ۔

اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: "اب تیرے شوہر کو ایک غلام آزاد کرکے کفارہ ادا کرنا چاہیے۔" وہ کہنے لگی "اتنی مقدرت نہیں" فرمایا "دو مہینے مسلسل روزے رکھے" کہنے لگی "بہت بوڑھا ہے" فرمایا "اچھا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے" کہنے لگی "اس کی بھی استطاعت نہیں" فرمایا "میں ایک ٹوکرا دے کر اس کی مدد کروں گا۔" اس نے کہا "میں بھی ایک ٹوکرے سے مدد کروں گی" فرمایا "شاباش! جاؤ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور اپنے ابنِ عم کے ساتھ رہنے سہنے لگو۔"

ایلاء[1]

بخاری میں ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہؐ کی ٹانگ میں چوٹ آگئی تھی، آپؐ نے ازواج سے ایلاء کیا تھا چنانچہ ۲۹ دن علیحدہ بالاخانہ میں رہنے کے بعد اترے اور گھر جانے لگے۔ لوگوں نے عرض کی: "یارسول اللہ! آپؐ نے تو مہینہ بھر کا ایلاء کیا ہے۔" فرمایا: "مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔" قرآن میں ہے:

لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ	جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کریں عورتیں چار مہینے انتظار کریں گی جس کے بعد اگر

[1] ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ انسان بیوی کے پاس ایک معیّن زمانہ تک نہ جانے کا ارادہ کرلے۔ (مترجم)

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ، وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ " (۲ : ۲۲۶، ۲۲۷) شوہر رجوع کرلیں تو خدا مغفرت اور رحم کرنے والا ہے، لیکن اگر طلاق کا عزم کرلیں تو خدا سمیع و علیم ہے

اولاد کا والدین کے مشابہ نہ ہونا

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی "یارسولؐ اللہ میری بیوی کے کالا لڑکا پیدا ہوا ہے" اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میرا نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں؟" کہنے لگا "ہیں" فرمایا "کس رنگ کے ہیں؟" کہا "سرخ ہیں" فرمایا: "ان میں کوئی بھورا بچہ بھی ہے؟" کہا "ایک ہے" فرمایا: "تو یہ بھورا اونٹ کہاں سے آگیا؟" کہنے لگا "شاید نسل میں کوئی سیاہ اونٹ ہوگا جس پر پڑا ہے" فرمایا: "تو اسی طرح شاید تمہارے خاندان میں کوئی کالا آدمی ہوگا جس پر لڑکا پڑا ہے"

طلاق کے بعد بچہ کس کے پاس رہے؟

ابوداؤد میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: "یارسولؐ اللہ یہ میرا بچہ ہے، میرا پیٹ اس کے لئے برتن تھا، میری چھاتی اسے سیراب کرتی تھی اور میری گود اس کے لئے گہوارہ تھی، اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے" فرمایا: "جب تک دوسرا عقد نہ کرے اس کی زیادہ مستحق ہے"

حدیث میں ہے کہ ایک لڑکے کو آپؐ نے اختیار دیا تھا کہ چاہے باپ کے پاس رہے، چاہے ماں کے پاس۔

فصل ۳

عورت کا نان نفقہ

عرفِ عام

عورت کو کتنا نان نفقہ دیا جائے؟ اس کے متعلق کوئی حکم وارد نہیں، بلکہ اسے عرفِ عام کے حوالہ کر دیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ وفات سے چند ماہ پہلے حجۃ الوداع کے عظیم الشان مجمع میں فرمایا تھا: "عورتوں کے باب میں خدا سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں خدا کی ضمانت پر لیا، اور اس کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے، تمہارے ذمہ ان کا اچھا نان نفقہ ہے۔" صحیحین میں ہے کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ "ابوسفیانؓ بخیل آدمی ہے اور اتنا خرچ نہیں دیتا کہ مجھے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو، میں اس کی لاعلمی میں اسکے مال سے کچھ لے لیا کرتی ہوں" فرمایا "خیر خواہی کے ساتھ ضرورت بھر کا لے لیا کرو۔"

نان نفقہ نہ ہو تو طلاق دیدو

دار قطنی کی روایت ہے کہ جس شخص کے پاس اپنی بیوی کے لئے نان نفقہ نہ ہو، رسولؐ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ طلاق دیدے۔ ابوالزناد کی روایت ہے کہ میں نے سعید بن المسیب سے پوچھا: "جس کے پاس نان نفقہ نہ ہو، کیا وہ اپنی بیوی سے جدا کر دیا جائے گا؟" کہا "ہاں" میں نے کہا "کیا یہ سنت ہے؟" کہا "ہاں یہ سنت ہے"۔

طلاق بائن میں نفقہ

مسلم وغیرہ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو جب ان کے شوہر نے طلاق بائن دے دی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اس سے نان نفقہ اور گھر کا مطالبہ کیا، تو خود ان کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے نان نفقہ اور گھر نہیں دلایا بلکہ ابن ام مکتوم کے مکان میں جا کر عدت بیٹھنے کا حکم دیا (جو اندھے تھے اور انہیں دیکھ نہ سکتے تھے)۔

نسائی نے بھی فاطمہؓ کا قصہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نفقہ اور گھر اس عورت کے لئے ہے جس کے شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہے۔ اس کی مصلحت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے: لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ اَمْرًا۔ (۶۵ : ۱) (شاید خدا اس کے بعد (یعنی طلاق کے بعد) کوئی خاص بات پیدا کر دے (یعنی شاید میاں بیوی میں صلح ہو جائے) سورۂ طلاق کی ابتدائی آیات میں ہے کہ طلاق رجعی کی حالت میں نہ شوہر بیوی کو گھر سے نکالے اور نہ بیوی خود گھر سے نکلے کیونکہ شاید باہم صلح ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر طلاق بائن ہو

جائے یا صلح کی کوئی امید باقی نہ رہے تو عورت گھر میں نہ رہے یہی مذہب علماءِ سلف کا ہے۔

نفقہ الاقارب

ابو داؤد کی روایت ہے: ایک شخص نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا: "کس سے سلوک کروں؟" فرمایا "اپنی ماں سے، باپ سے، بہن سے، بھائی سے، اپنے قریبی چچیرے بھائی (یا غلام) سے، یہ ایک حق ہے جس کا ادا کرنا واجب اور قرابتداری کا فرض ہے۔"

نسائی میں ہے: "دینے والا ہاتھ اونچا ہے سب سے پہلے انہیں دو جن کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے مثلاً تمہاری ماں، باپ، بہن، بھائی، پھر وہ جو تمہیں زیادہ قریب ہیں۔" ابو داؤد میں ہے: "سب سے اچھا کھانا وہ ہے جو تمہاری اپنی کمائی کا ہو، تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے، لہٰذا دل کے چین کے ساتھ اپنی اولاد کا مال کھاؤ پیو۔"

فصل ۴

رضاعت

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ولادت کی بنا پر جتنے رشتوں میں نکاح حرام ہے اتنے ہی رشتوں میں رضاعت کی بنا پر بھی حرام ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے خواہش کی گئی کہ حضرت حمزہؓ کی لڑکی کو زوجیت میں قبول کرلیں۔ آپؐ نے جواب دیا: "وہ میرے لئے جائز نہیں، کیونکہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے، جو کچھ نسب سے حرام ہے وہی رضاعت سے بھی۔" ابوداؤد میں ہے "رضاعت وہی معتبر ہے جو گوشت پیدا کرے اور ہڈی بڑھائے"[1]

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ رضاعت میں ایک دو قطرے یا ایک دو گھونٹ دودھ پینا معتبر نہیں جیسا کہ جہلا خیال کرتے ہیں۔

فصل ۵

عدّت

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں عدّت کو بتفصیل بتایا ہے اور اس کی چار صورتیں قرار دی ہیں:

(۱) حاملہ کی عدّت، وضع حمل ہے عام اس سے کہ اُسے طلاق بائن دی گئی ہو، یا رجعی یا اس کا شوہر فوت ہوگیا ہو۔ فرمایا:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ (۶۵: ۴) حاملہ عورتوں کی عدّتِ وضع حمل ہے۔

جمہور صحابہؓ کا یہی مسلک ہے، حتیٰ کہ اگر شوہر کے دفن سے پہلے ہی وضع حمل ہو جائے تو بھی عدّت پوری ہو گئی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ موجود ہے۔

(۲) حیض والی مطلقہ کی عدّت، تین طُہر ہیں۔ فرمایا:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ ۔ (۲ : ۲۲۸)
طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں۔

(۳) اُس مطلقہ کی عدت جسے حیض نہیں آتا (عام اس سے کہ یہ کم سنی کی وجہ سے ہو یا کبر سنی کی وجہ سے) تین مہینے ہیں۔ فرمایا:

وَاللّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّاللّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ۔ (۶۵ : ۴)
جو عورتیں حیض سے مایوس ہیں اور جنہیں حیض نہیں آتا، اُن کی عدت تین مہینے ہے۔

(۴) بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۔ (۲ : ۲۳۴)
جن عورتوں کے شوہر مر جائیں وہ چار مہینے اور دس دن انتظار کریں۔

یہ حکم ان بیواؤں کا ہے جو حاملہ نہ ہوں، کیونکہ حاملہ کا حکم دوسرا ہے، جس کی عدت بہر حال وضعِ حمل ہے، عام اس سے کہ وضع حمل عدت کے اندر ہو جائے یا بعد تک قائم رہے۔

باب ۶

حفظِ صحت اور حالتِ مرض

اقسامِ مرض

مرض دو قسم کا ہوتا ہے : مرضِ قلب اور مرضِ بدن۔ قرآن میں ان دونوں قسموں کے بڑے بڑے امراض اور طرقِ علاج کی طرف اشارے موجود ہیں۔

قلب کی بیماریوں کے علاج سے شفا ہو سکتی ہے۔ عوارضِ جسم کی بھی دو قسمیں ہیں : ایک قسم ان عوارض کی ہے جو فطری ہیں اور ان کا علاج بھی فطرت نے ہر ذی روح کو سکھا دیا ہے مثلاً بھوک، پیاس، گرمی، سردی وغیرہ۔ دوسری قسم ایسے عوارض کی ہے جو اسبابِ خارجیہ سے لاحق ہو جاتے ہیں اور ان کے علاج میں غور و فکر اور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

علاج کی تلقین

صحیح مسلم میں ہے : "ہر بیماری کے لئے دوا ہے۔ اگر دوا لگ گئی تو مریض

حکمِ الٰہی سے شفا پایا جاتا ہے۔" صحیحین میں ہے: "خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو"

مسند میں اسامہ بن شریک کی روایت ہے کہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر تھا کہ کچھ بدو آئے اور پوچھنے لگے: یا رسول اللہ، کیا ہمیں علاج کرنا چاہیئے؟ فرمایا "ہاں، خدا کے بندو! دوا کرو کیونکہ خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو، بجز ایک بیماری کے جس کی کوئی دوا نہیں" کہنے لگے "وہ کونسی بیماری ہے؟" فرمایا: "بڑھاپا"

ایک حدیث میں ہے: "خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو، جسے معلوم ہوگئی، معلوم ہوگئی، جسے نہ معلوم ہوئی، نہ معلوم ہوئی"

علاج بھی تقدیرِ الٰہی ہے

سنن میں ابو خزامہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ سے دریافت کیا: "آپ کی رائے، جھاڑ پھونک، دوا، اور بیماری سے بچنے کی دوسری تدبیروں کے بارے میں کیا ہے؟ کیا ان سے خدا کی تقدیر ٹل سکتی ہے؟" فرمایا "یہ بھی تو خدا کی تقدیر ہے" روایت ہے کہ آپؐ ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فرمایا: "کسی طبیب کو بلاؤ" ایک شخص کہنے لگا "اور آپؐ بھی یا رسولؐ اللہ ایسا کرتے ہیں!" فرمایا "ہاں خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو"

ان احادیث سے اسباب و مسببات کا ثبوت ہوتا ہے اور ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو علاج معالجہ کو برا کہتے ہیں۔

بہترین طبیب سے علاج کرانا چاہیئے: موطا میں فرید بن اسلم کی

روایت ہے کہ ایک شخص زخمی ہو گیا اور خون اندر بند ہو گیا۔ آپؐ نے بنی انمار کے دو شخصوں کو طلب کیا اور بغور دیکھ کر فرمانے لگے "تم میں زیادہ طب کون جانتا ہے؟" ایک شخص عرض کرنے لگا "کیا طب سے بھی کچھ فائدہ ہوتا ہے؟" فرمایا: "ہاں جس نے بیماری اتاری ہے اسی نے دوا بھی اتار دی ہے۔"

امراضِ معدیہ سے تحفظ

صحیح مسلم میں ہے کہ وفد ثقیف میں ایک مجذوم بھی آیا تھا۔ آپؐ اُس سے نہیں ملے بلکہ کہلا بھیجا: "لوٹ جاؤ، ہم نے تمہاری بیعت قبول کر لی۔"

بخاری میں ہے: "جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔"

سنن ابن ماجہ میں ہے: "جذامیوں کی طرف ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھا کرو۔[1]"

صحیحین میں ہے: "بیمار تندرستوں میں نہ داخل ہو۔" روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "جذامی سے ایک یا دو نیزہ کی مسافت سے گفتگو کرو۔[2]"

نیم حکیم

سنن ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ میں ہے: "جس شخص کا طبیب ہونا مشہور نہ ہو، اور لوگوں کا علاج معالجہ شروع کر دے تو وہ بیمار کی زندگی کا ذمہ دار ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ غیر طبیب کا علاج نہ کرنا چاہیے اور اگر کرے تو نقصان کی صورت

---

[1] کیونکہ ایسا کرنے سے طبیعت میں مرض قبول کر لینے کی صلاحیت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ (مترجم)

[2] یہ تو سنت نبویؐ ہے، لیکن ہم مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ متعدی امراض سے نہیں بچتے اور جو کوئی بچے اسے مطعون کرتے ہیں کہ ضعیف الایمان ہے۔ (مترجم)

میں ذمہ داری اسی کے سر ہوگی۔

بدہضمی

مسند وغیرہ میں ہے: "جو ظرف انسان بھرتا ہے اس میں سب سے بُرا ظرف پیٹ ہے، ابنِ آدم کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں، اور اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو اس طرح کھائے کہ ایک ثلث پیٹ کھانے کے لئے، ایک ثلث پانی کے لئے اور ایک ثلث سانس کے لئے رکھے۔"

اپریشن

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ ایک شخص کی عیادت کو گیا جس کی پیٹھ پر ورم آگیا تھا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ اس کی پیٹھ میں بتوڑی ہے، فرمایا: "چاک کر ڈالو" حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ اس وقت تک وہاں موجود رہے، جب تک عمل جراحی پورا نہ ہوگیا۔"

بیمار کو کھانے کے لئے نہ مجبور کرنا

ترمذی میں ہے: "بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتا پلاتا ہے۔" بعض اطبار کا قول ہے کہ یہ حدیث نبویؐ فوائد سے لبریز ہے، کیونکہ بیمار جب کھانے پینے سے منہ موڑ لیتا ہے تو اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں، یا تو طبیعت، مرض کے ازالہ میں مصروف ہوتی ہے، یا حرارتِ عزیزی کے کم ہوجانے سے رغبت نہیں ہوتی، یا اسی طرح کا اور کوئی سبب ہوتا ہے، غرضکہ ہر حال میں یہی اولیٰ ہے کہ بیمار کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے، اِلّا اتنا کھانا پینا جو طبیب کی رائے میں ضروری ہو۔

بیمار کا دِل بہلانا

ابن ماجہ میں ہے: جب بیمار کی عیادت کو جاؤ تو اسے زیادہ زندہ رہنے کی امید دلاؤ، اس سے کچھ نہیں ہوتا، لیکن بیمار کا دل خوش ہو جاتا ہے۔" یہ علاج کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ بہت سے مریض بلا دوا کے محض دل بہلانے کی وجہ سے اچھے ہو گئے۔

حرام سے علاج نہ کیا جائے

رسول اللہ ﷺ نے حرام چیز دوا میں دینے سے منع کیا ہے۔ شراب کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا گیا، فرمایا: "وہ دوا نہیں، خود بیماری ہے"(کتب سنن ادر) بخاری میں ہے: "جو چیزیں خدا نے تم پر حرام کر دی ہیں اُن میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی۔"

خاتمۃ الکتاب

حیاتِ طیّبہ کا سرچشمہ

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک "حیاتِ طیّبہ" کا کامل نمونہ تھا۔ آپؐ مادی اور روحانی اصلاح وسعادت کے اصول وقواعد اپنے ساتھ لائے جو بعینہٖ قرآنی اصول تھے، جن کی پیروی و پابندی سے سلف صالح، ترقی وتمدّن، وشوکت کی معراج تک پہنچے اور جن کے ترک وہجران نے مسلمانوں کو اس بلندی سے اس پستی میں لا گرایا اور جہانگیری وجہانبانی کے بدلے اغیار کا محکوم اور غلام بنا دیا!

مسلمانوں کی پستی کی وجہ

آج مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں پست ہیں حتیٰ کہ مذہب اور مذہبی تعلیم میں بھی ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ وہ ایسی کتابوں کی درس وتدریس میں مشغول ہیں جنہوں نے انہیں قرآن سے دُور لے جا ڈالا ہے، اب کتاب اللہ

کی تلاوت، ہدایت و عمل کے لئے نہیں، صرف تبرک کے لئے رہ گئی ہے. حالانکہ اگر ہماری مشغولیت قرآن میں ویسی ہی ہوتی جیسی سلف صالح کی تھی تو آج یہ حالت نہ ہوتی کہ ہم پست ہیں اور اغیار بلند- کاش ہم جانتے کہ اغیار کی تمام ترقی و سربلندی اُنہی اصولوں کی بدولت ہے جو قرآن ہمارے لئے لایا تھا، مگر ہم نے ان سے رُوگردانی کی اور اغیار نے باوجود کافر ہونے کے ان کا خیر مقدم کیا اور تمام دنیا پر چھا گئے!

مسلمانوں اور اغیار کا موازنہ

ایک لمحہ کے لئے ہم اپنے اور ان کے مابین موازنہ کر کے دیکھیں کہ ہم اپنی مذہبی درسگاہوں میں کیا کرتے ہیں اور وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کس نہج پر چل رہے ہیں بلاشبہ یہ موازنہ نہایت حسرتناک ہوگا کیا عجب ہے کہ حسرت موجب عبرت ہو. مسلمانو! ذرا دیکھو غور کرو اور عبرت حاصل کرو!

ہمارا علم اور ہمارا فلسفہ

ہم اب تک "ضرب زیدٌ عمروا" عمرو کو زید سے پٹوانے میں مصروف ہیں اور اغیار صنعت و حرفت، تجارت اور ایجادات و اکتشافات کے سَر کرنے میں منہمک ہیں.....!

ہم "جمع الجوامع" اور "ابن حاجب" جیسی کتابوں کے رموز و غوامض کی تحلیل میں پڑے ہیں اور وہ اجسام کو بسیط عناصر میں تحلیل کرنے اور اعضا کے اعمال و وظائف معلوم کرنے میں لگے ہوئے ہیں.....!

ہم منطق کے خیالی گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں اور صغریٰ و کبریٰ کی فکر میں حیران و سرگرداں ہیں، لیکن وہ اقتصادی انجمنیں بنانے اور خیرات خانے قائم

کرنے میں کوشاں ہیں!

ہم اپنے خیالی مقدمات سے نتائج نکالنے کی ادھیڑبن میں پڑے ہیں، اور وہ سمندروں سے موتی اور مرجان نکالنے اور زمین سے سونا اور جواہرات اُگلوانے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں....!

ہمارا صرفی نحوی

ہم "تَابَطَ شَرًا" اور "مَعْدِ یکرَب" کی ترکیب میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور وہ ادویہ ماکولات و مشروبات کی ترکیب میں مصروف ہیں! برقی تار کے جال پھیلاتے ہیں، توپیں قلعوں پر چڑھاتے ہیں، ریل کی پٹڑیاں بچھاتے ہیں!

اغیار کی سائنس

ہم استعاروں اور کنایوں کے بنانے میں پریشان ہیں اور "رَأَیْتُ فِی الْحَمَامِ اَسَدًا" (میں نے حمام میں شیر دیکھا) کے سے ہزار سالہ پامال استعاروں پر سر دھنتے ہیں، لیکن وہ جہاز بناتے ہیں، سمندروں کو طے کرتے ہیں، پانی نلوں میں زمین سے آسمان تک لے جاتے ہیں! بجلی کو تاروں پر دوڑاتے ہیں، اور خشکی اور تری کو ایک کر رہے ہیں.....!

ہم ابھی تک اس بحث سے فارغ نہیں ہوئے کہ جانور کی کھال اور بال طاہر ہیں یا نجس، لیکن وہ انہیں درست کرتے اور اُن سے دولت پیدا کر رہے ہیں.....!

صفاتِ الٰہی کی انتہائی تحقیق ہم نے یہ کی کہ قدیم ہیں، ازلی ہیں، قائم بالذات ہیں اگر ہماری آنکھوں کا پردہ اُٹھ جائے تو انہیں دیکھ لیں" لیکن وہ اُنکی تحقیق الفاظ سے نہیں، عمل سے کرتے ہیں، وہ انسانی و حیوانی و نباتی اجسام کے عجائبات سے پردہ اُٹھاتے اور قوانین الٰہیہ و سنن فطریہ کے راز فاش کرتے ہیں.....!

غیر مسلموں کی رفعتِ پرواز

ہمارے علوم و فنون کی سرحدیں لفظی مجادلات سے آگے نہیں بڑھتیں انہیں عمل سے کوئی تعلق نہیں، تزکیہ نفس اور اصلاح اجتماعی کا اس دفترِ پارینہ میں ایک نسخہ بھی موجود نہیں، لیکن ایک وہ ہیں کہ آسمانوں پر اڑے، زمین کے اندر پہنچے، پانی اور ہوا پر سوار ہوئے، قدرت کے خزانوں پر قابض ہوئے، ہر چیز کے مالک بنے، حتیٰ کہ ہمارے سر نیچے کر دیئے اور اپنی غلامی کا بھاری جوا ہماری گردن پر رکھ دیا....!

یہ ہے ہماری حالت اور یہ ہے ان کی حالت، پھر صحیح موازنہ کیونکر ہو۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (۳۹/۹) — پوچھو، کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟

مسلم واعظ کی کور بصری

لیکن بایں ہمہ ہمارا واعظ انتہائی ادعا و نخوت کے ساتھ منبر پر کھڑا ہوتا ہے اور غایت درجہ بے حیائی سے پکارتا ہے:

الدنیا جنۃ الکافر وسجن المؤمن" — دنیا کافر کی جنت اور مومن کا قیدخانہ ہے۔

یہ کہہ کر [redacted] مسلمانوں کو اور بھی ترقی و تمدن سے دور کر دیتا ہے، کیونکہ اس کے زعم میں دنیا کو آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس کے پاس آخرت کا پروگرام کیا ہے؟ وہ اسے یوں بیان کرتا ہے:

من صام ثلاثۃ ایام من رجب غفرت ذنوبہ ولو کانت مثل زبد البحر وادخل — جس نے رجب کے تین روزے رکھ لئے، اس کے تمام گناہ معاف ہو گئے اگرچہ بحر زخار

الجنۃ بغیر حساب واعطی مالم یحصہ الا اللہ من نعیمہ۔ | کی مانند ہوں، بغیر کسی حساب کے جنت میں پہنچا دیا گیا، اور اتنی نعمتوں سے شادکام ہوا جن کا اندازہ بجز خدا کے کوئی نہیں کر سکتا!

اور کہتا ہے: جو شہادتین کا اقرار کرتا ہے، اگرچہ عمل نہ کرے، امت محمدیہ میں ہے اور اُمتِ محمدیہ کے لئے ہمیشہ خوشخبری ہے!" اور کہتا ہے، نبیؐ قیامت میں گنہگاروں کی شفاعت کریں گے، سخت مجرم و خاطی جنت میں جا سکتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ نیک کردار اور فرمانبردار دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جا سکتا ہے!"

غرضکہ یہ اور اسی قسم کی تعلیمات ہیں جو احساس کو مارتیں، بزدلی، سستی، بدنظمی پھیلاتیں، ہیبتِ الٰہی کو زائل کرتیں، خداوندی وعدوں کو مشتبہ بناتیں اور مذہب و مذہبیت کو بے قیمت کر کے ڈال دیتی ہیں۔

افسوسناک حالت کی ذمہ داری

اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان صرف دعوائے اسلام کو کافی سمجھتا ہے، عمل کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتا، بلکہ اکثر مسلمان تو اسلامی تعلیمات پر مطلقاً چلتے نہیں، لیکن اس پر بھی اسلام کے مدعی، اصل یہ ہے کہ اسلام برائے نام رہ گیا ہے اور مسلمان صرف مردم شماری کے رجسٹروں میں ملتے ہیں۔ اس افسوسناک حالت کی تمام تر ذمہ داری انہیں بدنما اور شرمناک تعلیمات پر ہے جو ہمارے واعظوں اور ملاؤں کی زبانوں سے نکل کر مسلمانوں کے دلوں میں گمراہی کا گھر بناتی ہیں۔

کیا دنیا واقعی مومن کا قید خانہ ہے؟

ہمارے وعظ سن کر وانا وبینا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی اللہ تعا

نے اس وسیع دنیا کو صرف کافروں کے لئے مخصوص کر دیا ہے کہ عیش کریں اور سربلندی حاصل کریں اور مومن کے لئے اسے قیدخانہ بنا دیا ہے کہ ذلت وخواری محرومی ونامرادی عبودیت وغلامی کے ساتھ اس میں پڑا زندگی کے دن پورے کرتا ہے؟ کیا مومن کے خلق کرنے سے اس حکیم و برتر کا منشا صرف اس قدر ہے کہ گلے میں تسبیح ڈالے کسی مسجد یا خانقاہ میں بیٹھا چٹائی توڑا کرے؟ گویا جنت صرف کاہلوں غافلوں، اور غلاموں کے لئے ہے، اور گویا اسلام ذلت ومسکنت، لاچاری و بے چارگی، غلامی وخواری کا مجموعہ ہے۔

اسلام حکومت وسلطنت کا مذہب ہے

حالانکہ اگر دیدۂ بصیرت وا ہوتا تو ہمارے واعظوں کو معلوم ہوتا کہ اسلام عمل ونشاط، دولت وثروت، جاہ وجلال، حکومت وسلطنت کا مذہب ہے۔ اگر خدا نے مومن کو دنیا میں قید اور ذلیل وخوار ہونے کے لئے پیدا کیا ہے تو آخرت میں عزت وسعادت کس بنا پر بخشے گا؟ کیا آخرت کی کوئی سرخروئی دنیا کی روسیاہی کا معاوضہ ہو سکتی ہے؟ جنت اسی کا نتیجہ نہ ہوگی؟ کیا نجات و سعادت کا مدار عمل پر نہیں ہے؟ کیا جنت ان روسیاہوں کو بھی مل جائے گی جن کے کیسہ میں بجز دعوائے اسلام اور فسق وفجور کے کچھ نہیں؟ کیا جنت ایسی پڑی لٹ رہی ہے کہ ہر کس وناکس اس پر قابض ہو جائیگا؟ اگر یہ خیال ہے تو یہ کفر ہے۔ ضلالت ہے جنت وآخرت، اجر وثواب کا دوسرا نام ہے جنت وآخرت، عمل اور صرف عمل کا نتیجہ اور معاوضہ ہے: "جَزَآءً وِفَاقًا" (۷۸: ۲۶) (پورا پورا معاوضہ) اور فرمایا:

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ — جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی

اَعۡمٰی وَاَضَلُّ سَبِیۡلًا ۝ (۱۷ : ۷۲) — اندھا ہے بلکہ اور بھی زیادہ گم کردہ راہ۔

اندھا کون ہے؟ وہ جسے گمراہی نے دین و دنیا سے غافل کر دیا ہے، جسے بزدلی اور جھوٹی آرزوؤں نے اعلاء کلمۃ اللہ اور خدمتِ اُمت و وطن سے بٹھا دیا ہے۔ جو قوم اس دنیا میں ذلت و خواری پر قانع ہے، اور عبودیت و مسکنت میں زندگی بسر کرتی ہے، ضرور ہے کہ آخرت بھی اسی حال پر رہے، بھڑکتی ہوئی جہنم میں گرے، جنت کی جھلک تک نہ دیکھے، کیونکہ وہ کافر ہے، مومن نہیں۔

مومنین کی صفات

مسلمان آنکھیں کھولیں، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی زندگی پر غور کریں اور سنیں کہ خدا نے مومنین کی صفات کیا بتائی ہیں۔ فرمایا:

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَجَاھَدُوۡا بِاَمۡوَالِھِمۡ وَاَنۡفُسِھِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوۡنَ۔ (۴۹ : ۱۵)

مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہیں پڑے، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا، وہی لوگ سچے ہیں۔

اور فرمایا:

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَھُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجۡزِیَنَّھُمۡ اَجۡرَھُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔ (۱۶ : ۹۷)

حالتِ ایمان میں جو کوئی مرد یا عورت اچھے عمل کرے گا ہم اسے اچھی زندگی بخشیں گے اور ان کے بہترین اعمال کے حساب سے ان کو بدلہ دیں گے۔

اور فرمایا:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ، قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ، كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ" ۔ (۷ : ۳۲)

اے پیغمبر! پوچھو کہ اللہ کی زینت کو جسے اس نے اپنے بندوں کیلئے بندوں کیلئے بنایا اور اچھے رزق کو کس نے حرام کردیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ سب مومنوں کیلئے دنیا کی زندگی میں اور بالکل انہیں کیلئے قیامت کے دن ہے، ہوشمندوں کے لئے ہم اس طرح نشانیاں کھول دیتے ہیں۔

اور فرمایا :

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۔ (۴ : ۱۴۱)

خدا مومنوں پر کافروں کو ہرگز کوئی راہ نہ دے گا۔

اور فرمایا :

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۔ (۴۵ - ۱۴)

آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے تمہارے لئے خدا نے مسخر کردیا ہے، اس میں غور کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

اور فرمایا :

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (۶۳ : ۸)

غلبہ وشوکت اللہ کے لئے ہے اور اسکے رسولؐ کیلئے اور مومنوں کیلئے منافق نہیں سمجھتے۔

اور فرمایا :

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ، وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ

تم میں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، خدا کا ان سے وعدہ ہے کہ انہیں ضرور زمین کا مالک بنائے گا ٹھیک اسطرح جس طرح ان سے پہلوں کو بنایا تھا، اور ضرور ان کیلئے اس

لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا، يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا، وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (۲۴ : ۵۵)

دین کو محکم و قائم کر دے گا جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ضرور خوف کو امن امان سے بدل دے گا، اس کے بعد وہ میری ہی عبادت کریں، کسی چیز کو بھی میرے ساتھ شریک نہ کریں، اس کے بعد بھی جو کفر کرے، وہ بلاشبہ فاسق ہے۔

انتباہ

اے غافل قوم! دیکھ یہ ہیں مومنوں کی علامتیں، نہ وہ جو تجھ میں پائی جاتی ہیں کہ زندگی اور زندگی کے مصالح اور مفاسد سے بے خبر ہے، علوم و فنون سے جاہل ہے، غلامی کے لعنتی طوق گلے میں ڈالے ہے، "مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اور اَلضَّالِّيْنَ" کی سی بہیمانہ زندگی بسر کر رہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ تیرے مردہ جسم میں زندگی کا خون دوڑے، رگِ حمیت کو جنبش ہو، عمل کی طرف رغبت ہو، آزادی کا جذبہ جاگے، اور شوقِ شہادت دلوں کو بیتاب کر دے . . . . !

ربنآ اننا سمعنا منادیًا ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم، فاٰمنّا۔ ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفّرعنّا سیّئاتنا وتوفّنا مع الابرار (۳ : ۱۹۲)

تمّت

سلسلۂ مطبوعات ۴۳

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اُسوۂ حسنہ

ترجمہ

هَدْيُ الرَّسُوْل صلى الله عليه وآله وسلم

اختصار

زَادُ الْمَعَادِ فِيْ هَدْيِ خَيْرِ الْعِبَادِ

باوقار تالیف

شیخ الاسلام امام ابن قیمؒ رحمہ اللہ

مترجمہ

مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلسِ نشریاتِ اسلام

۱۔ کے ۔ ۳ ناظم آباد ۱ ، کراچی ۱۸